پاکستان میں دینی تعلیم

منظر، پس منظر و پیش منظر

خالد رحمٰن

اے۔ ڈی۔ میکن

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز

Marfat.com

پاکستان میں دینی تعلیم
منظر، پس منظر و پیش منظر

❁ خالد رحمٰن ❁ اے ڈی میکن

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز - اسلام آباد

Marfat.com

۲۹۷.۷۱۰۵ خ ۱۹ پ
۹۳۶۵۸

© جملہ حقوق محفوظ ۲۰۰۹ء

کتاب : پاکستان میں دینی تعلیم ــــ منظر، پس منظر و پیش منظر

تدوین : خالد رحمٰن، اے ڈی میکن

اہتمام : انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز

پلاٹ نمبر 1، گلی نمبر 8، سیکٹر F-6/3، اسلام آباد
فون: 3-051-2650971 فیکس: 051-2650704
ای میل: publications@ips.net.pk

مطبع : Starik Printer - Rawalpindi

الفاظ و صفحہ سازی : طاہر احمد عباسی

سرورق : طاہر خان

اعتذار : انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز تحقیق کے لیے آزادانہ اظہار خیال کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ کتاب میں پیش کیے گئے تمام خیالات سے ادارہ کا مکمل اتفاق ضروری نہیں۔

ISBN : 978-969-448-097-8

297،07105491 خالد رحمٰن
پاکستان میں دینی تعلیم۔منظر، پس منظر و پیش منظر
اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، ۲۰۰۹ء
۳۶۷ ص
پاکستان۔ دینی مدارس I۔ مذہبی تعلیم، اسلامی درس و تدریس۔ پاکستان II۔ عنوان

قیمت : 600 روپے

Marfat.com

فہرست

پیش لفظ ۳

تعارف ٦

قومی تناظر: دینی تعلیم-قومی پالیسی اور حکومت کا کردار ۹

• محمود شام • پروفیسر متین الرحمٰن مرتضیٰ • ڈاکٹر محمود احمد غازی • وکیل احمد خان
• ڈاکٹر نسیم اشرف

مدرسہ کا کردار: تصورِ تعلیم-نصاب اور طریق تدریس ۵۰

• ڈاکٹر احسان الحق • عبداللہ • ڈاکٹر رفیق احمد • ڈاکٹر سرفراز نعیمی • ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
• اوریا مقبول جان • پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر • ڈاکٹر مولانا عطاء الرحمٰن
• پروفیسر عبدالرزاق خان • مولانا عزیز الرحمٰن • مولانا مقصود الحسن ڈوگی
• مولانا عبدالرشید غازی

دینی تعلیم اور تحقیق وصحافت: روایت، عصری تناظر اور معیار ۱۵۳

• حافظ حسن مدنی • ڈاکٹر قبلہ ایاز • ابوعمار زاہد الراشدی • پروفیسر عبدالجبار شاکر
• ڈاکٹر محمد امین • ڈاکٹر احسن اختر ناز • مولانا عبدالرحمٰن مدنی • ڈاکٹر مغیث الدین شیخ
• ڈاکٹر مسکین علی حجازی • ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی • مرزا محمد الیاس • عاطف وحید
• ڈاکٹر نعیم قریشی

Marfat.com

اصلاح احوال کی بحث (۱) ۲۴۲

• نجم الثاقب • سجاد میر • فہمیدہ اشرف • ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی • شفیق احمد • مسرور عالم
• ڈاکٹر اشرف شاہین قیصرانی • ڈاکٹر مولانا عطاء الرحمٰن • پروفیسر شمیم اختر • محفوظ علی خان

اصلاح احوال کی بحث (۲) ۲۶۶

• مولانا ڈاکٹر عطاء الرحمٰن • مولانا انوار الحق • مولانا محمد اسماعیل • مولانا رمضان توقیر
• مفتی کفایت اللہ • قاری روح اللہ • مولانا عبدالحق بلوچ • مولانا انوار الحق
• پروفیسر عبدالخالق سہریانی بلوچ • ابوتراب علی محمد • حافظ محمد سلفی • مولانا وزیر القادری
• مولانا فیض الرحمٰن عثمانی • عبدالمجید خارانی • عبدالمتین اخوندزادہ • مولانا انوار الحق حقانی

پیش منظر: خلاصہ بحث اور تجاویز ۳۱۷

ضمیمہ جات ۳۳۵

• مقالہ نگار اور باحثین
• دینی مدارس: پالیسی سیمینار سیریز

اشاریہ ۳۴۳

Marfat.com

پیش لفظ

کسی بھی سوسائٹی کو خاص طرزِ زندگی پر قائم رکھنے میں ایمانیات کے علاوہ جن قوتوں کا بڑا دخل ہوتا ہے وہ اخلاق، تعلیم اور قانون کی قوتیں ہیں۔ اگر یہ تینوں ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ان کی جڑیں ایمانیات میں پیوست ہیں تو پھر سوسائٹی میں بحیثیتِ مجموعی یک رنگی پائی جائے گی اور جس طریقے کو اس سوسائٹی نے قبول کیا ہے وہ پوری زندگی میں بھلائی کو جاری وساری کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ بیرونی سامراج کے سیاسی غلبے کا ایک بڑا ہی تباہ کن نتیجہ یہ ہوا ہے کہ یہ تینوں قوتیں ایک دوسرے سے جدا ہو گئیں اور ان کا تعلق ایمانیات سے منقطع ہو گیا۔ نتیجتاً ان میں سے ہر ایک، ملت کے افراد کو مختلف سمتوں میں لے جا رہی ہے۔ ہمارا قانون اور ہماری تعلیم ان اقدار پر مبنی نہیں ہے جو ہمارے ایمان اور ہمارے تصورِ اخلاق کی بنیاد ہیں۔

ہمارے ہاں پورا نظامِ تعلیم ایسا ہے جس میں طالب علم کسی مقام پر بھی مذہب کو اپنی زندگی سے متعلق نہیں پاتا۔ وہ طبیعیات پڑھتا ہے تو کہیں اسے اللہ تعالیٰ کا قانون کارفرما نظر نہیں آتا۔ وہ فلکیات کا مطالعہ کرتا ہے تو اس علم میں بھی وہ خدا کے کرشمے دیکھنے میں ناکام رہتا ہے۔ وہ فزیالوجی کا مطالعہ کرتا ہے تو یہاں بھی اس کی آنکھیں اللہ تعالیٰ کی آیات کو نہیں دیکھتیں۔ وہ علومِ عمرانی کا مطالعہ کرتا ہے تو ان کے دائرے میں بھی اسے کہیں اپنے دین کی تعلیمات نظر نہیں آتیں۔ اس نظامِ تعلیم میں تمام علوم خدا ناآشنا اور مذہب سے ناواقف ہیں اور اس کے تحت تعلیم پانے والا نوجوان یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ گویا مذہب کا دائرہ ان تمام سے جدا ہے۔

دوسری جانب اہلِ مذہب میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جسے ان حالات کا کوئی احساس اور

Marfat.com

ادراک نہیں۔ وہ جو زبان بولتا ہے، اسے آج کا نوجوان نہیں سمجھتا۔ وہ ایسی کتابیں لکھتا ہے جن میں آج کے ذہن کے لیے کوئی اپیل نہیں۔ وہ جزوی موضوعات اور گروہی مناقشات میں الجھا ہوا ہے، جو لوگوں کو نفس مذہب سے قریب لانے کے بجائے دُور لے جانے کا باعث ہو رہے ہیں۔ بعض سمجھدار اور لائقِ احترام علماء بھی وقت کی ضرورت کو پوری طرح محسوس نہیں کرتے اور معاملات کے بارے میں رائے زنی کرتے ہوئے پوری تحقیق سے کام نہیں لیتے۔ یہ تمام چیزیں نوجوان نسل کو اسلام سے قریب لانے والی نہیں، دُور لے جانے والی ہیں۔

بلاشبہ علماء کرام کو بحیثیت ایک طبقے کے، اس بارے میں ذمہ دار نہیں ٹھیرایا جا سکتا اور ان میں ایسے افراد کی تعداد کم نہیں ہے جو اس خطرے کا صحیح شعور رکھتے ہیں اور اس کے تدارک کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ یاد رہنا چاہیے کہ دورِ استعمار اور تحریکِ آزادی میں دینی علوم واقدار کے تحفظ اور علمی روایات کو باقی رکھنے کے لیے دینی تعلیمی اداروں نے غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں۔

آج دراصل تو پورے نظام تعلیم کی تبدیلی وقت کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس سوال پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ''دینی تعلیم کے مراکز دوبارہ وہ منصبی کردار کس طرح ادا کر سکتے ہیں، جس کے وہ ذمہ دار اور مستحق ہیں اور جس کو اختیار کیے بغیر یہ امت کبھی صحیح رُخ پر ترقی نہیں کر سکتی؟''

دینی علمی حلقوں میں بالعموم اس بات کا احساس پایا جاتا ہے کہ مغرب کے ایجنڈے سے قطع نظر دینی مدارس کے نظام میں ایسی مثبت تبدیلیاں ہونی چاہییں جو مدرسہ کے سماجی اور دینی کردار کو معاشرہ میں مضبوط تر بنائیں، نہ کہ اسے محدود تر کریں۔ یہ تبدیلیاں کیا ہوں اور کس نہج پر تدریجاً آگے بڑھنے کی ضرورت ہے، اس پہلو پر مسلسل غور وفکر اور عملی تجربات کے جائزے کی ضرورت ہے۔

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کے تحت دینی مدارس کی تعلیم کے حوالہ سے خصوصی پالیسی سیمینار سیریز میں متنوع پہلوؤں سے غور وفکر ہوتا رہا اور اہم خیالات سامنے آئے۔ زیرِ نظر کتاب

Marfat.com

ان سیمیناروں میں پیش کیے گئے مقالات ومباحث پر مشتمل ہے۔ سیمیناروں میں چونکہ تمام مسالک اور زندگی کے تقریباً تمام اہم شعبوں اور طبقوں کی نمائندگی ہوئی ہے، اس لیے اس دستاویز سے ایک جامع اجتماعی سوچ کی عکاسی ہوتی ہے۔ امید ہے کہ مدارس کے بارے میں بہت سے جاری مباحث کو اس کے صحیح تناظر میں سمجھنے اور آئندہ لائحہ عمل کی تشکیل میں اس کتاب سے مفید راہنمائی حاصل ہو سکے گی۔ نیز اس کاوش کے نتیجے میں جہاں دینی تعلیم سے متعلق ایک قومی نقطۂ نظر تشکیل پانے میں مدد ملے گی وہیں خود دینی تعلیم سے متعلق ذمہ داران کو یہ طے کرنے میں سہولت ہوگی کہ مدارس کی تعلیم کو زیادہ سے زیادہ نتیجہ خیز بنانے اور مدارس سے متعلق بیرونی دنیا کے تاثر کو مثبت شکل دینے کے لیے انہیں کن اقدامات اور مراحل سے گزرنے کی ضرورت ہے۔

۲۰ نومبر ۲۰۰۹ء

پروفیسر خورشید احمد

Marfat.com

تعارف

پاکستان کے نظامِ تعلیم میں دینی مدارس کے کردار اور ان کی اہمیت وافادیت سے انکار ممکن نہیں۔ برصغیر کی مسلم آبادی کو جس طرح مختلف سماجی انقلابات اور سیاسی اکھاڑ پچھاڑ سے سابقہ رہا ہے، ایسے عالم میں یہاں کے مسلمانوں میں کردار کی پختگی کے حوالے سے جس قدر انحطاط کیوں نہ آیا ہو، ان مدارس نے مسلمانوں کے دینی اعتقادات کو کم از کم ان بہت سے دوسرے خطوں کے اعتقادات کی طرح مسخ ہونے سے بچایا ہے جن پر غیر مسلموں کی حکمرانی رہی۔

اس ضمن میں علماء اور اساتذہ کا کردار تاریخی اہمیت کا حامل ہے، گو اس کا قرارِ واقعی اعتراف نہیں کیا جاتا۔ یہ بات اس اعتبار سے اور بھی زیادہ اہمیت اختیار کر لیتی ہے کہ یہ سب کچھ ایسے حالات میں ہوا جب کسی حکومت نے (الاّ ماشاءاللہ) دینی مدارس کی باضابطہ سرپرستی نہیں کی، بلکہ خود مدارس کے اربابِ انصرام اور عوام نے دامے درمے سخنے قدمے مدارس کی مالی اور اخلاقی مدد جاری رکھی اور اپنے طرزِ عمل سے ثابت کیا کہ دینی تعلیم کے بغیر ان کی زندگی ادھوری ہے۔

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز نے اپنے قیام کے وقت سے ہی عمومی تعلیم کے متعدد موضوعات پر کام کے علاوہ دینی تعلیم اور اس کے نظام کے حوالہ سے صورتِ حال کے معروضی تجزیے اور بہتری کے لیے اقدامات کے ضمن میں تحقیق واشاعت کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ بدلتے ہوئے ملکی اور بین الاقوامی تناظر میں گزشتہ سالوں کے دوران اس کام میں اضافہ کے ساتھ ساتھ تیزی، وسعت اور گہرائی بھی آئی ہے۔ اس عرصہ میں آئی پی ایس نے دینی تعلیم پر کام کے حوالہ سے تین شعبوں پر خصوصی طور پر توجہ دی ہے۔

Marfat.com

اول، دینی تعلیم سے متعلق اساتذہ کی تربیت کے ذریعے ان کی پیشہ ورانہ صلاحیت میں بہتری لانے کی کوشش۔

دوم، تعلیم، تعلیمی پالیسی اور دینی تعلیم سے متعلق افراد اور اداروں کے درمیان مکالمہ، تبادلۂ خیال اور بحث و تمحیص کے ذریعے اتفاق رائے کے حصول کے لیے کانفرنسوں اور سیمیناروں کا انعقاد۔

سوم، دینی تعلیم کے طریق کار، معیار اور انتظامی امور کے جائزے کے لیے تحقیقی جائزوں کا انعقاد۔

زیرِ نظر کتاب آئی پی ایس کے زیرِ اہتمام ملک کے پانچوں دارالحکومتوں (پشاور، کراچی، لاہور، کوئٹہ اور اسلام آباد) میں حقیقت حال کے ادراک اور تجزیے کے لیے منعقدہ سیمیناروں کے مقالات اور مباحث پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ہر پروگرام میں دینی تعلیم اور مدارس کے حوالہ سے کسی ایک خاص پہلو پر بحث و تمحیص کا اہتمام کیا گیا جبکہ شرکاء میں تمام ہی مسالک سے وابستہ دینی مدارس کے اساتذہ و منتظمین، پالیسی ساز اداروں کے اربابِ اختیار، معاونینِ مدارس، دینی تعلیم میں دلچسپی رکھنے والے عصری علوم کے ماہرین کے علاوہ ذرائع ابلاغ (پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا) کے افراد شامل رہے۔ ان سیمیناروں میں درج ذیل موضوعات کو زیرِ بحث لایا گیا:

— خطے کی موجودہ صورت حال اور دینی مدارس (اسلام آباد)

— دینی مدارس کا تعلیمی نصاب۔ بہتری کے لیے لائحہ عمل (پشاور)

— رسوم و رواج پر دینی مدارس کے اثرات (کوئٹہ)

— دینی مدارس میں تحقیق اور صحافت کی صورتِ حال (لاہور)

— دینی مدارس اور قومی پالیسی کی تشکیل (کراچی)

مذکورہ سیمینار مختلف علمی و تربیتی اداروں کے تعاون سے منعقد ہوئے۔ ان تمام اداروں کا شکریہ ہم پر فرض ہے۔ ان میں نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن، کراچی، نیشنل انسٹی ٹیوٹ

Marfat.com

آف پبلک ایڈمنسٹریشن، کوئٹہ، شیخ زید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب لاہور اور شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی، پشاور اور عالمی ادارہ فکرِ اسلامی، اسلام آباد شامل ہیں۔ ان اداروں نے نہ صرف سیمینار منعقد کرنے میں سہولیات بہم پہنچائیں بلکہ یہاں کے ماہرین نے اظہارِ خیال کے ذریعے مسئلے کو سمجھنے میں بھی بھرپور معاونت فرمائی۔

سیمیناروں کے انعقاد کا فائدہ محدود ہو جاتا اگر آئی پی ایس نے ان تمام سیمیناروں میں پیش کیے گئے خطبات، تقاریر اور نقطہ ہائے نظر کو تحریر میں تبدیل نہ کیا ہوتا۔ اس تبدیلی کے بعد ہی ہم ان کارروائیوں کے مندرجات کو کتابی صورت میں پیش کرنے کے قابل ہوئے ہیں لہٰذا ان تمام متعلقہ کارکنانِ آئی پی ایس، خصوصاً شیر افسر خان، عبداللہ خان، متقین الرحمٰن اور طاہر احمد عباسی کا شکریہ ادا کرنا بھی ہم پر فرض ہے۔

کتاب کی طباعت میں اگرچہ تاخیر ہو گئی ہے، تاہم چند برسوں کے دوران میں پیش کیے گئے خیالات جو آج اس کتاب کی شکل میں سامنے آ رہے ہیں، یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اہلِ فکر کے پیش کردہ بعض خیالات عمومی قبولیت حاصل کرتے ہوئے عملی اطلاق کے درجہ تک آتے جا رہے ہیں۔

گفتگو کو تحریر میں منتقل کرتے ہوئے اس بات کا ممکنہ حد تک خیال رکھا گیا ہے کہ اصل زبان کا لہجہ برقرار رہے۔ نیز بہت سے شرکاء کی گفتگو کو یکجا کرنے میں خیالات کا تکرار ایک ناگزیر مجبوری ہے البتہ اسے ممکنہ حد تک کم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اسلام آباد — خالد رحمٰن

۵ نومبر ۲۰۰۹ء — اے ڈی میکن

Marfat.com

قومی تناظر

دینی تعلیم — قومی پالیسی اور حکومت کا کردار

- محمود شام
- پروفیسر متین الرحمٰن مرتضیٰ
- ڈاکٹر محمود احمد غازی
- وکیل احمد خان
- ڈاکٹر نسیم اشرف

Marfat.com

Marfat.com

﴿۱﴾

محمود شام

گروپ ایڈیٹر روزنامہ ''جنگ''، کراچی

یہ ستم ظریفی ہے کہ مجھ جیسے کم علم کو ان دینی مدارس کے بارے میں اظہار خیال کے لیے بلایا گیا ہے، جہاں سے امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام ابن حنبل، ابن ماجہ، امام غزالی، ابن تیمیہ، مجدّد الف ثانی، بوعلی سینا اور کیسی کیسی ہستیوں نے روشنی حاصل کی۔ برصغیر میں مولانا قاسم نانوتوی، امام احمد رضا بریلوی، مولانا محمود الحسن، سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، حسین احمد مدنی، مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے چراغوں نے روشنی کے ان ہی منابع سے جلا پائی۔ مولانا عبیداللہ سندھی بھی دینی مدارس ہی کی قیمتی میراث ہیں۔

آج کا موضوع ''دینی مدارس، قومی پالیسی کی تشکیل'' انتہائی اہم ہے۔ اس ضمن میں دونوں اصطلاحات، دینی مدارس اور قومی پالیسی، بلکہ تشکیل کی اصطلاح بھی محل نظر ہیں۔ دینی مدارس کس حد تک دینی اور کس حد تک واقعی مدرسہ ہیں، اس کی بھی تحقیق کی ضرورت ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ جن مدارس کے بارے میں ہم آج غور کرنے کے لیے جمع ہیں، وہاں صرف ونحو، بلاغت، تفسیر اصول حدیث، عقائد وکلام، اصول فقہ، اصول جدل، فقہ، فرائض، عربی نثر، عربی نظم، منطق، ہیئت، حساب اور ہندسہ کس طرح اور کس حد تک پڑھایا جا رہا ہے اور اس کے لیے کون کونسی کتابیں ہیں؟ پڑھانے والے کون ہیں؟ بظاہر جن علماء سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے وہ ان علوم کی روشنی منتقل کرتے

Marfat.com

دکھائی نہیں دیتے بلکہ ان کی ترجیحات کچھ اور نظر آتی ہیں۔ اس ضمن میں پہلے تو اس امر کا تفصیلی جائزہ لے کر اصل وجوہ کی نشاندہی کی جانی چاہیے۔

جہاں تک قومی پالیسی کا تعلق ہے، تو جہاں ابھی تک قوم بننے کا مرحلہ ہی طے نہیں ہوا وہاں قومی پالیسی کیسے تشکیل دی جا سکتی ہے۔ حکومت، قوم کیسے کہلا سکتی ہے۔ اس لیے اسے زیادہ سے زیادہ حکومتی یعنی حکومت وقت کی پالیسی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آنے والی حکومتیں اسے تسلیم کریں گی یا نہیں، کوئی علم نہیں ہے۔ ابھی ہم نے اسی لیے ایک وقت میں دو، دو وزیر اعظم رکھنے شروع کر دیے ہیں تاکہ پالیسیوں کا تسلسل برقرار رہے۔ یہ تجربہ بھی دیکھ لیتے ہیں کہ کیسا رہتا ہے۔

آج کل دینی مدارس کے نصاب میں تبدیلی کی باتیں ہو رہی ہیں اور اس امر کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے کہ دینی مدارس کو مرکزی قومی دھارے تک لایا جائے حالانکہ ہم ابھی تک یہ بھی طے نہیں کر سکے ہیں کہ پاکستان کا قومی تعلیمی دھارا کیسا ہونا چاہیے؟ مملکت پاکستان کے خدوخال کیا ہیں؟ اور وہ کون سے بنیادی امور یا خطوط ہیں جن کے پاکستان کی بنیاد ہونے پر سب کو اتفاق ہو؟ مملکتی امور تو اپنی جگہ، ہم دینی اور اسلامی امور پر بھی اتفاق رائے نہیں کر پائے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ ۱۹۷۹ء سے ۱۹۹۹ء تک وہی باتیں جو ہمارے ایمان اور عقیدے کا لازمی جزو تھیں۔ جس کی سرکاری، عسکری اور ملی سطح پر پذیرائی کی جا رہی تھی اب ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد سے ان میں سے اکثر خلاف قانون قرار دے دی گئی ہیں۔ وہ تنظیمیں جنہیں سرکاری طور پر عزت و وقار دیا جاتا تھا اب ان پر پابندیاں لگ رہی ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ ہمارے ہاں یہ طے نہیں ہو سکا کہ ہم بحیثیت مملکت کون ہیں اور ہماری سمت اور منزل کیا ہے؟

ہم نے اپنا راستہ متعین نہیں کیا اور اب اسی لیے ہم دوسروں کی لڑائی لڑنے پر مجبور ہیں۔ یعنی دوسروں کے ایجنڈے مکمل کرواتے ہیں۔ ۱۹۷۹ء میں ہم دینی مدارس کھول رہے تھے۔ بڑے بڑے رفاہی پلاٹ انہیں الاٹ کر کے فنڈز فراہم کر رہے تھے اور بالخصوص سرحد اور بلوچستان میں افغانستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ مدارس قائم کیے جا رہے تھے۔ اس وقت بھی یہ امریکہ کے

Marfat.com

ایجنڈے کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے تھا۔ کیونکہ ان دنوں امریکہ کو مجاہدین درکار تھے۔ اب امریکہ کو اعتدال پسند اور روشن خیال چاہییں، تو ہم مجاہدین کے گھنے سایہ دار درخت کو کاٹ کر روشن خیالی کی نرسریاں قائم کر رہے ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے بارے میں بالکل واضح تصور رکھتے تھے جس میں انتہا پسندی اور پاپائیت کی گنجائش نہیں تھی۔ پاکستان کا راستہ وہی تھا جو قائداعظم نے طے کیا تھا۔ لہٰذا پاکستان کی منزل بھی وہی رہنی چاہیے تھی جو قائداعظم اور ان کے رفقاء نے متعین کی تھی۔

جن طاقتوں اور تنظیموں نے قیام پاکستان کی مخالفت کرتے ہوئے کہا تھا کہ مذہب کی بنیاد پر الگ ملک قائم نہیں ہوسکتا، پاکستان بننے کے بعد وہی پریشر گروپ بن کر آ گئے اور ان میں سے بعض نے مملکت اور مذہب کو بار بار متصادم کرواتے ہوئے، انتہا پسندی کو فروغ دیا۔ پاکستان کے عوام کو جب موقع ملا انہوں نے ہمیشہ اعتدال پسندوں کو ووٹ دے کر حکومت کرنے کا حق دیا، لیکن منتخب حکمران پریشر گروپوں کے دباؤ میں آ کر اپنے منشور کی بجائے ان کے منشور کو اپنانے پر مجبور ہوتے رہے کیونکہ ان کے پیش نظر حکومت بچانا ہوتا تھا، مملکت بچانا نہیں۔ یہ کہانی طویل بھی ہے اور پیچیدہ بھی؛ اس لیے اس کی تفصیل میں جانے کی بجائے ہم آج کی بات کرتے ہیں۔ پہلے جمہوری قوتوں، اعتدال پسند حلقوں اور روشن خیال اکثریت کے مقابلے میں مذہبی پریشر گروپ اور مملکت کی عسکری قوتیں اکثر ہم خیال اور ہم قدم ہو جاتی تھیں۔ اس بار ظاہری طور پر مذہبی پریشر گروپ اور مملکت کی عسکری قوتیں باہم برسر پیکار ہیں۔ اس لیے حالات بھی خطرناک ہیں اور اسی لیے انارکی بھی زیادہ ہے۔

اب مملکت اعتدال پسند روشن خیالی کا جو راستہ اختیار کر رہی ہے، دراصل یہی وہ روڈ میپ تھا جو قائداعظم اور ان کے رفقاء نے پاکستان کے لیے وضع کیا تھا۔ یہ ہماری اپنی ضرورت تھی اس کے لیے ہمیں شروع سے ہی مسلسل کوششیں کرنی چاہییں تھیں۔ یہ صرف پاکستان میں نہیں تمام مسلم مملکتوں کا مسئلہ تھا کہ دین اور دنیا کا امتزاج کیسے ہو۔ مذہب اور سائنس کو ایک دوسرے کے

Marfat.com

مدمقابل لانے کی بجائے ان کو ایک دوسرے کے قریب لا کر انہیں دوسرے کے خیالات کے مطالعے میں معاون بنایا جائے۔ دینی تعلیم اور جدید تعلیم کے امتزاج کا مسئلہ تو سرسید احمد خان کے دور سے شروع ہو گیا تھا۔ یہ حقیقت بھی سامنے رکھنے کی ضرورت ہے کہ قیام پاکستان کے مخالف برصغیر کے مسلمان گروپ وہی تھے جو جدید علوم کی تدریس کی مخالفت کر رہے تھے۔ لہذا وہ دینی مدارس کو ہی تسلسل دینا چاہتے تھے۔ جس طرح دینی مدارس کے فارغ التحصیل اس وقت بھی قومی دھارے میں شریک نہیں ہو پاتے تھے اس طرح قیام پاکستان کے بعد بھی ان مدارس میں پڑھانے اور پڑھنے والے ملکی سیاست اور ملکی امور سے ایک عرصے تک الگ تھلگ رہے۔ اس لیے انہوں نے دینی مدارس کے نصاب اور طرز تعلیم میں تبدیلی کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت محسوس کی۔ ان کی طرف سے سیاست میں جو خلاء رہا، وہ جاگیرداروں اور مسلح افواج نے پُر کیا۔

جاگیردار جس طرح اپنی جاگیر میں مولوی کو کسانوں، لوہاروں، بڑھیوں اور موچیوں جیسے ایک کمّی کی حیثیت دیتے تھے اس سے ظاہر ہے کہ وہ ان سے کسی روشنی یا ہدایت کے حصول کی اہمیت نہیں سمجھتے تھے، لہٰذا جب وہ حکمران بنتے تھے تو ان کے نزدیک دینی مدارس کی بھی صرف اتنی وقعت تھی کہ وہاں صرف یتیم اور معذور بچے داخل کیے جائیں۔ ان کے لیے سرکاری فنڈز اور گرانٹ کا سوچا بھی نہیں جاتا تھا۔ یہ صرف زکوۃ، فطرہ، صدقات اور دوسرے عطیات سے چلتے تھے جو ایک طرح کی اجتماعی بھیک ہوتی تھی۔ برسوں تک یہ بھی فکر نہیں کی گئی کہ ان میں کیا پڑھایا جاتا ہے، کیا نہیں۔ جماعت اسلامی نے بھی اگرچہ پاکستان کی تحریک میں براہ راست حصہ نہیں لیا تھا لیکن اس تنظیم نے اس امر کی فکر کی کہ دینی تعلیم اور جدید علوم کو ایک دوسرے کے نزدیک لایا جائے۔ انگریزی تعلیم حاصل کرنے والے اس تنظیم سے بڑی تعداد میں وابستہ ہوئے۔ تاجر، صنعت کار، اکاؤنٹنٹ، اساتذہ اور دوسرے پیشہ ور لوگ اس میں شریک ہوتے رہے۔ ابتدا میں اس ضمن میں ان کے ہاں تحقیق بھی ہوئی۔ کتابیں پمفلٹ اور رسالے لکھے گئے۔ ان کے پاس

Marfat.com

دینی مدارس نہیں تھے لیکن انہوں نے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اپنے یونٹ قائم کیے البتہ دینی مدارس کے نصاب میں تبدیلی کے لیے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی اور نہ تحریک چلائی۔ دینی مدارس رکھنے والی مذہبی اور سیاسی جماعتیں ان سے دور دور رہیں یعنی انہوں نے اپنے طالب علموں کو انگریزی تعلیم سے دور رکھا۔

ان گزارشات سے میرا مقصد یہ ہے کہ کم وبیش چھ عشروں کے اس پس منظر میں ہمیں اگر کوئی قومی پالیسی تشکیل دینی ہے اور ایک مملکت کے خدوخال واضح کرنے ہیں تو صرف دینی مدارس میں نصاب اور تدریس کی تبدیلیاں لانے سے مجموعی مقاصد حاصل نہیں ہوں گے۔ مغرب کی طرف سے چونکہ ساری باتیں دینی مدارس کے نصاب پر ہورہی ہیں اور ماضی قریب کے طالبان کی تحریک کا رشتہ ان مدرسوں سے جوڑا جا رہا ہے اور ان کے نزدیک چونکہ طالبان کے اسلام نے انتہا پسندی، بنیاد پرستی، دہشت گردی اور عسکریت کو جنم دیا ہے اس لیے ان کا سارا زور اس بات پر ہے کہ دینی مدارس کا نصاب تبدیل کیا جائے۔ وہاں جدید علوم بھی پڑھائے جائیں۔ اس سے عسکریت جنم لے گی اور نہ روشن خیالی کے راستے مسدود ہوں گے۔

تبدیلی تو پورے معاشرے میں لانے کی ضرورت ہے، بلکہ پوری سیاسی، مذہبی فکر بدلنا ناگزیر ہے۔ عام کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی قومی نصاب تعلیم کو قومی مفادات سے ہم آہنگ کرنا انتہائی ضروری ہے۔ صرف اسلامی دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے ہی انتہا پسند نہیں ہوتے۔ جارج بش، ڈونالڈ رمسفیلڈ، ڈک چینی، کونڈا لیزا رائس اور ایریل شیرون نے تو اعلیٰ انگریزی تعلیم حاصل کی ہے لیکن ان کی شدت پسندی سے خود امریکی اور اسرائیلی پریشان ہیں۔

اصل بات کسی بھی ملک کے قومی مفادات کا تعین ہے۔ امریکہ، برطانیہ اور دوسرے مغربی ممالک کی طرح بھارت کے بھی اپنے قومی مفادات ہیں۔ طے یہ کرنا ہے کہ پاکستان کے قومی مفادات کیا ہیں؟ مملکت پاکستان کا دائرہ کار اور اس کی سمت کیا ہیں۔ دنیا میں مسلم مملکتیں تو اور بھی ہیں۔ ان سب کے اپنے اپنے قومی مفادات ہیں۔ عالم اسلام اس وقت کوئی ایک بلاک یا یونین

Marfat.com

نہیں ہے۔ پہلے ان مسلم مملکتوں کو الگ الگ اپنی شناخت متعین کرنی ہو گی اور اپنی زمینی ضروریات، اقتصادی وسائل کے مطابق اپنے اغراض و مقاصد اور مفادات کا تعین کرنا ہو گا۔ پاکستان کو بھی اپنے محل وقوع، اپنے منظرنامے، اپنے شہریوں اور صوبوں کی ضروریات کے مطابق قومی مفادات کا تعین کرنا ہوگا۔ ان کی روشنی میں ہی طے ہوگا کہ بچوں کو کیا پڑھایا جائے۔

اسلام میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ رہبانیت جائز نہیں۔ جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ عیسائیت میں جس طرح چرچ اپنے انتظامات کے حوالے سے عام معاشرے سے الگ تھلگ رہتے ہیں یا پادری اور راہبائیں الگ مخلوق سمجھی جاتی ہیں۔ اسلام میں ایسے تصورات کی گنجائش نہیں۔ یہاں مساجد اور مدارس سب قومی زندگی کا حصہ ہیں۔ پادریوں کی طرح مولوی تارک دنیا نہیں ہیں۔ وہ ایک ہی نہیں، دو تین شادیاں بھی کر لیتے ہیں۔ یہاں راہباؤں کا کوئی وجود نہیں ہے، اس لیے میرے خیال میں یہاں دینی مدارس کا الگ تھلگ وجود زیادہ عرصے تک نہیں چلے گا کیونکہ ہماری مسجد، ہمارے مدارس، کلیساؤں کی طرح قومی دھاروں سے الگ نہیں رہ سکتے۔

ہمیں ایک ایسا نظام الاوقات طے کرنا ہوگا کہ دینی مدارس اور ہماری دوسری درس گاہیں متوازی اداروں کی طرح قائم نہ رہیں، بلکہ ایک موڑ پر آ کر ایک دوسرے میں ضم ہو جائیں تاکہ ملک میں صرف ایک ہی نظام تعلیم ہو۔ ہر مسلمان کے لیے اپنی بنیادی اسلامی تعلیم بھی ضروری ہے اور جدید علوم کی تحصیل بھی۔ ۲۰۰۴ء میں اسلام آباد میں اسٹوڈنٹس کنونشن ہوا تھا جس میں شعوری طور پر عام یونیورسٹیوں، کالجوں اور انجینئرنگ اور ٹیکنیکل اداروں کے ساتھ ساتھ دینی مدارس کے طلبہ و طالبات کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ وہاں سب سے زیادہ پرجوش خیر مقدم ایک ممتاز مذہبی دارالعلوم سے فارغ التحصیل اس نوجوان کا ہوا جس نے ریاضی میں ایم اے بھی کیا ہوا تھا۔ اس کی انگریزی بھی اردو کی طرح رواں تھی۔ اور اسی لیے صدر مملکت بھی اس کے لیے تالیاں بجانے والوں میں شامل تھے۔ یوں لگا تھا کہ جیسے تمام طلبہ و طالبات، صدر مملکت اور دوسرے وزراء ایسے کسی پروڈکٹ کی تلاش میں ہیں یا جیسے ایک مثالی پاکستانی اس جیسا ہی ہونا چاہیے۔

Marfat.com

اس وقت امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک میں مساجد جو کردار ادا کر رہی ہیں وہ مسلمان ملکوں کی مساجد سے کہیں زیادہ توسیعی، مثبت اور نتیجہ خیز ہے۔ وہ ہمہ گیر کثیر المقاصد اسلامی مراکز کے طور پر مسلمانوں کی خدمات انجام دے رہی ہیں۔ وہاں مسلمان اپنی آئندہ نسلوں کو موجودہ اعلیٰ تعلیم بھی دلوا رہے ہیں اور مذہبی بنیادوں سے بھی باخبر رکھ رہے ہیں۔ سرسید، اقبال اور دوسرے اسلامی مفکرین بھی یہی چاہتے تھے۔

امریکہ میں مسلمان تنظیمیں وہاں کی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق اس وقت جو کوششیں کر رہی ہیں ان سے ہم یقیناً سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ حال ہی میں نیویارک میں ایک مسجد کے امام عبدالروف فیصل کی ایک کتاب What is right with Islam شائع ہوئی ہے جس میں انہوں نے بنیادی بات یہ کی ہے کہ اسلام اور امریکی معاشرے میں کشمکش کی وجہ یہ ہے کہ نظریے کا عمل سے موازنہ کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا اگر نظریات کا نظریات سے اور عمل کا عمل سے موازنہ کیا جائے تو پریشانی نہیں ہوگی۔ امریکی معاشرے کی انصاف، جمہوریت، سچائی اور تحصیل علم کے نظریات اسلام کے نظریات اور قرآن کی تعلیمات سے مختلف نہیں ہیں۔ فرق صرف عمل کا ہے۔ اکثر مسلم ملکوں میں ان نظریات پر عمل نہیں ہو رہا لیکن اس سلسلے میں قرآنی تعلیمات بالکل واضح ہیں۔ مسلمان اسکالرز اور تنظیموں کی طرف سے ایسی مثبت کوششوں سے اسلام کے بارے میں پائے جانے والے غلط تاثرات ختم کیے جانے میں منطقی طور پر کامیابی حاصل ہو رہی ہے ایسی سنجیدہ، علمی کاوشیں ہی وہ سمتیں متعین کرنے میں معاون ثابت ہو سکتی ہیں جو اعتدال پسندی اور روشن خیالی کی منزل تک لے جائیں۔

موجودہ دور کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب عالمگیریت کی فضا میں ہمیں بقا حاصل کرنی ہے تو ہمیں نہ تو اپنی بنیاد سے بے خبر ہونا چاہیے اور نہ ہی آج کی معلومات سے؛ اس لیے قومی پالیسی تشکیل دیتے وقت بالآخر ایک ایسی درس گاہ اور ایسا تعلیمی نظام ہماری منزل ہونا چاہیے جہاں ایک

Marfat.com

مسلمان مملکت کے ماحول کے مطابق بچوں کو ضروری اسلامی مبادیات سے بھی ان کی عمر اور درجوں کے مطابق آگاہ کیا جائے۔ اس ماحول میں اگر غیر مسلموں، عیسائیوں، ہندوؤں، بدھ مت اور دوسروں کو رہنا ہے تو انہیں بھی اسلام کے بنیادی امور سے باخبر ہونا چاہیے تاکہ وہ کبھی کسی وقت کسی پریشان کن صورت حال کا شکار نہ ہوں۔ اس سے آگے کی مذہبی تعلیم کے لیے جس بچے میں رجحانات پائے جاتے ہوں اس کے لیے الگ انتظامات ہو سکتے ہیں۔ جس طرح بچے کمپیوٹر، انجینئرنگ اور آرٹس میں اعلیٰ تعلیم کی منزلیں طے کرتے ہیں۔ اس طرح اعلیٰ مذہبی تعلیم بھی ان کے اپنے مذہب اور مسلک کے مطابق دی جاسکتی ہے۔

اس وقت دینی مدارس کی تعلیم، روزگار کے اعلیٰ مواقع حاصل کرنے میں معاونت نہیں کرتی۔ مساجد میں فقط آئمہ یا خطیب بنا جاسکتا ہے یا فوج میں پیش امام کی ملازمت مل جاتی ہے۔ اس طرح پاکستانی نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد ایک طرف قومی دھارے میں شریک ہونے سے محروم رہ جاتی ہے تو دوسری طرف وہ غیر مسلم ممالک کی سائنسی ترقی کے مقابلے میں اپنے ملک کو ترقی کے بلند مقام تک لے جانے میں کوئی کردار ادا نہیں کر پاتی ہے اور اس طرح معاشرے میں ایک باعزت روزگار حاصل نہیں کرسکتی۔

دوسری طرف یہی حال ہمارے عمومی نظام تعلیم کا بھی ہے۔ وہاں بھی ایسے بے شمار مضامین ہیں۔ جن میں ایم اے کی ڈگریاں تو مل جاتی ہیں لیکن ان کی قومی تعمیر و ترقی میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس نظام تعلیم کو بھی ملک کی ضرورت کے مطابق بنانے کی ضرورت ہے۔ حتیٰ کہ بعض ماہرین تو بجا طور پر یہ رائے بھی دیتے ہیں کہ صرف ملک ہی نہیں ایک ضلع کے کلچر، اقتصادی منظرنامے اور خام مال کے مطابق اعلیٰ تعلیم دی جائے۔ اور انہی عوامل کی روشنی میں ٹیکنیکل ادارے قائم کیے جائیں تو یہ علاقے ترقی کرسکیں گے۔

ہم آج اغیار کے دباؤ میں دینی مدارس کے نصاب میں جن تبدیلیوں کے لیے فکرمند ہیں، وہ ہمیں خود ہی کر لینی چاہییں تھیں۔ بھارت میں ایسی کاوشیں ۱۹۵۴ء سے شروع ہو گئی تھیں۔

Marfat.com

وہاں بہت سے مدارس عربیہ نے ہندی، ادبی گروپ، سائنس گروپ، کامرس گروپ، تعمیری گروپ، بلدیات، اقتصادیات، مبادیات تجارت، نفسیات، ڈرائنگ اور کیمیا کے مضامین بھی اپنے نصاب میں شامل کیے۔ہم آج جس طرح کے سیمینار اور گول میز مباحثے کر رہے ہیں وہاں ۱۹۶۸ء اور پھر ۱۹۹۰ء میں منعقد ہو چکے ہیں، جہاں ان تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث ہوئی ہے۔ انتہائی جید علمائے کرام اور ماہرین تعلیم نے نہ صرف جائزہ لیا بلکہ سفارشات اور ٹھوس تجاویز بھی پیش کیں۔ان کا مطالعہ بھی پاکستان میں دینی مدارس کی اصلاح کے سلسلے میں ہونے والی کوششوں کو نتیجہ خیز بنا سکتا ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۲﴾

پروفیسر متین الرحمٰن مرتضیٰ

سابق استاد، شعبہ ابلاغیات کراچی یونیورسٹی

جنوبی ایشیاء میں مدارس کی حیثیت مقام اور ان کے کردار کے بارے میں بحث محض چند برسوں پرانی نہیں ہے بلکہ اس وقت سے جاری ہے جب سے دینی اور سیکولر قسم کے اداروں کے قیام کے نتیجے میں دو متوازی نظام ہائے تعلیم کا اجراء ہوا تھا۔ اگر دو طرح کے اداروں کے قیام کا عمل بے ساختہ اور فطری ہوتا تو ممکن ہے گزرتے وقت کے ساتھ ان دونوں میں بداعتمادی پیدا نہ ہوتی بلکہ باہمی تعاون کوئی صورت پیدا ہو جاتی۔ خرابی یوں پیدا ہوئی کہ انگریزوں نے اپنے عہد اقتدار میں ایک طرف جہاں خالص یورپی علم پڑھانے والے سیکولر انگریزی تعلیمی ادارے قائم کیے، وہاں دوسری طرف سرکاری سرپرستی میں دینی اور مذہبی تعلیم کے لیے مدرسہ عالیہ کلکتہ اور مدرسہ عالیہ رام پور کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ لاہور الہ آباد اور لکھنؤ کی یونیورسٹیوں میں دینی تعلیم کا انتظام کیا گیا مولوی، مولوی عالم اور مولوی فاضل کے امتحانات کا اجراء ہوا۔

ان انتظامات کا مقصد سرکاری ضرورتوں اور مصلحتوں کے تحت کیے جانے والے طرح طرح کے اقدامات کی غیر مشروط تائید کرنے والے علماء کا طبقہ پیدا کرنا تھا۔ عہدِ غلامی کا یہی تجربہ آزاد دینی مدارس کو آج بھی سرکاری سرپرستی سے بدظن کیے ہوئے ہے۔ ان دونوں طرح کے سرکاری

Marfat.com

تعلیمی اداروں کا مسلمانوں پر ردِعمل ہوا۔ پہلی قسم کے اداروں کا ردِعمل علی گڑھ یونیورسٹی کا قیام تھا۔ اور دوسری قسم کے اداروں کے ردِعمل میں دیوبند، مراد آباد، میرٹھ اور دہلی کی آزاد دینی درسگاہیں قائم ہوئیں۔ دیوبند اور علی گڑھ کے تعلیمی ادارے ایک دوسرے کی ضد میں قائم نہیں ہوئے تھے، جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے، بلکہ یہ ادارے دو مختلف سمتوں سے برطانوی حکومت کی طرف سے مسلمانوں کی تعلیم میں مداخلت کا ردعمل تھے۔ البتہ جہتوں کے اختلاف کے باعث ان دونوں اداروں کے درمیان تھوڑی بہت رقابت اور تصادم کی کیفیت کا پیدا ہونا فطری امر تھا۔ یہ مقاصد کے اعتبار سے حریف نہیں تھے البتہ مزاج کے اعتبار سے مختلف تھے۔ بعد ازاں سیکولر اور دینی تعلیم کے دو دھارے مستقل حیثیت اختیار کر گئے جو اب تک متوازی چلے آ رہے ہیں۔ ایک مسلم معاشرے میں مسلمانوں کی تعلیم کے دو متوازی نظام قائم ہو جانا، دیوبند اور علی گڑھ جیسے اداروں کے اکابر کے لیے زیادہ پسندیدہ بات نہیں تھی۔ اور دونوں اداروں کے اکابر، ان متوازی نظام ہائے تعلیم کو قریب سے قریب تر لانے اور ان میں باہمی روابط قائم کرنے کی ضرورت کا ادراک بھی رکھتے تھے۔

اسلام میں دینی اور لادینی تعلیم کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ خود دینی مدارس کے نصابات سے اس کی شہادت ملتی ہے کہ ان نصابات میں تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ کے خالص دینی موضوعات کے ساتھ ساتھ صرف ونحو، ریاضی، منطق، فلسفہ، اقلیدس، تشریح افلاک اور شعر و ادب جیسے موضوعات بھی شامل رہے۔ یہ شکایت تو ہو سکتی ہے کہ ان علوم میں جدید لٹریچر کو شامل نہیں کیا گیا۔ لیکن براہ راست دین سے تعلق نہ رکھنے والے دوسرے فنون سے متعلق مضامین بہت شروع سے شامل رہے ہیں۔ مسجد نبوی پہلی دینی درس گاہ تھی جہاں علوم دینی کا آغاز ہوا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اکابر صحابہؓ نے صفہ کے مکتب میں قرآن کے متعلق امور کی تعلیم دی اور اس کے ساتھ مسلمانوں کو ان غیر مسلم قیدیوں سے تعلیم دلوائی گئی جو پڑھے لکھے تھے۔ خلافتِ راشدہ کے دور میں اُن مکاتب میں بھی، جو ابتدا میں قرآن پاک کی تعلیم کے لیے قائم کیے گئے تھے، ادب،

Marfat.com

لغت اور شعر کی تعلیم کا اضافہ کیا گیا۔ اس طرح اصل میں مسلمانوں کے مدارس و مکاتب کا تصور علم صرف اور صرف قرآن اور حدیث کی تعلیم و تدریس تک محدود نہیں تھا بلکہ یہ مسلمانوں کو ہر اس فن اور علم کی تعلیم دینے کا قائل تھا جو مسلمانوں کی اجتماعی بقاء وفلاح کے لیے ضروری ہے۔

چنانچہ پرانے وقتوں میں یہ دینی مدرسے تمام جدید علوم کے مراکز تھے اور ان سے مسلم معاشرے کی سبھی ضرورتیں پوری ہوتی تھیں۔ اگر مسلمانوں کے دور میں یہ جامعیت نہ ہوتی تو مسلمانوں نے جو بڑی بڑی ریاستیں اور سلطنتیں قائم کیں اور چلائیں ان کے لیے رجال کار کہاں سے میسر آتے؟ مسلمانوں نے یہ رجال کار اپنے ہی مدارس و مکاتب میں تیار کیے تھے۔ انہیں بدیسی تعلیمی اداروں میں تیار نہیں کرایا گیا تھا۔ نہ انہیں دساور سے درآمد کرایا گیا تھا (البتہ علم دوست حکمران دنیا بھر کے علماء کو اپنے دربار میں لانے کی کوشش کرتے رہے تھے)۔ اس تصور کے مطابق خالص اسلامی مدارس کو آج بھی ملت مسلمہ کی ترقی وفلاح کے لیے مطلوب اسلامی فکر و ذہن کے رجال کار کی تیاری کے معاملے میں خود کفیل ہونے کی فکر کرنی چاہیے۔ اسلامی مدرسوں میں محض علوم دینیہ کی تخصیص کا اہتمام اس عہد غلامی کی ضرورت تھی جب سرکاری درسگاہوں میں سیکولر نظام تعلیم رائج کر کے دینی تصورات کو ان کے نصابات سے خارج کر دیا گیا تھا۔ ایسی صورت میں معاشرے میں علم دینیہ کی اشاعت و استقلال کا ذریعہ محض یہی دینی مدارس ہی تھے۔

چنانچہ علوم دینی کی تعلیم و تدریس پر ان کا ارتکاز تخصص کی حد تک بڑھ گیا۔ مگر آزادی کے بعد دینی مدارس کے نصابات کا دائرہ وسیع کر کے دینی اور لادینی علوم کا امتیاز ختم کرنے کی ضرورت تھی تاکہ معاشرے کو ہر طرح کی ضرورت پوری کرنے والے خالصتاً اسلامی ذہن وفکر کے رجال کار میسر آسکیں مگر افسوس کہ دینی اور لادینی کی تقسیم برقرار رہی۔ اس میں حکومت اور دینی مدارس دونوں ہی کے ارباب اختیار کی کوتاہ فکری کا دخل رہا ہے۔ اور ظاہر ہے نظامِ تعلیم کے اس دورخے پن کے سبب ہی قومی فکر میں کوئی یکسانیت و یگانگت پیدا نہیں ہو سکی۔

دینی مدارس نے جس طرح خود کو ملک کے عمومی نظام تعلیم سے الگ تھلگ رکھا اس کا یہ نتیجہ

٩٢٧٦٥٨

Marfat.com

نکلا کہ قومی سطح پر یہ سمجھا جانے لگا کہ تعلیم تو بس سیکولر تعلیمی اداروں ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ دینی تعلیم کو معروف معنوں میں تعلیم سمجھنا نا قابلِ فہم ہو گیا کیونکہ عملی معاشرتی زندگی میں اس کی افادیت غیر معتبر ہو گئی۔ گزشتہ دو عشروں سے اہل فکر طبقے میں اس ضرورت کا احساس فروغ پذیر رہا ہے کہ کسی طرح دینی مدرسوں کو قومی دھارے میں لا کر ان کی تعلیم میں بھی عملی افادیت بڑھائی جائے۔

کچھ اداروں میں نصابات کو جدید تقاضوں سے ہم آھنگ کرنے کے لیے سرگرمی کے آثار نظر آتے ہیں۔ کمپیوٹر اور جدید اعانتی آلاتِ تدریس اور وسائل کا استعمال دینی مدرسوں میں ہونے لگا ہے۔ ان مدارس میں طلبہ کو جدید انفارمیشن ٹیکنالوجی سے بھی متعارف کرایا جا رہا ہے ابتدائی سطح پر تمام مدارس میں انگریزی، اُردو، جنرل سائنس، معاشرتی علوم اور مطالعہ پاکستان کے مضامین پڑھائے جا رہے ہیں۔ یہ مضامین وفاق المدارس کے طے کردہ نصاب میں شامل کیے جا چکے ہیں۔ تاہم اس ضمن میں ابھی مزید پیش رفت کی ضرورت ہے۔ دینی اداروں سے وابستہ کچھ حلقوں میں یہ تصور رائج نظر آتا ہے کہ جدید علوم کا بنیادی مقصود شاید صرف روزگار کے مواقع پانا اور ملازمتوں کا حصول یقینی بنانا ہے۔ جبکہ ان کے خیال میں دینی مدارس کا بنیادی مقصد روزگا کے مواقع اور ملازمتیں حاصل کرنا نہیں بلکہ قرآن، حدیث اور علوم دینیہ کی تدریس، اشاعت اور تحفظ ہے۔ اس تصور کے تحت ''وفاق المدارس عربیہ پاکستان کا مؤقف'' کے عنوان سے لکھے جانے والے کتابچے میں مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب نے استدلال کیا ہے کہ سپیشلائزیشن کے اس دور میں ایک عالم دین کے لیے ایسے فنون کی تعلیم لازمی قرار دینا جن کا دائرہ تخصص کے ساتھ کوئی تعلق نہیں غیر معقول ہے۔ مولانا حنیف جالندھری صاحب نے جس تصور کا تذکرہ کیا ہے اس تصور میں تبدیلی اور توسیع کی ضرورت ہے۔

مضبوط مسلم معاشرے کی تعمیر تمام مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔ اس کے لیے مثبت دینی فکر و نظر بھی درکار ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جدید علوم سے شناسائی کی بھی ضرورت ہے۔ فی الوقت صورت یہ ہے کہ ایک طرف دینی تعلیمی ادارے ہیں جو دینی فکر کی آبیاری کر رہے ہیں مگر

Marfat.com

اپنے طلبہ کو جدید علوم میں کمال دسترس نہیں بہم پہنچا رہے اور دوسری طرف سیکولر تعلیمی ادارے ہیں جن میں جدید علوم پڑھائے جاتے ہیں مگر ان کے تمام مضامین میں زاویہ فکر دینی نہیں سیکولر ہوتا ہے۔ اس طرح معاشرے میں اُن افرادِ کار کی کمی ہے جن کا جدید علم دینی فکر کی بنیاد پر استوار ہو۔ اس کی وجہ سے معاشرے میں فکری و عملی تضاد بڑھ رہا ہے۔ کیا دینی مدارس کو اس طرف متوجہ ہونے کی ضرورت نہیں؟ کیا انہیں اپنے نصابات میں اعلیٰ سطح تک جدید علوم کو شامل کر کے ایسے جامع فکر و عمل والے مسلمان تیار نہیں کرنے چاہیں جو معاشرے کی تعمیر میں دینی فکر کا اطلاق ہر سطح اور ہر جہت میں کر سکیں۔ اگر جدید علوم کی تحصیل و تدریس کو دینی مدارس سیکولر تعلیمی اداروں کی اجارہ داری میں رکھنے پر اکتفا کریں گے تو پھر انہیں معاشرتی تعمیر میں عملی سطح پر لادینیت یعنی سیکولر فکر کے اطلاق پر اعتراض کا حق نہیں رہے گا۔

علماء بیوروکریسی میں بگاڑ کی جو شکایت کرتے اور حکومتی پالیسیوں کو خالص دینی فکر سے عاری پاتے ہیں، اس کا سبب یہی ہے کہ بیوروکریسی میں دینی مدارس کے فارغ التحصیل لوگ نہیں پہنچ رہے۔ دینی مدارس کو اس عملی حقیقت کو سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنے اداروں میں تمام کے تمام طلبہ کو اعلیٰ ترین معیار کے علمائے دین نہیں بنا رہے ہیں جو سب کے سب کسی آبرومندانہ روزگار کی ضرورت سے کلیتاً بے نیاز ہوں۔ درجہ تخصص کو عبور کرنے اور تبحر علمی پانے والے افراد بہت قیمتی ہوتے ہیں مگر تعلیمی ادارے خواہ دینی ہوں یا سیکولر، ایسے لوگ اُن میں داخلہ پانے والے تمام طلبہ میں بڑی حقیر اقلیت ہوتے ہیں جو گریجویشن یا شہادۃ العالیہ کی اسناد کے ساتھ فارغ التحصیل ہوتے ہیں۔ سیکولر تعلیمی اداروں کے گریجویٹ طلبہ تو مقابلے کے امتحانوں میں شرکت کا حق پا کر جیسے کیسے بیوروکریسی اور دوسری سروسوں کے اعلیٰ مدارج میں نفوذ پا لیتے ہیں۔ مگر دینی اداروں کے طلبہ قومی تعمیر و ترقی کے لیے لازمی حیثیت رکھنے والے جدید علوم سے دور رہنے کے سبب بیوروکریسی اور دوسری سروسوں سے باہر رہتے ہیں۔

چنانچہ قومی سطح پر پالیسی سازی کے عمل میں دینی مزاج اور فکر کی نمائندگی نہیں ہوتی۔ پالیسی

Marfat.com

سازی کی سطح تک کے مناصب اور مدارج تک رسائی محض روزگار اور ملازمتوں کا معاملہ نہیں ہے۔ یہ اچھے اور مضبوط مسلم فکر و نظر والے معاشرے اور ملک کی تعمیر میں شرکت کا معاملہ ہے۔ جس سے دینی اداروں کو صرف نظر نہیں کرنا چاہیے سیکولر تعلیمی اداروں میں بھی تخصص کے درجوں کا آغاز گریجویشن کے بعد ہوتا ہے۔ دینی تعلیمی ادارے بھی تخصص قرآن و حدیث اور تخصص فقہ و اجتہاد کی صلاحیت پیدا کرنے والے مدارج شہادۃ عالیہ کے بعد متعین کر سکتے ہیں۔ شہادۃ عالیہ تک نصاب میں جدید علوم عمرانی، طبعی اور ٹیکنالوجی کو شامل کیا جائے۔ تاکہ دینی ادارے کے فارغ التحصیل طالب علم سیکولر تعلیمی ادارے کے طالب علم کے مساوی الحیثیت ہو اور اس کے لیے پیش قدمی کا کوئی راستہ بند نہ ہو۔

دینی مدارس اور ان کی اجتماعی تنظیموں کا یہ مؤقف یقینی طور پر قابل تسلیم اور لائق احترام ہے کہ ان دینی اداروں کی اپنی صدیوں پرانی شاندار اور قابل رشک تاریخی روایات ہیں۔ اس تاریخی عظمت اور ان گراں قدر روایات کی بنیاد سرکار دربار کی گرفت و اثر سے ان کی مکمل آزادی رہی ہے۔ چنانچہ اِن اداروں کا مؤقف اگر یہ ہے کہ نہ تو اِن پر قانونی حوالوں کے تحکم کے ساتھ نصابات مسلط کیے جائیں اور نہ ان پر سرکاری انتظامی گرفت قائم کی جائے، تو یہ غلط نہیں ہے۔ ان کے نصابات میں جدید علوم کی مقدار اور تناسب کیا ہونا چاہیے یہ فیصلہ ان اداروں کو خود اپنی آزاد مرضی سے کرنا ہوگا۔ جدید ضرورتوں اور تقاضوں کی تکمیل کے لئے انہیں مشورے تو دیے جا سکتے ہیں مگر کسی بھی حلقے کی طرف سے ان مشوروں کو فیصلہ بنا کر ان پر مسلط نہیں کیا جانا چاہیے۔

تعلیمی ادارے، خواہ سیکولر ہوں یا دینی، اپنی آزادی کے دفاع کے لیے ہمیشہ کوشاں ہوتے ہیں۔ وہ معاشرتی ضرورتوں اور وقت کا ادراک خود کرتے ہیں اور اسی مناسبت سے اپنے نصابات میں ناگزیر تبدیلیاں خود ہی پیدا کر لیتے ہیں اور جو ادارے ایسا نہیں کر پاتے یا جن اداروں پر خارج سے فیصلے مسلط کیے جاتے ہیں وہ اپنا وقار کھو بیٹھتے ہیں اور فرسودگی اختیار کر کے ختم ہو جاتے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ یونیورسٹی دونوں مسلمانوں کے دین اور ان کی تعلیم میں برطانوی

Marfat.com

مداخلت کے ردعمل میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔اور مختلف الجہت ہونے کے باعث ان میں رقابت کا رشتہ بھی رہا۔مگر دونوں اداروں کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس رہا۔ان کی نظریں ان کی اپنی کمزوریوں پر بھی مرتکز رہیں اور دونوں اداروں نے ان کمزوریوں کے ازالے کے لیے منصوبہ بندی کی اور ایک دوسرے سے معاونت طلبی سے بھی گریز نہیں کیا۔ علی گڑھ کی سیکولر تعلیم پر تنقید ہوئی تو سرسید احمد خان نے دینیات کی تعلیم اہل دیوبند کے سپرد کر کے محاذ آرائی کا راستہ بند کر دیا۔ ۱۹۰۶ء میں دیوبند کے صدر مدرس شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب نے علی گڑھ یونیورسٹی سے یہ معاہدہ کیا کہ دونوں ادارے ایک دوسرے کے طلبہ کی تعلیم کے لیے خاص انتظام کریں گے۔اور طے ہوا کہ دارالعلوم دیوبند سے کچھ فارغ التحصیل طلبہ علی گڑھ کالج بھجوائے جائیں گے جنہیں وہاں انگریزی کی تعلیم دی جائے گی اور علی گڑھ سے انگریزی خواندہ طلبہ دارالعلوم دیوبند جا کر علوم اسلامیہ کی تعلیم پائیں گے۔اگر آج بھی دارالعلوم کورنگی، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن اور جامعۃ الرشید احسن آباد (یہ تینوں کراچی کے ممتاز ادارے ہیں) کی مجالس علمیہ اور جامعہ کراچی اور این ای ڈی کی اکیڈیمک کونسلیں اپنی اپنی کمیٹیاں تشکیل دے کر ان کے مشترکہ اجلاسوں کے ذریعے باہم تعاون کی راہیں تلاش کریں اور باہم اثر انداز ہو کر پورے نظامِ تعلیم کو فکری اور نظری جہت دے سکیں تو یہ نظام تعلیم کی اصلاح کے لیے قائم کئے جانے والے سرکاری کمیشنوں کے مقابلے میں زیادہ مؤثر، نتیجہ خیز اور بہتر صورت ہوگی۔باہمی مفاہمت کے تحت ان اداروں میں کچھ ایسے مشترک معیارات کا تعین ہو سکتا ہے جن کی پیروی کرتے ہوئے ان اداروں کے طلبہ کو شہادۃ العالیہ اور گریجویشن کے بعد محدود اور متعین نشستوں پر ایک دوسرے کے اداروں میں داخلے کی سہولت میسر آ سکے۔یہ ایک طرح سے دیوبند اور علی گڑھ کالج والے معاہدے کی توسیع ہوگی۔جدید وقدیم کا فرق مٹانے کے لیے دیوبند اور علی گڑھ کی باہمی مفاہمت والے اس تجربے کا احیاء ضروری ہے۔جو پہلی جنگِ عظیم کی افراتفری میں جاری نہیں رہ سکا تھا۔شہادۃ العالیہ کے مدارج تک اگر شہادہ عامہ کی طرح نصاب میں جدید علوم کو بھی شامل کر لیا جائے تو اس طرح دینی مدارس کے طلبہ

Marfat.com

کے لیے جدید علوم والی یونیورسٹیوں کے متعدد شعبوں میں داخلوں کی سہولت پیدا ہو سکے گی ۔ فی الوقت دینی مدرسوں کے فارغ التحصیل طلبہ جدید علوم والی جامعات کے علوم اسلامیہ والے شعبوں تک ہی رسائی پاتے ہیں ۔

دینی اور عصری علوم کے تعلیمی اداروں کی مجالس نصاب (Curriculum Committies) میں بھی اگر ایک دوسرے کے اساتذہ کو نمائندگی دی جائے تو اس طرح ان دونوں میں ذہنی، فکری اور علمی قربت واشتراک کے امکانات روشن ہوسکیں گے ۔ مگر یہ معاملات ان اداروں کی آزاد مرضی اور رضا کارانہ طور پر طے پانے چاہیں ۔ اس قسم کے فیصلے اوپر سے مسلط نہیں کیے جانے چاہیں ۔ اندرونِ ملک نظام تعلیم میں ہم آہنگی پیدا کرنے اور اس کا نظریاتی قبلہ درست کرنے کے لیے سرسید کے وقت سے ایک تجربہ یہ ہوتا چلا آیا ہے کہ سیکولر تعلیمی اداروں میں ایک مضمون دینیات یا اسلامیات کے عنوان سے داخل نصاب کر کے یہ اطمینان پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے کہ اس اقدام سے سیکولر اداروں میں پڑھنے والے طلبہ کے ذہن وفکر کو مسلمان رکھا جاسکے گا ۔ مگر عملاً نصاب میں شامل دوسرے مضامین کی سیکولر روح انتشارِ فکر پیدا کرتی ہے ۔ اور قلب ونظر میں وسعت کا راستہ روکتی ہے ۔ پہلے تو ہم علومِ اسلامیہ سے دینیات کو سیکولر ادارے میں لے گئے کہ کچھ تبدیلی آئے گی ۔ لیکن یہ تبدیلی نہیں آئی ۔ اب تجربے کو اس طرح سے معکوس کیا جاسکتا ہے کہ جدید علوم کو رفتہ رفتہ دینی مدارس میں لایا جائے ۔ تو کچھ عرصہ بعد ان جدید علوم پر جو لٹریچر دینی اداروں میں تیار ہوگا اس سے لادینیت کی رو کو رخصت کر دینے کی توقع ہوسکتی ہے ۔

دینی اور عصری تعلیمی اداروں میں باہم اشتراک عمل اور قربت سے رفتہ رفتہ نظامِ تعلیم میں پائی جانے والی دوئی بھی دور ہوگی ۔ ابتدائی سطح پر جہاں دینی اداروں میں انگریزی اُردو، جنرل سائنس، معاشرتی علوم اور مطالعہ پاکستان کے مضامین کو شامل تدریس کرلیا گیا ہے ۔ وہاں دوسری طرف ایسے اسکول بھی کھولے جارہے ہیں جہاں حفظ قرآن اور دینی علوم کی ابتدائی تعلیم کے بعد جدید علوم کی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے ۔ یہ رجحان رفتہ رفتہ بڑھ رہا ہے، کراچی کے ممتاز دینی ادارے

Marfat.com

جامعۃ الرشید نے یونیورسٹیوں کے گریجویٹ سطح کے تعلیم یافتہ طلبہ کے لیے دینی علوم کے مختصر نصابات کے اہتمام کا تجربہ کیا ہے اور اس طرح مدارس دینیہ کے فارغ التحصیل طلبہ یعنی علماء اور مفتیانِ کرام کے لیے ابلاغِ عامہ کے ۴۵ روزہ نصاب کا انعقاد کیا۔ یہ تمام صورتیں دونوں طرف کے علمی اور درسی پروگراموں میں اشتراک وقربت کی ضرورت ہی کے مظاہر ہیں اور یہ عمل رضا کارانہ طور پر غیر سرکاری سطح پر ہی زیادہ مؤثر اور بہتر نتائج کا حامل ہوسکتا ہے (ورنہ ان کے مقاصد حکومتی مفادات سے مسموم ہو جائیں گے)۔ سرکار کی مداخلت اور زبردستی کے آرڈی ننسوں اور نصابات یا مدرسہ بورڈوں کے ذریعے تعلیمی اداروں کو کنٹرول کرنا اور اُن کے حسابات آڈٹ کرنا اور خصوصاً یہ سب کچھ دہشت گردی کے الزامات کے عنوان کے تحت کرنا بڑی غلط بات ہے۔ اس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ اگر حکومت اداروں سے خواہ مخواہ بدظن ہوسکتی ہے تو ادارے حکومتی عزائم پر شبہ کرنے میں کیوں نہ حق بجانب سمجھے جائیں۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۳﴾

ڈاکٹر محمود احمد غازی
سابق وفاقی وزیر مذہبی امور،
پروفیسر شریعہ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔اسلام آباد

دارالعلوم دیوبند کا قیام ۱۸۶۶ء میں عمل میں آیا۔اس کے چند سال کے اندر اندر اس بات کا احساس کیا جانے لگا تھا کہ دینی تعلیم میں اختصاص پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ علماء کرام کو کچھ عصری علوم کی تعلیم بھی درکار ہے تاکہ وہ دین کی تعلیم کو دورِ جدید کی زبان میں بیان کرسکیں۔علامہ شبلی کے الفاظ میں ''جہاں دل دردمند کی ضرورت تھی وہاں زبانِ ہوش مند بھی درکار تھی''۔ چنانچہ اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے ندوۃ العلماء کے ادارے کا قیام عمل میں لایا گیا۔صفِ اول کے علماء کے ہاتھوں انجام پانے والی یہ پہلی کوشش تھی جس میں دینی تعلیم کو دورِ جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی گئی۔

ندوہ کے بعد بھی برصغیر میں کم وبیش گزشتہ سو سال کے دوران، تعلیم کے میدان میں، سینکڑوں نہیں تو درجنوں ایسے تجربے ہوئے جن کا بنیادی ہدف دینی تعلیم کا ایک ایسا بنیادی نظام اور نصاب وضع کرنا تھا جس میں دینی متخصصین کو دورِ جدید کے ضروری علوم سے کسی حد تک واقف کرایا جاسکے۔ پاکستان میں ریاست بہاول پور میں ۱۹۲۵ء میں جامعہ عباسیہ قائم ہوئی جس کے قیام اور انصرام میں برصغیر کے صفِ اول کے علمائے کرام نے حصہ لیا۔ جامعہ عباسیہ کا بنیادی مقصد یہی

Marfat.com

تھا کہ ایسے دینی متخصصین پیدا کیے جائیں جو دورِ جدید کے مسائل اور معاملات سے کماحقہ واقف ہوں تا کہ وہ دین کی تعلیم اور اس کے احکام کو دورِ جدید کی زبان میں بیان کر سکیں۔

پاکستان بننے کے بعد بھی وقتاً فوقتاً سرکاری اور غیر سرکاری دونوں سطحوں پر اس ضرورت کا احساس کیا جاتا رہا۔ ۱۹۷۹ء کی تعلیمی پالیسی میں پہلی مرتبہ یہ بات کہی گئی کہ ایسے دینی ادارے قائم کیے جائیں جہاں دینی تعلیم میں تخصص کے ساتھ ساتھ جدید مضامین کی تعلیم بھی دی جائے۔ چنانچہ اس کو عملی شکل دینے کے لیے صدرِ پاکستان کے حکم سے ایک دینی مدارس کمیشن قائم کیا گیا جس کے سربراہ ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتا مرحوم تھے اور کمیشن میں پاکستان کے تمام بڑے وفاقوں کے ماہرین تعلیم شامل تھے۔ اس کمیشن نے ایک جامع رپورٹ سرکاری سطح پر پیش کی تھی جس میں اتفاق رائے سے دینی مدارس کے نظام اور نصاب میں بہت سی تبدیلیاں تجویز کی گئی تھیں۔ بعض مدارس نے ان تبدیلیوں کو اس وقت قبول کیا اور چند نے اختیار بھی کر لیا۔

اسی طرح ۱۹۹۸ء کی تعلیمی پالیسی میں بھی یہ بات کہی گئی کہ ایسے ماڈل اور معیاری دینی مدارس قائم کیے جائیں گے جہاں دینی تعلیم میں تخصص کے ساتھ ساتھ بقدرِ ضرورت جدید مضامین کا اضافہ بھی کیا جائے گا۔ اس تعلیمی پالیسی پر عمل درآمد کے لیے تعلیم اور مذہبی امور کی وزارتوں کے باہمی تعاون سے ۱۹۹۸ء میں ایک کمیٹی بنائی گئی تھی جس کے سربراہ ڈاکٹر ایس ایم زمان تھے جو بعد میں اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئر مین بھی ہوئے۔ اس کمیٹی نے ۱۹۹۹ء کے ابتدائی مہینوں میں اپنی رپورٹ حکومت پاکستان کو پیش کر دی تھی اور ایک ایسا ماڈل یا معیاری نصاب تجویز کیا جس کی تیاری میں علماء کرام اور ایسے ماہرین تعلیم بھی شامل تھے جو دینی تخصصات کے ساتھ ساتھ دورِ جدید کے بعض مسائل سے بھی واقف تھے۔ یہ بات درست ہو سکتی ہے کہ بعض غیر ملکی طاقتوں کے مفاد میں یہ ہو کہ مدارس کو وہ اپنی مرضی کے مطابق چلائیں۔ یہ بھی درست ہے کہ ان میں سے بہت سوں نے مدارس کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار بھی کیا ہے لیکن یہ بات ہمیں نہیں بھولنی چاہیے کہ تعلیم میں مسلسل اصلاح کرتے رہنا اور حالات کی مناسبت سے اس میں تبدیلی لانے کا عمل جاری

Marfat.com

رکھنے میں ہماری اپنی مصلحت ہے۔ ہم یہ کام ماضی میں بھی کرتے چلے آئے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔ اگر کچھ اور لوگ بھی یہ بات کہہ رہے ہوں تو ان کے مطالبے یا تجویز سے متاثر ہو کر کوئی مفید چیز جو شروع ہو چکی ہو، چھوڑی نہیں جا سکتی۔

وزارت مذہبی امور کے تحت قائم ہونے والے ماڈل دینی مدارس کا کوئی تعلق ۱۱ ستمبر (۲۰۰۱ء) کے واقعات سے نہیں ہے۔ یہ آرڈیننس ۱۴ اگست ۲۰۰۱ء کو نافذ ہو چکا تھا۔ اس سے پہلے کئی ماہ سے اس کی تیاری ہو رہی تھی اور مختلف اہل علم کے مشورے سے ایک ایسا نقشہ تیار کیا گیا تھا جس میں علمائے کرام کو کوئی شبہات نہ ہوں جو عموماً اس طرح کی کاوش میں رہے ہیں۔ جب یہ آرڈیننس تیار ہو رہا تھا تو میرا تعلق حکومت کی ایک ذمہ داری سے تھا۔ میں نے خود براہ راست علماء کرام سے گفتگو کی۔ مولانا سلیم اللہ خان، صدر وفاق المدارس، مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب مرحوم سربراہ تنظیم المدارس اور دوسرے ایسے حضرات، جو مختلف دینی مدارس کی تنظیموں سے وابستہ ہیں، ان سے میں نے براہ راست مشاورت کی تھی۔

ان علماء کرام کی جانب سے تین تحفظات سامنے آئے۔ سب سے اہم concern، جس سے ہم سب کو اور ہر اس آدمی کو اتفاق ہے جو پاکستان کے دینی مدارس کے مستقبل کے بارے میں مخلصانہ جذبات رکھتا ہے، یہ تھا کہ دینی مدارس کی آزادی اور استقلال پر حرف نہیں آنا چاہیے اور کسی بھی عنوان سے سرکاری افسران یا کارندوں کو دینی مدارس کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ اس سے کوئی اختلاف نہیں تھا چنانچہ یہ بات سب نے اتفاق رائے سے طے کر لی۔ دوسری چیز یہ طے ہوئی تھی کہ نصاب یا نظام میں تبدیلی اہلِ علم کا کام ہے۔ نہ صرف دینی مدراس بلکہ کسی بھی تعلیمی ادارے میں نصاب کی تبدیلی خالصتاً اساتذہ اور اہل علم کا کام ہونا چاہیے اور حکومتوں کی وقتی پالیسیوں یا ان کے آنے جانے کا کوئی اثر نصاب پر نہیں ہونا چاہیے۔ یہ کام علمائے کرام اور ماہرین تعلیم کو خود کرنا چاہیے۔ اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں۔ یہ بات بھی اتفاق رائے سے ہی طے ہوئی تھی۔

Marfat.com

اس کے بعد ایک آخری مسئلہ یہ تھا کہ بعض علمائے کرام کو یہ شبہ تھا کہ جب ان ماڈل دینی مدارس کا ایک بورڈ قائم ہو جائے گا تو حکومت پاکستان دینی مدارس کو زبردستی اس بورڈ سے الحاق پر مجبور کرے گی۔ میں نے اس وقت ذاتی طور پر یقین دہانی کرائی تھی کہ صدر مملکت نے مجھ سے ایسا کہا ہے کہ وہ ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ میں ان کی طرف سے بات کہہ دینا چاہتا ہوں۔ ایک بزرگ (جن کا اب انتقال ہو چکا ہے کراچی سے تشریف لائے تھے) نے کہا کہ اس کی کیا ضمانت ہے کہ آئندہ کوئی ایسی حکومت نہیں آئے گی جو اس کی بنیاد پر دینی مدارس میں مداخلت نہیں کرے گی۔ ظاہر ہے اس کی ضمانت کوئی نہیں دے سکتا۔ کل کیسی حکومت آئے گی، وہ اچھی ہوگی یا بری ہوگی، اس کا فیصلہ کرنا قوم کا کام ہے۔ اس وقت جو علمائے کرام ہوں گے ان کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ حالات کے مطابق لائحہ عمل تیار کریں۔ یہ بورڈ ہو یا نہ ہو آئندہ کوئی حکومت، کوئی بھی فیصلہ کرنے میں آزاد ہے۔ اس لیے کوئی آدمی بھی ایسی یقین دہانی نہیں کرا سکتا کہ آئندہ آنے والی کوئی حکومت بھی اس بورڈ کی بنیاد پر مدارس کے معاملے میں مداخلت کا فیصلہ نہیں کرے گی۔

مذکورہ بالا تناظر میں [مدرسہ بورڈ سے متعلق] آرڈیننس ہم نے تیار کیا جس کی ڈرافٹنگ میں زیادہ حصہ میرا ہی تھا، اگرچہ اس میں جو کچھ ہے میں اس سے مکمل طور پر اتفاق نہیں کرتا۔ اجتماعی طور پر جو چیز تیار ہوتی ہے اس میں بہت سے لوگوں کی کارکردگی شامل ہوتی ہے۔ ضروری نہیں کہ ایک ہی آدمی کی رائے کے مطابق اس طرح کے قوانین اور فیصلے ہوں۔ لیکن یہ بنیادی باتیں اس آرڈیننس میں شامل تھیں کہ ایک ایسا بورڈ قائم کیا جائے جس کا موجودہ آزاد مدارس پر کوئی کنٹرول اور عمل دخل نہ ہو۔ وہ صرف ماڈل دینی مدارس یا ان مدارس کے نظم و نسق کا ذمہ دار ہو جو آزادانہ اس سے الحاق کا فیصلہ کریں۔ چنانچہ یہ طے کیا گیا کہ پاکستان میں جہاں جہاں وزارت مذہبی امور یا اوقاف کے ہاں ایسی عمارات ہیں جن کا استعمال صحیح انداز میں نہیں ہو رہا (جس کی ایک مثال حاجی کیمپ ہے جو سال کے کم وبیش گیارہ مہینے کم استعمال میں یا بالکل بلا استعمال کے رہتا ہے) ایسی عمارتوں کو دینی تعلیم کے لیے استعمال کیا جائے۔ یا مثال کے طور پر بادشاہی مسجد یا ایسے بڑے

Marfat.com

اداروں کے ساتھ ایسی عمارتیں موجود ہیں جن کا مناسب استعمال نہیں ہے وہاں ایسے مثالی ادارے بنائے جائیں جن میں جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کے تخصصات کا بھی اہتمام کیا جائے۔ چنانچہ آغاز کے طور پر تین مدارس کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ باقی مدارس کے قیام کا فیصلہ آئندہ آنے والی حکومت یا موجودہ حکومت جب اور جیسے مناسب سمجھے گی کرے گی۔

اس آرڈیننس میں یہ گنجائش بھی رکھی گئی کہ جو مدارس اس بورڈ سے الحاق کرنا چاہیں کر لیں۔ اس الحاق کے قواعد بھی میں نے خود ڈرافٹ کیے، اور علمائے کرام کو دکھائے، پھر بورڈ نے ان کو منظور کر لیا۔ اس میں واضح طور پر یہ لکھا ہوا ہے کہ مدارس صرف دو امور میں الحاق کریں گے۔ ایک تو اس نصاب کو اختیار کریں گے جو اس بورڈ نے تیار کیا ہے، اور دوسرا اس بورڈ کے تیار کردہ قواعد و ضوابط کے تحت اپنے طلبہ کو امتحان دلوائیں گے۔ اپنے انتظامی، اندرونی اور مالی ہر معاملے میں وہ خودمختار ہوں گے۔ اس میں اس بورڈ کو مداخلت کا نہ کوئی اختیار ہوگا اور نہ اس حوالہ سے قانون میں کوئی گنجائش ہے۔

ایک اور چیز علمائے کرام نے کہی کہ کوئی ایسا انتظام ہونا چاہیے کہ جو مدارس اپنی خودمختاری کو برقرار رکھتے ہوئے اس انداز سے آزادانہ پیش رفت کرنا چاہیں ان کے لیے قانون میں گنجائش ہونی چاہیے۔ چنانچہ حکومت پاکستان کے ذمہ دار لوگوں سے بات ہوئی، جنھوں نے اس سے اتفاق کیا کہ ہمیں ایک سہ رُخی پالیسی اختیار کرنی چاہیے۔ ایک تو ماڈل مدارس اور بورڈ کا قیام عمل میں لایا جائے۔ دوسرا ہائر ایجوکیشن کمیشن (جو اس وقت یو جی سی کہلاتا تھا) کی طے کردہ شرائط پر پورے اترنے والے مدارس کو پرائیویٹ یونیورسٹیاں قرار دے دیا جائے۔ چنانچہ میں نے کیپٹن عثمان علی عیسانی (جو اُس وقت کمیشن کے چیئرمین تھے) کے مشورے سے اس چارٹر کو ڈرافٹ کرنے میں مدد دی۔ اس میں ہم نے طے کیا کہ ہر بڑا مدرسہ جس میں طلبہ کی کم سے کم تعداد مخصوص ہوگی (غالباً پندرہ سو یا ایک ہزار کے لگ بھگ) اور اس کے پاس کم از کم اتنے مادی وسائل اور اثاثے اور اکاؤنٹ میں ایک مخصوص اور طے شدہ رقم موجود ہوگی، اس کے ان معاملات سے

Marfat.com

متعلق قواعد وضوابط طے شدہ ہوں گے اور وہ ایک رجسٹرڈ باڈی کے تحت کام کر رہا ہوگا اور اس میں ریگولر تعلیم ہو رہی ہوگی، وہ اگر درخواست دے تو ہائر ایجوکیشن کمیشن اسے بطور پرائیویٹ یونیورسٹی تسلیم کرسکتا ہے۔ یہ چیز اس وقت ہائر ایجوکیشن کمیشن نے تسلیم کر لی تھی اور بعض علماء کرام کے ساتھ میں نے اس پر گفتگو بھی کی تھی۔ اس آرڈیننس کا اُردو میں بھی ترجمہ کرایا گیا تھا اور میں نے خود نظر ثانی کر کے اس کو چھپوا دیا تھا۔

جب یہ مزید آگے بڑھا تو بعض علماء نے یہ نکتہ پیش کیا کہ اس سے مدارس کے وفاق یعنی تنظیم المدارس یا وفاق المدارس وغیرہ اور وہ ادارے جو مدارس کی تنظیموں کی نمائندگی کرتے ہیں، کمزور ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ ہر بڑا مدرسہ اپنے طور پر ایک چارٹر لے لے گا اور پھر وہ مدارس کو الحاق دے گا اور مدارس ہمارا الحاق چھوڑ کر ان کے ساتھ ملحق ہو جائیں گے۔ نتیجتاً وفاق کمزور ہو جائے گا۔ آپ کی اس سکیم میں وفاق کی حتمی کمزوری بالآخر شامل ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے لیے اتفاق کرنا مشکل ہے حالانکہ پہلے وہ اتفاق فرما چکے تھے۔ اس کے باوجود ان کے اس تنقیدی نقطے پر دوبارہ ذمہ دار حضرات سے گفتگو کی گئی اور یہ بھی طے ہوا کہ اگر کوئی ایسا ادارہ موجود ہو جو مختلف دینی مدارس کے وفاق اور تنظیموں پر مشتمل ہو اور بطور ایگزامینگ یونیورسٹی کے چارٹر لینا چاہے تو اسے اس کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ ایک زمانے میں پنجاب یونیورسٹی کو ایگزامنگ یونیورسٹی کے طور پر چارٹر ملا ہوا تھا، یہ اس پالیسی کا دوسرا حصہ تھا۔

تیسرا حصہ یہ تھا کہ جو مدارس نہ چارٹر لینا چاہیں اور نہ سرکاری یعنی ماڈل مدرسہ بورڈ سے الحاق کرنا چاہتے ہوں بلکہ اپنی موجودہ آزاد حیثیت کو برقرار رکھنا چاہیں، ان کو آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنے دینی نصاب کے ساتھ ساتھ جدید مضامین شامل کرلیں۔ اس وقت لمبی گفتگو ہوئی لیکن میں نے ذمہ دار حضرات سے یہ گزارش کی کہ فی الحال آپ اس پر اتفاق رائے کا مظاہرہ کریں۔ گویا دینی مدارس یہ تسلیم کرلیں کہ یا تو وہ اپنے نصاب یا داخلے کی شرائط میں یہ چیز شامل کرلیں گے کہ جو طالب علم داخل ہو وہ میٹرک پاس ہو اور اگر کوئی طالب علم میٹرک پاس کیے بغیر دینی مدارس میں

Marfat.com

آئے تو ان مدارس کے نصاب میں اس کا اہتمام ہو کہ وہ ابتدائی تین سالوں میں اس کو انگریزی، مطالعہ پاکستان، ریاضی اور جنرل سائنس میٹرک کی سطح تک پڑھا دیں۔ اس پر سب متعلقہ حضرات سے گفتگو ہوئی۔ اس پر اتفاق ہو گیا کہ میٹرک کی سطح تک وہ ان مضامین کو شامل کر لیں گے اور جن مدارس میں اس کا امکان ہو گا وہاں میٹرک پاس بچوں کو ہی داخلہ دیا جائے گا۔

اس اعلان کے بعد بعض دینی مدارس نے اس پریشانی کا اظہار کیا کہ انہیں جو عطیات ملتے ہیں، وہ یقیناً دینی تعلیم کے لیے ہوتے ہیں اور یہ ایک فقہی مسئلہ ہے کہ دینی مدارس کو ہر شخص قرآن وحدیث اور سنت کی تعلیم کے لیے جو عطیہ دیتا ہے اس کو کیا انگریزی پڑھانے کے لیے استعمال کرنا جائز ہے؟ یا اس پیسے سے مطالعہ پاکستان یا کمپیوٹر وغیرہ پڑھانا (جس کے لیے اس نے پیسے نہیں دیے)، جائز ہے؟ اس پر وزارتِ تعلیم سے بات ہوئی اور انہوں نے اس پر آمادگی ظاہر کی۔ ان کے پاس پہلے سے ایک پروگرام طے تھا، اس کے تحت پہلے ۵ کروڑ روپے دیتے تھے۔ اب زیادہ ہوتے ہوتے ۲۷ کروڑ روپے ہو گئے۔ انہوں نے اس فنڈ سے دینی مدارس کو مدد دینے کے لیے تیاری پر آمادگی ظاہر کی۔ چنانچہ ایک اجلاس ہوا جس میں، میں نے اور اس وقت کی وزیر تعلیم [زبیدہ جلال صاحبہ] نے بھی شرکت کی اور وزارت مذہبی امور کی طرف سے ان کے نمائندے [جمیل بھٹو صاحب] بھی تشریف لائے تھے۔ اس میں یہ طے ہوا کہ دینی مدارس کے موجودہ کلچر اور ماحول کا لحاظ رکھتے ہوئے انہیں یہ امداد دی جائے گی۔

اس اجلاس میں یہ حتمی شرائط طے ہوئیں۔ اول: صرف ان مدارس کو امداد دی جائے گی جو ازخود اس کے لیے درخواست دیں۔ کسی مدرسے کو مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ امداد لے اور امداد لینے کے بعد اس کو اس طرح خرچ کرے جس طرح حکومت چاہے۔ دوم: امداد لینے کے لیے ہم نے ایک فارمولہ بنایا وہ یہ تھا کہ ایک رقم نصابی کتابوں کے لیے دی جائے گی، ایک رقم کمپیوٹر کی خریداری کے لیے مختص ہو گی اور ایک رقم اساتذہ کی تنخواہوں میں صرف کی جائے گی۔

اساتذہ کا معاملہ خاصا حساس تھا۔ وزارت تعلیم کا موقف تھا کہ اساتذہ کا تقرر حکومت

Marfat.com

پاکستان کرے۔تاہم دینی مدارس اپنے مسلک کے بارے میں بہت حساس ہوتے ہیں۔اگر کسی دیوبندی مدرسے میں انگریزی پڑھانے کے لیے شیعہ مدرس بھیج دیا گیا تو کیا ہوگا؟ یہ بات قابل عمل نہیں ہے۔چنانچہ ہم نے یہ واضح کیا کہ جس مدرس کو مقرر کرنا چاہتے ہیں اس کی تعلیمی قابلیت کا تعین کر دیں جس میں میٹرک، ایف اے اور بی اے کی سطح پر پڑھانے کے لیے استاد کی مطلوبہ قابلیت طے ہو۔اور دینی مدارس کو اجازت دے دی جائے کہ وہ اپنے قرب وجوار میں سرکاری تعلیمی اداروں، کالجوں، یونیورسٹیوں سے لے کر یا ویسے جس مدرس کو چاہیں مقرر کر دیں۔وزارت صرف اس بات کو چیک کرے کہ وہ اس تعلیمی معیار پر پورا اترتا ہو۔جو مدارس انتخاب کر کے بھیجیں، تین سال کے لیے ان مدارس کو تنخواہ دے دی جائے (بشرطیکہ وہ مطالبہ کریں)۔

معاوضوں کے ضمن میں ہم نے کہا کہ ان کو پارٹ ٹائم کی حیثیت دیں۔پرائمری سے میٹرک کی سطح تک کے اساتذہ کو تین سے پانچ ہزار روپے اور جو اس سے اوپر تک پڑھائیں ان کو پانچ سے سات ہزار روپے ماہوار دیں۔کچھ کتابوں کے لیے ہم نے فارمولہ طے کیا کہ فی طالب علم ایک ہزار روپے مقرر کر لیں اور یہ طے کریں کہ جس مدرسے میں کم از کم پچاس طلبہ ہوں اس کو ہم امداد دیں گے جتنے طالب علم ہوں ان کے لیے ضروری اشیاء فراہم کی جائیں۔ایک مرتبہ وہ کتابیں لے کر لائبریری میں رکھ لیں اور طلبہ اس سے استفادہ کرتے رہیں۔جو لوگ کمپیوٹر لینا چاہیں اس کا بھی ایک فارمولہ ہو۔اس کے لیے ان کو ایک بار گرانٹ دے دی جائے۔یہ حتمی بات مارچ/اپریل ۲۰۰۲ء میں طے ہوئی تھی۔بعد میں اس پر عمل درآمد کس حد تک ہوا، اور اب کتنا اور کس شکل میں ہو رہا ہے، اس پر معلومات کی ضرورت ہوگی۔ان تین بنیادی فیصلوں کا اولین مقصد یہ تھا کہ دینی مدارس کو عام اداروں کے قریب تر لایا جائے اور جو تجاویز پچھلے سو برس سے وقتاً فوقتاً سوچی جا رہی ہیں اس پر عمل درآمد کرنے میں حکومت پاکستان اپنا کردار ادا کرے۔

میری حکومت سے وابستگی کے آخری مہینوں میں مدارس کی رجسٹریشن کے بارے میں ایک بڑا اختلاف پیدا ہو گیا۔مدارس کی رجسٹریشن کا مسئلہ شروع سے چلا آ رہا ہے اور مختلف مدارس مختلف

Marfat.com

قوانین کے تحت حکومتی اداروں میں رجسٹرڈ ہیں تاہم نئی رجسٹریشن پر کئی سال سے پابندی عائد تھی۔ مجھے مدارس جانے کا موقع ملتا یا علماء کرام سے ملاقات ہوتی تھی تو مطالبہ کیا جاتا تھا کہ مدارس کی رجسٹریشن کے اس بند عمل کو دوبارہ شروع کر دیا جائے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ پابندی وزارتِ داخلہ کے مشورے پر عاید کی گئی تھی۔ وزارتِ داخلہ سے دریافت کرنے پر انہوں نے ایک اور وزارت کا نام لے دیا کہ ان کے مشورے سے پابندی لگائی گئی تھی۔ اس وزارت نے ایک اور وزارت کو ذمہ دار قرار دیا۔ بہرحال یہ واضح نہ ہو سکا کہ یہ سب کچھ کس کے مشورے سے ہوا تھا اور اس کا پس منظر کیا تھا۔ جب میں نے بار بار یہ مسئلہ اٹھایا تو ایک اجلاس میں مختلف تجاویز پر غور کے بعد بالآخر یہ طے ہوا کہ رجسٹریشن کا ایک نیا قانون بنایا جائے۔ اس قانون میں کوشش کی جائے کہ رجسٹریشن سے متعلق جتنے بھی معاملات ہیں وہ سارے کے سارے طے ہو جائیں اور بجائے اس کے کہ مختلف دینی مدارس مختلف قوانین کے تحت الگ الگ رجسٹرڈ ہوں، وہ تمام کے تمام ایک قانون کے تحت رجسٹرڈ ہوں۔ یہ اصول تو اتفاق رائے سے طے ہو گیا۔ میں نے علمائے کرام سے بھی بات کی۔ اس اصول پر سب متفق تھے لیکن مزید جو چیزیں محل نظر اور زیر گفتگو رہیں وہ چار معاملات تھے۔

ایک معاملہ یہ تھا کہ ایسے دینی مدارس جو سابقہ طور پر کسی قانون کے تحت رجسٹرڈ تھے کیا ان کو دوبارہ رجسٹریشن پر مجبور کیا جائے۔ کچھ حکومتی حلقوں کا خیال تھا کہ ان کو دوبارہ رجسٹریشن کے لیے کہا جائے جبکہ علمائے کرام کا خیال تھا کہ ان کو دوبارہ رجسٹریشن کے لیے نہ کہا جائے۔ دوسرا معاملہ یہ تھا کہ جس ادارے میں رجسٹریشن ہو اس کو رجسٹریشن سے انکار کرنے کا بھی اختیار ہے یا نہیں اور اگر رجسٹریشن سے انکار کر دیا جائے تو اس مدرسے کی کیا حیثیت ہو گی؟ کیا اس کو بند کر دیا جائے گا۔ یہ خاصا نازک اور مشکل معاملہ ہے۔ اس پر مختلف لوگوں کے نظریات مختلف تھے۔ کوئی واضح طور پر اتفاق رائے نہیں تھا۔ تیسری بڑی چیز یہ تھی کہ بعض دینی مدارس کے بارے میں حکومتی حلقوں کا خیال تھا کہ ان کو غیر ملکی اداروں یا حکومتوں سے امداد ملتی ہے اور اس امداد کے اسباب یا محرکات

Marfat.com

بعض اوقات خالصتاً تعلیمی بھی نہیں ہوتے۔ اس امداد کو کیسے ریگولیٹ کیا جائے۔ اس پر مختلف نقطہ ہائے نظر سامنے آئے اور اتفاق رائے سے کوئی چیز طے نہیں ہوئی۔ چوتھی چیز یہ تھی کہ رجسٹریشن اتھارٹی کیسی اور کن افراد پر مشتمل ہو؟ اس کی ہیئت ترکیبی کیا ہو؟ کچھ حکومتی اداروں کا خیال تھا کہ وہ سو فیصد حکومتی کنٹرول میں ہو۔ کچھ کا خیال تھا کہ وہ پرائیویٹ اور ایک خودمختار ادارہ ہو۔ ان چاروں معاملات پر میں نے علمائے کرام کے ساتھ مختلف اجلاس کیے اور اس کے بعد میں نے ان چاروں تحفظات پر صدر مملکت سے بات کی۔ مجھے یہ عرض کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ ان چاروں معاملات پر انہوں نے میری تجاویز سے اتفاق کیا اور مجھے اختیار دیا کہ میں جا کر علماء سے بات کروں اور ان چاروں معاملات پر جو ان کا نقطۂ نظر ہے اس سے اتفاق کر لوں۔ چنانچہ ۳۱ جولائی ۲۰۰۲ء کو میٹنگ ہوئی جس میں وزیر داخلہ (معین الدین حیدر) اور وزیر تعلیم (زبیدہ جلال) بھی تشریف لائیں اور علمائے کرام میں تمام وفاقوں کے نمائندے شریک ہوئے۔ اس میں ان چاروں معاملات پر اتفاق رائے ہو گیا اور جو چیزیں علماء کرام نے کہیں تھیں وہ چاروں اس میں شامل کر لی گئیں۔

اس وقت تک میں وزارت چھوڑنے کا ارادہ کر چکا تھا تاہم یہ بات ابھی عوام میں عام نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے میں نے چاہا کہ میں خود ہی اس کو ڈرافٹ کر کے ان چاروں ترامیم کو اس میں شامل کر دوں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ علماء کرام نے بجا طور پر اس خدشے کا اظہار کیا کہ اکثر اوقات جو چیزیں طے ہو جاتی ہیں ڈرافٹنگ میں اس طرح سے نہیں آتیں جس طرح سے طے ہوا ہوتا ہے تو ڈرافٹ، قانون نافذ کرنے سے پہلے ہمیں دکھایا جائے۔ چنانچہ میں نے وزارت کے اعلیٰ افسر جمیل بھٹو صاحب کو ڈرافٹ دے دیا۔ میری جگہ گورنر بلوچستان اویس غنی صاحب نے وزارت کا چارج لیا تھا۔ وہ میرے پاس یونیورسٹی میں تشریف لائے اور تقریباً ۶/۸ گھنٹے نشست کی۔ میں نے پوری صورت حال ان کو بریف کر دی اور مسودہ ان کو دے دیا۔ ان کو میں نے مشورہ دیا کہ سب کو محض کاپی بھیج دینے پر اکتفا نہ کریں بلکہ مناسب یہ ہو گا کہ آپ خود مختلف وفاقوں کے

Marfat.com

پاس تشریف لے جائیں اور اس ڈرافٹ کی بنیاد پر ان سے الگ الگ تفصیل سے بات چیت کریں۔ چنانچہ انہوں نے بعد میں مجھے بتایا کہ وہ تمام وفاقوں میں گئے اور اس ڈرافٹ کی بنیاد پر ان سے الگ الگ بات کی اور اس کے بعد انہوں نے ڈرافٹ کو کابینہ میں بھیج دیا۔ تاہم کابینہ کا فیصلہ سامنے نہ آ سکا کیونکہ الیکشن کی وجہ سے حالات بدل گئے تھے۔ غالباً ابھی تک وہ کابینہ کے سامنے نہیں آیا اور بظاہر اب وہ مسئلہ نہیں رہا۔ رجسٹریشن کا معاملہ بظاہر ختم ہو گیا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ حکومت کی طرف سے بھی کوئی اصرار دیکھنے میں نہیں آیا۔ اور جن علماء کرام کا خیال تھا کہ رجسٹریشن کو دوبارہ شروع کیا جائے وہ بھی غالباً اس اختلاف کی وجہ سے خاموش ہیں اس لیے یہ مسئلہ فی الوقت ختم معلوم ہوتا ہے۔

یہ تینوں معاملات اس وقت موجود ہیں۔ ماڈل مدارس بھی موجود ہیں، بورڈ بھی کام کر رہا ہے اور الحاق کی تفصیلات بھی آپ نے سن لیں۔ ہائر ایجوکیشن کمیشن کو میں نے دوبارہ یاد دلایا تھا کہ وہ جو پرائیویٹ دینی مدارس کو اسلامی یونیورسٹی قرار دینے کی بات تھی یا ایگزامننگ یونیورسٹی کا درجہ دیا جانے والا تھا، اسے بحال کیا جائے۔ کمیشن کے چیئرمین (ڈاکٹر عطاء الرحمٰن) نے وعدہ کیا۔ پھر ہائر ایجوکیشن کمیشن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اب دینی مدارس سے متعلقہ معاملات کمیشن کے اختیار میں ہوں گے یا بورڈ کے۔ اس پر کئی میٹنگیں ہوئیں لیکن کچھ طے نہیں ہوا۔ ان میں سے ایک دو میں مجھے بھی جانے کا موقع ملا۔ غالباً یہ معاملہ ابھی کوئی فوری مسئلے کے طور پر کہیں بھی زیر غور نہیں ہے۔ یہ سب کچھ کہنے کے بعد بھی تین ایسی باتیں ہیں جو میں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان کو اگر صحیح معنوں میں اسلامی مملکت بننا ہے۔ اور اگر یہاں اسلامی قوانین کا صحیح طور پر نفاذ ہونا ہے یا اگر اس ملک میں صحیح مثالی معاشرہ بننا ہے جو ہم جیسے کروڑوں لوگوں (جو گزر گئے اور آنے والوں) کے خوابوں کی تعبیر ہے تو یہاں نظام تعلیم کی وحدت اور یکسانیت ایک ناگزیر عمل ہے۔ دینی اور دنیاوی تعلیم کے دو طرح کے اداروں کا وجود سیکولرازم کو فروغ دے رہا ہے اور دیتا رہے گا۔ اس سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ دینی تخصص کے ادارے الگ

Marfat.com

نہ ہوں، تاہم ایک سطح تک تعلیم میں یکسانیت ناگزیر ہے جو ہمارے حالات کے مطابق کم سے کم میٹرک اور زیادہ سے زیادہ انٹرمیڈیٹ ہو۔ دس سال تک مکمل یکسانیت ہو، جس میں کسی ادارے کو کسی پرائیویٹ یا غیر ملکی ایجنسی سے وابستگی کی اجازت نہ ہو۔ اے لیول، او لیول، کیمبرج، اوکسفورڈ یہ سب ملک کو تعلیمی اعتبار سے تقسیم کر رہے ہیں۔ ایک یکسانیت ہونی چاہیے۔ اس کے بعد تخصص کے ادارے سرکاری اور غیر سرکاری دونوں سطح پر ہونے چاہییں۔ جس کو جس تخصص میں جانا ہو وہ اس میں چلا جائے۔ جب تک یہ نہیں ہوگا پاکستان کو ایک اسلامی جمہوریہ یا اسلامی معاشرہ بنانے کا خواب شرمندہ تعبیر ہونا بڑا دشوار معلوم ہوتا ہے۔

ایک اہم بات کی طرف اشارہ ضروری ہے۔ مدارس کی کنٹری بیوشن کی رائے سے مکمل اتفاق کے باوجود میں بڑے دکھ سے کہتا ہوں کہ ان میں سے بہت سے ادارے فرقہ واریت کے حوالہ سے عدم توازن کا شکار ہو رہے ہیں۔ جب طالب علم یہاں سے نکلتا ہے تو اسلام کا سپاہی بن کر نہیں نکلتا بلکہ وہ اپنے مسلک کے مفاد سے زیادہ وابستہ ہوتا ہے۔ یہ ایک امر واقعہ ہے۔ آپ تسلیم کریں نہ کریں، اس کو ختم ہونا چاہیے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ لوگ اپنے مسلک کو چھوڑ دیں۔ اگر کوئی ایک خاص فقہی یا کلامی نقطہ نظر رکھتا ہے تو رکھے لیکن تعلیم کے ذریعے اس کو متوازن کیا جائے۔ بچے کے ذہنی میلان کی اس طرح پروگرامنگ کی جائے کہ وہ ساری عمر اس پس منظر اور نقطۂ نظر سے معاملات کو دیکھے۔ فرقہ بندی اسلام کے امت واحدہ کے تصور کے خلاف ہے اور یہ پاکستان کو ایک اسلامی مملکت نہیں بننے دے گی۔ اس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

اس کے لیے واحد ممکنہ طریقہ کار پرائیویٹ دینی اداروں کی رجسٹریشن ہے جس کی بات میں نے آخر میں کی تھی کہ رجسٹریشن کی ایک اتھارٹی ہو جس میں تمام وفاقوں کے نمائندے ہوں، اس میں ایک دو پرائیویٹ تعلیمی اداروں کے سینئر تعلیمی ماہرین ہوں، ایک ریٹائرڈ سینئر جج اس کا سربراہ ہو اور یہ تعلیمی ادارہ مشترکہ طور پر سارے دینی تعلیمی اداروں کی نگرانی کرے اور یہ بھی دیکھے کہ کیا پڑھایا جا رہا ہے اور کیا نہیں پڑھایا جا رہا؟ جب سب علمائے کرام مشترکہ طور پر دینی تعلیمی اداروں

Marfat.com

کی سربراہی اور نگرانی کریں گے تو اس میں فرقہ واریت یا مسلکیت کی شدت پیدا نہیں ہوگی۔ ایک ہلکا پھلکا مسلکی اختلاف رہے گا جو ہمیشہ سے رہا ہے اور رہنا چاہیے۔ اس کے وجود سے امت میں کوئی اختلاف یا افتراق نہیں پڑتا۔ یہ نکتہ انتہائی توجہ کا متقاضی ہے۔ کیسے اور کس حد تک، یہ غور کرنے کی بات ہے۔ اس وقت بہت سی مسجدیں اور مدرسے، فرقوں کی مسجدیں اور فرقوں کے مدرسے ہیں، اللہ کی مسجدیں اور اللہ کے مدرسے، دین کی مسجدیں اور دین کے مدرسے بہت تھوڑے ہیں۔ بات ممکن ہے سخت ہو لیکن امر واقعہ یہی ہے۔

تیسری اہم اور ناگزیر چیز جس کے لیے مزید آواز اٹھانے کی ضرورت ہے، دینی تعلیمی اداروں میں جدید مضامین کی شرکت اور شمولیت سے متعلق ہے۔ اس لحاظ سے روائتی تعلیمی اداروں کو بھی اسلام کے قریب لانے اور وہاں دینی تعلیم کے نصابی مندرجات میں اضافہ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہاں اس میں کمی کرنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ حالانکہ جو کچھ ہے وہ ناکافی ہے اس میں بہت کچھ اضافے کی ضرورت ہے تاکہ ایک ایسی نسل تیار ہو سکے جو اپنے نقطہ نظر میں ایک دوسرے کے قریب ہو۔ اس طریق کار اور اس کے لیے ضروریات کا تعین ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ محض کسی کے خلاف کوئی نعرہ لگا دینے، پھبتی کس دینے یا طنز کرنے سے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ ہم ایک دوسرے سے جب تک تعاون کی فضا میں بیٹھ کر کام نہیں کریں گے، اس وقت تک اس میں پیش رفت ہونا بڑا دشوار ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۴﴾

وکیل احمد خان
سیکریٹری وزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان-اسلام آباد

مجھے اس وزارت میں آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا، تاہم زندگی کے تجربات کی روشنی میں میری بہت پہلے سے یہ رائے ہے کہ تعلیمی ادارہ کی نوعیت خواہ کچھ بھی ہو اس کی پراڈکٹ کی دنیاوی افادیت ہونا بہت ضروری ہے۔ یعنی ہم بحیثیت مسلمان، جہاں اس چیز کے پابند ہیں کہ ہماری سوچ، اعمال اور سب کچھ آخرت کو سنوارنے کے لیے ہے، وہیں ہمیں اس چیز کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ جو زندگی ہمیں ملتی ہے وہ بحیثیت انسان اس دنیا میں گزارنی ہوتی ہے جس کے لیے اپنے آپ کو معاشی طور پر آزاد رکھنا ضروری ہے۔

مدارس کے حوالہ سے آج کی صورتحال کا تجزیہ ہم عموماً صرف ۹/۱۱ کے تناظر میں کرتے ہیں حالانکہ یہ موضوع خاصا دیرینہ ہے۔ وزارت کی فائلوں کے مطابق اس کا پہلا چرچہ ۱۹۷۹ء میں ہوا تھا۔ اس وقت بھی سوچ یہی تھی کہ دینی مدارس ایک قیمتی خدمت سرانجام دے رہے ہیں لہٰذا ان کو اس طرف لایا جائے کہ وہاں سے فارغ التحصیل لوگ ایک مخصوص کام کے لیے نہ ہوں بلکہ وہ معاش کے تمام مواقع کے لیے اپنی افادیت ثابت کرسکیں۔ اب بین الاقوامی حالات کے لحاظ سے اس کی اہمیت زیادہ ہوگئی ہے لیکن بنیاد پہلے ہی سے موجود تھی۔ جہاں تک حکومت کا تعلق ہے، اس

Marfat.com

سلسلے کا آغاز ایک آرڈیننس سے کرایا گیا جس کے ذریعے پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کا قیام عمل میں آیا۔ قانون کے طالب علم کی حیثیت سے میں سمجھتا ہوں کہ کسی بھی آرڈیننس یا قانون کے ذریعے آپ کوئی ماحول پیدا نہیں کر سکتے بلکہ کسی بھی نظریے کی تبدیلی کے لیے معاشرے کی سوچ پہلے سے موجود ہوگی تو قانون اسے باقاعدہ کر سکے گا۔ لیکن قانون اگر اسے تشکیل دے گا اور اس کی قبولیت ابھی نہیں پیدا ہوئی ہوگی تو کامیابی کے امکانات بہت محدود ہو جاتے ہیں۔ اب تک مدرسہ بورڈ کی ساری کارکردگی دیکھ کر میں سمجھتا ہوں کہ وہ اطمینان بخش نہیں ہے۔ اب دینی مدارس کے بورڈ کا خاکہ قانوناً مہیا کر دیا گیا ہے اور اس کی خالی جگہیں پُر ہونے والی ہیں۔ اس میں ایک کمیٹی نصاب کی بھی ہے اور علماء کرام سے اس میں تعاون بھی مانگا جا رہا ہے۔ کوشش ہے کہ جو بھی نصاب بنایا جائے وہ ایسا ہو کہ دینی مدارس اسے قبول کر سکیں۔ چنانچہ متفقہ طور پر دینی مدارس کی موجودہ پوزیشن کو برقرار رکھتے ہوئے اس میں کچھ اضافے کرنے چاہییں۔ نظام تعلیم میں بہتری لا کر ان پر کنٹرول حاصل کرنے کا حکومت کا کوئی منصوبہ نہیں۔ بنیادی مقصد یہی ہے کہ آخرت کی خیر کے بارے میں دینی مدارس تو کام کر ہی رہے ہیں، دنیا کی خیر کے لیے بھی اس میں کوئی اضافہ کر لیا جائے۔ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ معاذ اللہ دینی مدارس کی جگہ سیکولر تعلیم کو دینے کا حکومت کا کوئی ارادہ نہیں۔ اگر سیکولرازم کی بات ہوتی تو بات شروع یہاں سے ہوتی کہ آیا دینی مدارس ہوں یا نہ ہوں۔

جو چیلنجز سامنے ہیں ان کے حل کے لیے اس سرگرمی پر انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اور نیپا کا ممنون ہوں۔ حکومت کو ہر سطح پر راہنمائی کی ضرورت ہوگی اور راہنمائی کا جو کردار آئی پی ایس ادا کر رہا ہے انتہائی قابل تعریف ہے۔ ایسے ادارے جتنی بھی تعداد میں ہوں بہت اچھا ہے۔ حکومت میں رہتے ہوئے میرا یا مجھ جیسے حکومتی اہلکاروں کا کردار پُل کا ہونا چاہیے۔ ہم اپنے خیالات حکومت تک پہنچانے کے علاوہ ایسے پروگراموں سے جو بھی معلومات حاصل ہوں انہیں پالیسی سازوں تک پہنچا سکتے ہیں۔

Marfat.com

حکومت کے مؤقف کے بارے میں یہ واضح رہنا چاہیے کہ ہم یہ قطعاً نہیں کہہ رہے ہیں کہ دینی مدارس کی افادیت نہیں کیونکہ افادیت ہے تبھی ہم اسے محفوظ کر کے ان اداروں کو آگے چلانا چاہتے ہیں۔ اسی طرح حکومت کے کردار کے بارے میں بھی ہم پر واضح ہے کہ وہ ایک ریگولیٹر کا ہو سکتا ہے creator کا کردار کبھی نہیں ہو سکتا۔ حکومت کوئی بھی ہو اور اس کے جیسے بھی خیالات ہوں، اس کی اپنی حدود ہوتی ہیں۔ اس لیے یہ کام انشاءاللہ جب بھی ہوگا آپ ہی کے تعاون سے ہوگا۔

زیر بحث مسئلے کے حل میں وزارت تعلیم اور دینی مدارس کے منتظمین مل کر کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ہر کوئی تسلیم کرتا ہے کہ دینی اداروں نے فروغ تعلیم میں شاندار کردار ادا کیا ہے۔ مثلاً میں ابھی اعداد و شمار دیکھ رہا تھا تو معلوم ہوا کہ ان مدارس میں تقریباً ۱۳ لاکھ کے لگ بھگ طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ گویا بچوں کی تعلیم کا بوجھ یہ دینی مدارس اٹھائے ہوئے ہیں جس کے لیے میں سمجھتا ہوں کہ ہر پاکستانی کو احساس ممنونیت ہونا چاہیے۔ مزے کی بات ہے کہ ان کی تعلیم، رہائش بلکہ ہر چیز مفت ہے۔ ضرورت اس چیز کی ہے کہ دینی مدارس اپنے طور پر فیصلہ کر لیں کہ اگر اس میں اضافی علوم کو شامل کر لیا جائے تو اس میں نہ کوئی مادیّت کا پہلو آئے گا نہ کوئی خرابی بلکہ طلبا کا ذہنی افق وسیع ہو جائے گا۔

جہاں تک حکومتی کاوشوں کا تعلق ہے یہ سخت غیر منصفانہ سوچ ہے کہ ایک جانب یہ کہا جائے کہ ساری کی ساری ذمہ داری حکومت کی ہے لیکن جب حکومت سے تعاون کی باری آئے تو کہا جائے کہ حکومت کا یہ کام نہیں ہے۔ درحقیقت پالیسی فریم ورک تو حکومت نے ہی مہیا کرنا ہے اور بحیثیت شہری میری اور آپ کی ذمہ داری ہوگی کہ ہم اس کو معاونت مہیا کریں۔ ہمارے پاس پارلیمنٹ بھی موجود ہے بلکہ اب تو پارلیمنٹ میں علمائے کرام کی بھی اتنی تعداد ہے کہ وہ براہ راست معاونت فراہم کر سکتے ہیں۔ البتہ اس ضمن میں ایک دقّت ضرور ہے یعنی حکومت جس کام کا ذمہ لیتی ہے، ماضی کے کچھ تلخ تجربات کے باعث، دینی مدارس کی دنیا میں اس کے خلاف ایک منفی

Marfat.com

ردعمل اور شک وشبہ کی فضا خود بخود بن جاتی ہے۔ کچھ مخالف قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ یہ کہتی ہیں کہ یہ سب کچھ سیاسی مقاصد کے لیے کیا جارہا ہے۔ تاہم اگر ہم ٹھنڈے دل سے سوچیں تو سیاسی مقصد کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔ البتہ اگر مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی اس معاشرے کے لیے افادیت بہتر ہو تو یہ سیاسی مقصد ضرور موجود ہے۔ سیاست بہرحال زندگی کا ایک حصہ ہے۔ مثلاً اگر آپ ملک سے غربت دُور کرنے کی بات کریں تو یہ بھی سیاسی ایجنڈا ہے۔ اس ضمن میں بھی اس کی ضرورت ہے۔

یہ صورت حال بدقسمتی کی علامت ہے کہ ہمارے ہاں عید میلاد النبیؐ منانے والے اور لائنز کلب کے فنکشن کے شرکاء ایک دوسرے سے یوں مختلف ہیں گویا دو مختلف سیاروں کی مخلوق ہوں۔ حالانکہ یہ دونوں گروہ ایک ہی معاشرے کا حصہ ہیں۔ لہٰذا انہیں ایک دوسرے کی کمی پوری کرنے کی صلاحیت کا حامل ہونا چاہیے۔

سیاست سے بلند ہو کر اگر ہم محض ایک مخلص پاکستانی کے طور پر سوچیں تو یہ درست لگے گا کہ ملک میں ایک ہی نظام تعلیم ہو مگر اس منزل کے حصول میں طویل عرصہ لگے گا لہٰذا فی الحال دیگر تعلیمی بورڈوں کے ساتھ ساتھ دینی مدارس کے لیے الگ بورڈ تشکیل دیا گیا ہے۔ میں آپ کی کاوشوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا اور اعلان کرتا ہوں کہ مشترکہ مقصد کے لیے جو بھی اقدامات کیے جاسکیں آپ کو ان میں ہماری پوری پوری معاونت میسر ہوگی۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۵﴾

ڈاکٹر نسیم اشرف

چیئرمین قومی کمیشن برائے ترقی انسانی وسائل-اسلام آباد

یہ امر واقع ہے کہ دینی مدارس کو جس توجہ کی ضرورت تھی وہ حکومت کی طرف سے میسر نہیں آئی۔ دینی مدارس نے ماضی بعید میں ہی نہیں بلکہ ماضی قریب میں بھی اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے نہایت گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ جبکہ معاشرے کی اصلاح میں ان مدارس کا ہمیشہ سے ہی کلیدی کردار رہا ہے۔ مدارس سے اپنے دور کے نامی گرامی معیشت دان، ماہرینِ فلکیات، کیمیا اور فلسفہ کے ماہرین فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔ یہ بات بھی عیاں ہے کہ انگریزی راج میں دینی مدارس کی موجودگی سے ہی اسلامی معاشرت اور تہذیب کو تحفظ ملا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ آج ان مدارس میں کیا اور کیسے پڑھایا جارہا ہے۔ کیا وہ تمام مقاصد حاصل ہورہے ہیں جن کا چیلنج مسلم امہ کو درپیش ہے۔ ہمارے خیال سے دینی مدارس کا سند یافتہ ہر عالم جب تک قرآن وسنت کی بصیرت کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کے معاملات پر قوی دسترس حاصل نہیں کرے گا تب تک معاشرے میں ایک مکمل کردار ادا نہیں کرسکتا۔ یہ تب ممکن ہوگا جب دینی مدارس میں دینی اور عصری علوم کی تعلیم بہترین اور اعلیٰ امتزاج کے ساتھ دی جائے۔

اگر ایسا ممکن ہوسکے تو میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کچھ ہی عرصہ میں زندگی کے ہر

Marfat.com

شعبہ میں بہترین ماہرین، دینی مدارس سے مل سکیں گے جو ایک طرف معیشت، سائنس، ٹیکنالوجی، سیاسیات، قانون اور دیگر شعبہ جات کے بھی ماہر ہوں گے، اور دوسری طرف مکمل عالم دین بھی ہوں گے۔ ہمارا تجربہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اگر دینی مدارس کی خودمختاری اور آزادی میں مداخلت نہ کی جائے تو عصری تعلیم مکمل طور پر دینی اداروں میں متعارف کرائی جا سکتی ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب تک دینی علوم کے ساتھ سائنسی علوم مسلمانوں کی دسترس میں رہے، مسلمان ایک ترقی یافتہ قوم بن کر ابھرے، لیکن علمی زوال کے باعث معاشرہ میں جمود طاری ہوتا گیا۔ مغرب نے سائنسی علوم کو اپنے اندر سمو کر اور معاشرے میں رائج کر کے مادی ترقی کی راہ اختیار کی اور آج تک ترقی کی منزلیں طے کرتا جا رہا ہے۔ اگر قرآن پاک کے احکامات کو، جن میں کائنات کے مطالعہ کا سبق دیا گیا ہے، اپنایا جائے تو ان عصری مضامین اور علوم کا حصول ہر مسلمان پر لازم ہو جاتا ہے۔ میری رائے میں موجودہ زمانہ اور حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا نصاب ترتیب دیا جائے جو قرآن و سنت کے اصولوں کے عین مطابق ہو اور جدید تعلیم کے تمام تقاضوں کو بھی کماحقہ پورا کرتا ہو۔ اس حوالہ سے عربی اور اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان کی مہارت سے دینی مدارس کو تقویت ملے گی اور اسلام کے متعلق منفی پروپیگنڈے کا جواب اسی پلیٹ فارم سے علماء کرام صحیح صورت حال بیان کر کے دے سکیں گے۔

ہماری رائے ہے کہ

۱۔ درس نظامی میں داخلے کے لیے کم از کم تعلیم میٹرک مقرر کی جائے۔

۲۔ دینی مدارس میں شروع ہی سے عام سرکاری سکول کا نصاب پڑھایا جائے تا کہ کوئی بھی طالب علم کسی بھی بورڈ سے میٹرک کا امتحان دے سکے۔ مہتمم اگر کوئی اضافی کتاب پڑھانا چاہے تو مضائقہ نہیں۔

۳۔ دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ کو تمام کالجوں، یونیورسٹیوں، میڈیکل کالجوں اور انجینئرنگ یونیورسٹیوں میں ان کی قابلیت کے لحاظ سے داخلے دینے کے مواقع فراہم کیے جائیں اور یہ

Marfat.com

تب ہی ممکن ہے کہ فارغ التحصیل طلباء کو داخلے کے لیے درکار تعلیمی قابلیت کے حوالہ سے خصوصی طور پر تیار کیا گیا ہو (اور متعلقہ مضامین مثلاً ریاضی اور حیاتیات وغیرہ پڑھائے گئے ہوں)۔

۴۔ کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کی وجہ سے طلبہ کی توجہ بٹ جاتی ہے اور وہ دینی تعلیم بہتر طریقہ سے حاصل نہیں کر پاتے، اس کے لیے ضروری ہے کہ تعلیم وتدریس کے ایسے جدید طریقے اپنائے جائیں اور ان کورسز کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ یہ خدشات جنم نہ لے سکیں۔

۵۔ مسلم تشخص پہ آنچ آئے بغیر اپنے عقیدے سے ہم آہنگ تعلیمی نظام تشکیل دیا جائے، اور دنیا کے سامنے اسے صحیح تناظر میں پیش کیا جائے تاکہ دینی تعلیم کو غلط رنگ دے کر پیش کرنے والوں اور منفی پروپیگنڈہ کرنے والوں کا مؤثر مقابلہ کیا جاسکے۔

۶۔ دینی مدارس سے فارغ التحصیل افراد کو عملی زندگی گزارنے میں معاشی مسائل کا سامنا رہتا ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہوتا ہے جب ان طلبہ کو روزگار کی فکر کرنا پڑتی ہے اس وقت عصری تعلیم میں خام تربیت ان کے راستہ میں حائل ہوتی ہے۔ اس کا تدارک تب ہی ممکن ہے جب ہم پہلے دن سے ہی دونوں قسم کی تعلیم کو بہترین امتزاج کے ساتھ رائج کریں۔

قومی کمیشن برائے انسانی ترقی جس کا مشن پاکستان کے سب سے قیمتی اثاثے یعنی Humam Capital کو ترقی دینا اور تعلیم اور صحت کے شعبوں میں حکومتی اور غیر حکومتی اداروں کی کارکردگی کو بہتر اور مؤثر بنانا ہے، دینی مدارس کی بہتری کے لیے اپنا کردار ادا کرنے کو وقت کی اہم ضرورت سمجھتا ہے، اس سلسلہ میں ہم نے پاکستان بھر میں ۱۰۰ مدارس کی انتظامیہ سے، جن میں مہتمم مدرسہ سرفہرست ہیں، تفصیلی گفتگو کے بعد نامور علماء کے ساتھ اجلاس کا انعقاد کیا، اس میں ملک کے مختلف علاقوں سے علماء اکرام نے شرکت کی۔ سروے اور علماء سے مشاورت کے نتیجہ میں درج ذیل تجاویز سامنے آئیں۔

Marfat.com

۱۔ دینی مدارس میں ہنر مندی کی تعلیم کو بھی فروغ دیا جانا چاہیے۔

۲۔ عصری تعلیم میں آرٹس اور سائنس گروپ کی طرح مذہبیات کا گروپ قائم کیا جائے۔

۳۔ جدید تعلیم اور دینی تعلیم کو الگ الگ تصور نہ کیا جائے۔

۴۔ کمپیوٹر کی تعلیم مدارس کے لیے لازمی (اگرچہ عصری مدارس میں لازمی نہیں ہے) قرار دی جائے۔

۵۔ مدارس کی بہتری کے پروگرام پر عملدرآمد مہتمم مدرسہ کے ذریعہ ہو۔

۶۔ مدرسہ کا نظم ونسق مہتمم کے پاس ہو۔

۷۔ لوگوں پر واضح کر دیا جائے کہ تمام تر اقدامات مدارس کی ترقی کے لیے کیے جارہے ہیں تاکہ حکومت کے مدارس پر کنٹرول حاصل کرنے کا پروپیگنڈہ ختم ہو سکے۔

۸۔ جن مدارس کے پاس وسائل نہیں ہیں، وہاں عصری تعلیم کے لیے اساتذہ فراہم کیے جائیں مگر یہ اساتذہ مہتمم مدرسہ کے ماتحت ہونے چاہیں۔

۹۔ جس طرح مدارس میں جدید نظام تعلیم رائج کرنا ضروری ہے اسی طرح سکولوں اور کالجوں کی سطح پر دینی تعلیم رائج کی جائے تاکہ جب طالب علم گریجویشن کر لیں تو اسلامی تعلیمات سے بخوبی واقف ہوں (بلکہ اچھے خاصے عالم دین بن چکے ہوں)۔

۱۰۔ دینی مدارس کے ذہین طلبہ کو اسلامی ممالک کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کے لیے بجھوایا جائے۔

۱۱۔ مدارس کی اسناد کو ہر سطح پر تسلیم کیا جائے۔

۱۲۔ دوران سروے بعض مدارس کے نگران حضرات نے یہ درخواست بھی کی کہ کم وسائل کے باعث ان کے اداروں کی عمارات خستہ حالی کا شکار ہیں، کچن اور بیت الخلاء کی تعمیر کے علاوہ کمروں کی مرمت نہایت ضروری ہے۔ اکثر مدارس نے سائنس لیبارٹری اور کمپیوٹر فراہم کرنے کی درخواست بھی کی۔ اس تناظر میں یہ ضروری ہے کہ ہم حفظان صحت اور صفائی کا

Marfat.com

خیال رکھتے ہوئے مدارس کے مادی ڈھانچے کو بہتر بنانا بھی اپنی ذمہ داریوں اور ترجیحات میں شامل کریں۔

سروے سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ کچھ ادارے ایسے بھی تھے جہاں صرف ناظرہ قرآن کے لیے چند بچے آتے ہیں لیکن ان کا اندراج ایک مکمل مدرسہ کے طور پر کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں بہتر ہوگا کہ مدارس کا باقاعدہ سروے کر کے ان کی درجہ بندی کی جائے، ان کی ضروریات کا تعین کیا جائے اور پھر ہر مدرسہ کی ترقی و بہتری کے لیے اس کے حجم اور ضروریات کے حساب سے منصوبہ بندی کی جائے۔ قومی کمیشن برائے انسانی ترقی اس سلسلہ میں چونکہ پہلے بھی ایک سرگرمی کر چکا ہے لہٰذا اب بھی مدد فراہم کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہے۔

دینی مدارس کو ترقی دینا اور عہد حاضر سے ہم آہنگ کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے، یہ دور انفارمیشن ٹیکنالوجی کا ہے اور وہی قومیں دنیا میں کامیاب اور طاقتور سمجھی جاتی ہیں جو دور حاضر کی ٹیکنالوجی کو استعمال کر کے ہر ہر شعبہ میں زیادہ سے زیادہ عبور حاصل کرتی ہیں۔ اس اصول پر ہمیں بھی کاربند ہونا چاہیے تاکہ اسلامی امہ کو درپیش چیلنج کا مقابلہ مؤثر طریقے سے کیا جا سکے۔ عالم اسلام اور خصوصی طور پر پاک و ہند میں دینی مدارس نے معاشرے کی اصلاح اور فلاح و بہبود کے لیے نہایت ہی اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہمیں فخر سے تسلیم کرنا چاہیے کہ ہمارے معاشرے میں دینی مدارس معاشرتی اقدار کے تحفظ کے لیے موثر کردار ادا کر رہے ہیں، لیکن تمام تر مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے جدید تعلیم کا امتزاج ہی اس کردار کو زیادہ سے زیادہ آگے بڑھا کر مؤثر تر بنا سکتا ہے۔

قومی کمیشن برائے انسانی ترقی کی جانب سے میں یہ بات آپ کو یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف اور حکومت پاکستان کے بھی یہی خیالات ہیں۔

آیئے ہم سب مل کر اللہ سے دعا کریں کہ اس نیک کام میں ہماری مدد کرے۔ آمین

☆☆☆☆

Marfat.com

مدرسہ کا کردار

تصور تعلیم ــــ نصاب اور طریق تدریس

• ڈاکٹر احسان الحق • عبداللہ
• ڈاکٹر رفیق احمد • ڈاکٹر سرفراز نعیمی
• ڈاکٹر ظہور احمد اظہر • اوریا مقبول جان
• پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر • ڈاکٹر مولانا عطاء الرحمٰن
• پروفیسر عبدالرزاق خان • مولانا عزیز الرحمٰن
• مولانا مقصود الحسن ڈوگی • مولانا عبدالرشید غازی

Marfat.com

Marfat.com

﴿۱﴾

ڈاکٹر احسان الحق

سابق چیئر مین، شعبہ عربی جامعہ کراچی

قرآن حکیم کی رو سے علم کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَاللّٰہِ (۴۶:۲۳) (اس نے کہا، "اس کا علم تو اللہ کو ہے")۔ بندوں کو جتنا کچھ علم حاصل ہوا ہے یا آئندہ ہوگا وہ "علم قلیل" ہے۔ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ○ (۸۵:۱۷) (مگر تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا ہے)۔ یعنی تمہیں علم کی کم مقدار عطا کی گئی ہے انسانوں کے علاوہ دیگر مخلوقات کو بھی "علم کلی" عطا نہیں کیا گیا۔ حتیٰ کہ فرشتوں نے بھی اعتراف کیا کہ سُبْحٰنَکَ لَاعِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ (۳۲:۲) (نقص سے پاک تو آپ ہی کی ذات ہے، ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہم کو دے دیا ہے۔ حقیقت میں سب کچھ جاننے اور سمجھنے والا تیرے سوا کوئی نہیں)۔

"علم قلیل" میں سے بندوں کو جو علم عطا ہوا ہے اس کی دو قسمیں بیان کی جا سکتی ہیں۔

۱۔ علم الاشیاء Non Revealed Knowledge

۲۔ علم وحی Revealed Knowledge

علم الاشیاء

علم الاشیاء کے عنوان کے تحت تمام مادی علوم آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو روز اول سے

Marfat.com

ان علوم کے حصول کی بالقوہ صلاحیت عطا فرمادی تھی۔ چنانچہ انسان نے تدبر و تعقل کے ذریعے، سمع و بصر اور فواد کی صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے بتدریج ان علوم میں ترقی کی اور اب کیفیت یہ ہے کہ

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

اقبالؔ

یا

آج اس اوج پر انسان ہے جہاں تک نہ اٹھا
بالِ جبریل کا کیا ذکر، خیالِ جبریل

احمد ندیم قاسمیؔ

قرآن حکیم علم الاشیاء کے تحت انسان کی ترقی و عروج کا مخالف نہیں۔ بلکہ وہ تعقل و تفکر اور تدبر کی دعوت دیتا ہے اور کائنات اور انسانی وجود میں پھیلی ہوئی بے شمار نشانیوں کو اللہ کی آیات قرار دیتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ ان آیات میں غور و فکر کیا جائے۔ یہ اہل عقل اٹھتے بیٹھتے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج (۳:۱۹۱) (اور زمین اور آسمانوں کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں)۔ اس سے ثابت ہے کہ غور و فکر کی اہمیت کتنی زیادہ ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ o (۳:۱۹۰) (زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ان ہوش مند لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں)۔ ایک مقام پر غور فکر کو زندگی اور غور و فکر نہ کرنے کو موت سے تعبیر کیا گیا۔

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ لا وَّ اَنْ عَسٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ قَدِاقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ج (۷:۱۸۵)

Marfat.com

(کیا ان لوگوں نے آسمان اور زمین کے انتظام پر کبھی غور نہیں کیا اور کسی چیز کو بھی، جو خدا نے پیدا کی، آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا؟ اور کیا یہ بھی انہوں نے نہیں سوچا کہ شاید ان کی مہلتِ زندگی پوری ہونے کا وقت قریب آ لگا ہو)۔

مگر علم الاشیاء میں مجرد غور و فکر، انسان کو گمراہی کی طرف لے جا سکتا ہے اس لیے قرآن حکیم نے مادی علوم کے حصول میں بھی علم وحی کی راہنمائی ضروری قرار دی ہے۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۝ (۵:۹۶) (انسان کو وہ علم سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا)۔ اس سے پہلے فرمایا۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ (۱:۹۶) [پڑھو (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا]۔ یعنی علم کے قافلہ کا تمام سفر اسم رب کی روشنی میں طے ہونا چاہیے۔ انسان نے جب بھی وحی کی بالا دست حیثیت کو نظر انداز کرتے ہوئے مادی علوم کی بے مہار تحصیل کی اور اس پر اترایا تو یقیناً تباہی سے دوچار ہوا۔ ارشاد ہے اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ (۹۳: ۳-۴) (پڑھو، اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا)۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ (۴۰:۸۳)

(جب ان کے رسول ان کے پاس بیّنات لے کر آئے تو وہ اسی علم میں مگن رہے جو ان کے اپنے پاس تھا اور پھر اسی چیز کے پھیر میں آ گئے جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے)۔

علم وحی

علم وحی، علم الاشیاء کے برعکس آسمانی علم ہے۔ یہ علم ان سوالات کے جوابات دیتا ہے جن کو انسان اپنے حواس خمسہ تعقل اور تدبر کے ذریعہ حاصل نہیں کر سکتا۔ انسان کے مبدا و معاد، مقصد زندگی، کائنات کا ماضی و مستقبل ایسے بنیادی سوالات ہیں، جن کے حتمی جوابات علم وحی کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس علم کے لیے اللہ نے اپنے جن بندوں کو منتخب کیا انہیں انبیاء کہتے ہیں۔

Marfat.com

اس علم کا آغاز آدم سے ہوا۔ اور کمال جنابِ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔ مخلوقات میں سب سے زیادہ علم اللہ نے جس ہستی کو عطا کیا وہ جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہستی ہی ہے۔

وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًاo (۴:۱۱۳)

(اور تم کو وہ کچھ بتایا، جو تمہیں معلوم نہ تھا۔ اور اس کا فضل تم پر بہت ہے)۔

لہٰذا انسان مادی علوم میں جس برق رفتاری سے لادینی "Secular" بنیادوں پر زقندیں لگا رہا ہے وہ اسے ابدی سعادت و راحت سے ہمکنار نہ کرسکیں گی۔ بلکہ اس کی بے چینی و اضطراب میں اضافے کا باعث بنیں گی۔ جیسے بقول اقبال:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں یوں الجھا رہا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ انسانی سعادت علوم مادی و علم وحی کے حسین امتزاج ہی سے ہے۔

علم کی حد سے مرے بندۂ مومن کے لیے
لذّتِ شوق بھی ہے نعمت دیدار بھی ہے

سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کو اپنے مقاصد بعثت میں ارشاد فرمایا: انما بعثت معلماً کہ میں تو معلم مبعوث ہوا ہوں۔ مزید فرمایا کہ الا ان الدنیا ملعونۃ ملعون ما فیھا الا ذکر اللہ و ما والاہ و عالماً و متعلماً کہ سنو بے شک دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب اللہ کی رحمت سے دور ہیں، سوائے اللہ کے ذکر اور اس کے متعلقات کے اور سوائے عالم اور

Marfat.com

طالب علم کے (یعنی تعلیم کا مقصد مکارم اخلاق کی تکمیل کو قرار فرمایا)۔ انما بعثت لا تمم مکارم الاخلاق کہ ''مجھے فضائل اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا۔ گویا تعلیم کا مقصد سیرت سازی اور کردار کی تعمیر ہے۔ بلند کرداری اور پختہ سیرت کے بغیر مادی ترقی کا خواب کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔ آج بد قسمتی سے کاروباری (Market Oreinted) تعلیم کا نعرہ لگایا جا رہا ہے اور وہ تعلیم جو پیٹ کا دوزخ نہ بھر سکے، اسے نظر انداز کرنے بلکہ ختم کر دینے کی بات کی جا رہی ہے۔ حالانکہ ایسی تعلیم کا کڑوا پھل اور زہریلے نتائج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ بیرون ملک جامعات کی اعلیٰ ڈگریوں کے حامل قومی دولت کی لوٹ کھسوٹ میں جس بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ دن رات ایک کیے ہوئے ہیں۔ ان کے قصے قومی اخبارات کی زینت اور زبان زد عام ہیں۔ لہٰذا اکیسویں صدی میں مضبوط پاکستان کا خواب ایک باصلاحیت اور امانت و دیانت کی قدروں کی حامل قیادت کے بغیر شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ اور باصلاحیت و دیانتدار قیادت ایک بامقصد نظام تعلیم کے بغیر وجود میں نہ آ سکے گی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اسوہ رسول کو مشعل راہ بنایا جائے اور بامقصد تعلیم کی بنیادیں مشکوٰۃ نبوت سے حاصل کردہ روشنی پر استوار کی جائیں۔

قرآن حکیم نے اہل ایمان پر آپ ؐ کی نبوت کے احسان عظیم کا ذکر کرنے کے بعد آپ ؐ کے تعلیمی مشن کو چار عنوانات کے تحت تقسیم کیا۔

(۱) یَتۡلُوۡا عَلَیۡھِمۡ اٰیٰتِہٖ (۱۶۴:۳) (جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے)۔ یعنی بحیثیت معلم کتاب کا متن (Text) جوں کا توں اپنے طلبہ (مومنوں) تک پہنچاتے ہیں۔

(۲) وَیُعَلِّمُھُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ ج (۱۶۴:۳) (اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے)۔ یعنی کتاب کے اجمال کی وضاحت کرتے ہیں۔ اس کے ایجاز کو کھول کر بیان کرتے ہیں۔ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ (۴۴:۱۶) (اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی توضیح و تشریح کرتے جاؤ)۔

(۳) والحکمۃ (آپ حکمت کی تعلیم دیتے ہیں)۔ یعنی صرف کتاب کے متن اور تشریح و توضیح

Marfat.com

پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ کتاب کی روشنی میں اپنے طلبہ (مومنوں) میں وہ تخلیقی صلاحیت پیدا کرتے ہیں جس سے وہ (کتاب کے فریم ورک میں رہتے ہوئے) مستقبل کے پیش آمدہ مسائل کا حل پیش کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔

(۴) ویـزکیھم اور یہ پیغمبران کا تزکیہ کرتا ہے۔ تزکیہ خوبیوں اور بھلائیوں کے فروغ اور برائیوں اور منکرات کے سدباب کا نام ہے۔ تعلیم کا اول و آخر مقصد یہ ہے کہ انسان کے نفس کا تزکیہ ہو کیونکہ تزکیہ ہر انسان کی سعادت و فلاح کا مدار ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ (۱۴:۸۷) (فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی)۔-- لہٰذا آیات بعثت میں کہیں اسے آیت کے شروع میں، کہیں درمیان اور کہیں آخر میں لایا گیا۔

چنانچہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے طلبہ (مومنوں) سے تعلق وقتی نہیں بلکہ ہمہ وقتی تھا۔ آپ ان کی اجتماعی زندگی کے ساتھ ساتھ انفرادی زندگی میں بھی معلم تھے اور اس پر نظر رکھتے تھے۔

نبوت کے اس کار عظیم کے ان چار عنوانات کے تحت انجام دینے کے نتیجہ میں دنیا میں وہ عظیم الشان تعلیمی انقلاب برپا ہوا جس کے اثرات آج کی دنیا پر بھی ہیں اور رہتی دنیا تک رہیں گے۔ اس تعلیمی انقلاب کے نتیجہ میں اونٹوں کے چرانے والوں نے تہذیب کی شمعیں روشن کیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ، فلسفہ اور علم الکلام میں عظیم الشان علمی ذخیرہ چھوڑنے کے ساتھ ساتھ، حساب، الجبرا، جغرافیہ، کیمیا اور دیگر سائنسز میں بھی اپنا لوہا منوایا۔ بغداد و قرطبہ کی یونیورسٹیوں نے ان ہی جامعات سے استفادہ کر کے اپنی نشاۃ ثانیہ کا اہتمام کیا تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ اپنے منبع علم سے دوری کے سبب زوال و انحطاط کا شکار ہوتی چلی گئی اور آج جس قعر مذلت میں گری ہوئی ہے اس کی داستان سنانے کچھ حاصل نہیں۔ بس اتنا کہنا کافی ہے کہ:

Marfat.com

اے باد صبا کملی والے سے جا کہیو پیغام مرا
قبضے سے امت بیچاری کے دیں بھی گیا، دنیا بھی گئی

تجاویز

زوال کی مثال سیلاب کی سی ہے۔ جب سیلاب آتا ہے تو وہ بلند و پست اور بستیوں کے ساتھ ساتھ منبر و محراب کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ باقی سب کچھ بے شک سیلاب کی نذر ہو جائے لیکن منبر و محراب اس سے محفوظ رہنے چاہییں؛ لیکن یہ توقع عبث ہے۔ دینی مدارس نے علوم نبوت کی شاندار اشاعت میں خدمات انجام دیں اور انتہائی کٹھن حالات میں دینی تعلیمات کی شمع جلائے رکھی۔ لیکن دورِ زوال میں جمود و تعطل نے جہاں دوسرے شعبوں کو اپنی لپیٹ میں لیا ہے وہاں مدارس بھی اس سے محفوظ نہیں رہ سکے۔

یہ درست ہے کہ یہ Specialization یعنی تخصص کا دور ہے۔ ایک مدرسہ بیک وقت علوم دینیہ کے ماہرین اور جدید سائنس کے گریجویٹ پیدا نہیں کرسکتا۔ جیسا کہ ایک جدید یونیورسٹی کے سائنس دان سے ایک اچھا عالم دین ہونے کی توقع نہیں کی جاسکتی (اگر چہ قطعی ناممکن نہیں ہے)۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ آج مدرسے اور معاشرے میں رابطے کی کمی کا گھمبیر خلاء (Huge Communication Gap) واقع ہو چکا ہے۔ مدرسہ اپنی مخصوص فضا، زبان اور مسائل (Issues) میں گھرا ہوا ہے اور معاشرہ اس ساری فضا سے لاتعلق ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ دینی مدرسہ اور معاشرہ ایک دوسرے کے قریب ہوں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ:

- مسلک پر زور دینے کی بجائے قرآن حکیم کی تعلیم و تدریس ایک عالمگیر کتاب ہدایت کی حیثیت سے کی جائے اور سنت اور سیرت یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا مطالعہ ایک عالمگیر ہادی کے طریق زندگی کے طور پر کیا جائے۔
- اسی طرح فقہ و اصول فقہ (Law/Juridical Verdicts) کے مضمون کے ساتھ مروج

Marfat.com

قوانین اوران کے ارتقاء کا مطالعہ بھی کیا جائے تا کہ مدرسہ ہمیں امانت دار وکلاء اور جج فراہم کر سکے۔

- ان سب علوم کی تنظیم و ترتیب (classification & codification) اوران مضامین میں نت نئی معلومات سے آ گاہی کے لیے کمپیوٹر کا استعمال بھی دینی مدارس کے طلبہ کے لیے اعتماد کا باعث ہوگا۔لہٰذا یہ مضمون بھی داخل نصاب ہونا چاہیے۔
- انگریزی زبان (جواب انگریز کی زبان نہیں رہی بلکہ عالمگیر عملی زبان بن چکی ہے)، لازمی مضمون کی حیثیت سے مدارس میں پڑھائی جائے۔
- اسلامی معاشیات (بیع ہدایہ وغیرہ، بیع وشراوغیرہ) کوشامل نصاب کر کے جدید اصطلاحات میں پڑھا اور سمجھا جائے۔ یہ مقصد اسلامی اور جدید معاشیات کے تقابلی مطالعہ کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔تا کہ مدارس کے گریجویٹ اسلامی بینکاری کے فروغ میں اپنا کردار ادا کرسکیں۔

آیت ربانی سورہ توبہ وَلَوْلَا نَفَرَمِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ (۱۲۲:۹) (مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصے میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے)۔ قرآن حکیم کی رو سے دینی مدارس کا اصل مقصد دعوت دین اوراس کا ابلاغ ہے اوران کے طلبہ کی Specialization یعنی تَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ deep insight of deen کی صورت میں مدارس کے تعلیمی نظام کا یہ رخ کسی صورت نظروں سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے۔ اس نقطۂ نظر سے میری مراد یہ ہے کہ زمینی علوم یعنی کیمسٹری، جینیات، شماریات اور حیوانیات وغیرہ کے عمومی تعارف سے زیادہ ان میں ان طلبہ کو نہ الجھایا جائے۔ایسی صورت میں یہ نہ سائنس کے کام کے رہیں گے نہ دین کے کام کے۔

امام مالکؒ کے ارشاد کے مطابق ''اس امت کے آخر کی اصلاح اسی سے ہوگی جس سے اس کے اول کی اصلاح ہوئی تھی''۔لہٰذا ضروری ہے کہ علوم مادی کی تحصیل میں علم وحی کو معین ونگران بنایا

Marfat.com

جائے۔ مغرب سے آنے والی ہر تحقیق اور علم کو حرف آخر نہ سمجھا جائے بلکہ اسے علم کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ کیونکہ وحی حق ہے اور باقی سب ظن و تخمین، صرف وحی غیر متبدل ہے اور باقی قابل کفر و تبدّل۔ وحی آخری حقیقت ہے اور باقی سب حقیقت کی جستجو و تلاش، وحی منزل ہے اور باقی سب سفر ہی سفر ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۲﴾

عبداللہ

سابق چیف سیکریٹری، سابق چیئرمین پبلک سروس کمیشن، صوبہ سرحد

''دینی مدارس'' اور ''مدارس'' ان دو اصطلاحوں میں کوئی دوسو سال کا تاریخی فاصلہ ہے۔ ہم آج جنہیں دینی مدارس کہتے ہیں وہ دوسو سال قبل صرف مدارس کہلاتے تھے۔ یعنی استعمار کے آنے سے پہلے ہمارے تعلیمی نظام میں دینی اور غیر دینی کی کوئی تمیز نہیں تھی۔ انگریزوں نے اپنی حکومت کے قیام کے بعد نظام تعلیم کو بطور خاص نشانہ بنایا اور یہ کام تحقیق، تبشیر اور سیاست کے حوالے سے شروع کیا گیا۔ پہلے مرحلہ میں کلکتہ میں گل کرائیسٹ کالج اور اسی طرح کے بعض دیگر اداروں میں کچھ لوگوں نے کوشش کی کہ یہاں کے نظام تعلیم کو سیکھیں اور سمجھیں۔ اس کے بعد انہوں نے سیاست، انتظام اور مشنری حوالے سے تبدیلی کرنے کی کوشش کی، اس ضمن میں زیادہ شواہد عام طور پر دستیاب نہیں البتہ ۱۹۰۱ء میں شائع ہونے والی ایک کتاب کا حوالہ قابل ذکر ہے۔ کتاب میں امریکہ میں ہونے والی عالمی کانفرنس میں پڑھے گئے منتخب مقالات اور مضامین شامل تھے۔ اس کانفرنس میں اس بات کا جائزہ لیا گیا تھا کہ ہندوستان میں مشنری ادارے کیسے کام کریں۔ بہت سی تقریریں اس میں موجود ہیں لیکن ایک مختصر سی تقریر پادری Forester کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ یہاں ہندوستان میں فقہ، سائنس، علم وفنون، ادب اور دین، ہر چیز پڑھائی

Marfat.com

جا رہی ہے، مگر جو کچھ بھی پڑھایا جا رہا ہے وہاں مذہب یا دین کسی نہ کسی انداز سے موجود ہے۔ اس لیے ان کا نظام تعلیم نا قابل تقسیم ہے۔ یہ ایک اکائی ہے۔ اس میں ایک طرف دینی علوم اور مضامین نظر آتے ہیں تو دوسری طرف سیکولر علوم و فنون بھی موجود ہیں، اور دونوں قسم کے علوم اکٹھے پڑھائے جا رہے ہیں۔ یہ مضامین مدارس اور یونیورسٹیوں میں برابر اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ اسے علوم و فنون کی ایسی محراب (Arch) قرار دیتے ہیں جس کا ایک بازو دین ہے تو دوسرا سائنس۔ اس محراب کے ایک بازو کو ہم نے توڑنا ہے۔ تاکہ یہ بازو ٹوٹ جانے پر محراب کی قوت باقی نہ رہے۔ محراب کو وزن سہارنے کے لیے دونوں بازوؤں کی ضرورت ہوتی ہے، چنانچہ ہم نے اسے کیسے توڑنا ہے؟ یہ بہت اہم سوال ہے۔

اگرچہ ان لوگوں کی نظر میں محراب کا ایک بازو ٹوٹنا خوش آئند ہو سکتا ہے مگر ہمارے لیے یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ ہمیں اس سے سبق سیکھنا چاہیے اور دوسری جانب اس سے مایوس بھی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ہم گزشتہ دو سو سال کی تاریخ سے یہی سیکھتے ہیں کہ دینی مدارس نے مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کو زندہ رکھا ہے۔ انہوں نے اس دینی تشخص کو برقرار رکھا جس کی وجہ سے ایک ملک وجود میں آیا۔ یہ کام فلپائن اور ہسپانیہ میں نہیں ہو سکا، کیونکہ وہاں یہ تسلسل قائم نہیں رہ سکا، جب دینی تسلسل ہی ختم ہوا تو گویا وہ تشخص بھی ختم ہو گیا جس کی وجہ سے ایک ملک وجود میں آیا تھا۔ لہٰذا پاکستان کے قیام میں موجود دینی عوامل میں سے مدارس کے اس کردار کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تاریخی خیانت ہوگی اگر دینی عوامل کو نظرانداز کر کے اس ملک کی تخلیق کی تفہیم کی کوشش کی جائے۔ دوسری جانب ہمیں اس تسلسل کو پیچھے کی طرف لے جا کر بھی سمجھنا ہے۔ ہمارے پاس اس وقت جو ادارے اپنے تاریخی تسلسل کے ساتھ موجود ہیں وہ مساجد اور مدارس ہیں۔ مسلمانوں کا تاریخی تسلسل جتنا ان اداروں میں نظر آئے گا اتنا کسی اور جگہ نظر نہیں آ سکتا۔

مساجد اور مدارس کا آغاز مسجد نبوی سے ہوا۔ پہلا معہد، انسٹی ٹیوٹ، مدرسہ، کالج، یونیورسٹی یا جو کوئی نام اسے دے دیا جائے، وہ مقام صفہ تھا۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں چھوٹے چھوٹے

Marfat.com

مدارس قائم ہوئے جنہیں کُتّاب کہتے تھے۔ وہاں پرائمری نوعیت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان کا نصاب بھی بہت دلچسپ تھا اور اس نصاب میں ایک چیز بہت ضروری تھی یعنی قرآن مجید کی کتابت۔ یعنی یہاں لکھنے کی مشق کروائی جاتی تھی۔ کُتّاب کے حوالے سے حضرت اُمّ المومنین (غالباً حضرت صفیہ) کا فقرہ ملتا ہے جس میں انہوں نے کہا کہ فلاں مدرسہ (کُتّاب) سے بچیوں کو بلائیں تاکہ وہ اون کاتنے میں میری مدد کریں۔ اس کا مطلب ہے کہ وہاں بچیاں بھی زیر تعلیم تھیں۔ یہ فقرہ تاریخ میں محفوظ ہے اور تاریخ کو اسی طرح پڑھا جانا چاہیے۔ اور کُتّاب کے نصاب میں حضرت عمرؓ نے جو اضافہ کیا وہ ضرب الامثال کی تعلیم تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ضرب المثل ایک پورے تہذیبی پس منظر کی آئینہ دار ہوتی ہے۔

مدینہ منورہ کے بعد پہلی دفعہ کوفہ میں ایک بڑا مدرسہ قائم ہوا، جو اس قدر بڑا تھا کہ اس کے مہتمم صاحب اس پورے مدرسے کی نگرانی کرنے کے لیے ایک گدھے پر بیٹھ کر چکر لگایا کرتے تھے۔ اس کے بعد دمشق میں یہ رجحان آیا اور وہاں پر مدرسے بنے۔ ایک چھوٹا سا نشان دمشق کے بازار میں اب بھی باقی ہے۔ بغداد میں سب سے بڑا ادارہ نظام الدین طوسی کا تھا۔ اس ادارے کی عظمت یہ ہے کہ سعدی اور غزالی جیسے افراد اس کی فیکلٹی میں تھے۔ اس کے بعد یہ سلسلہ آگے بڑھتے ہوئے وسط ایشیا کی طرف آیا اور وہاں سے یہ جنوبی ایشیا میں وارد ہوا۔ ان مدارس کا دوسرا رخ مغرب کی طرف تھا۔ اسپین کی طرف اموی خاندان کی بدولت تعلیم کو فروغ حاصل ہوا۔ ان کے عروج کے زمانے میں ہمیں فارابی اور اس طرح کے دوسرے بڑے بڑے نام نظر آتے ہیں جن میں احمر اور اسود کی کوئی تمیز نہیں تھی۔ اس میں وہ علماء پیدا ہوئے جو سیاہ فام تھے اور سینٹرل ایشیا سے ہوتے ہوئے جنوبی ایشیا میں آئے۔

جنوبی ایشیا اور دینی تعلیم

جنوبی ایشیا میں سب سے پہلا نشان راہ ۱۶۸۸ء سے ۱۷۴۷ء تک کے زمانے میں ملتا ہے۔

Marfat.com

یہ نظام الدین سہالوی کا درس نظامی تھا جو آج تک مشہور ہے۔ یہ صاحب دل، صاحب سخا اور علم پرور شخص تھے۔ انہوں نے اس زمانے کے حوالہ سے بڑا جامع نصاب دیا۔ اگرچہ آج کے تناظر میں نصاب کی تجدید ہماری ضرورت ہے اور یہ اس اعتبار سے روایت کا تسلسل ہے کہ ماضی میں بھی حسب ضرورت اس نصاب میں تبدیلیاں لائی جاتی رہی ہیں۔ اولین دور کے اس نصاب میں گیارہ مضامین تھے۔ یعنی صرف، نحو، منطق، حکمت، ریاضی، بلاغت، فقہ، اصولِ فقہ اور حدیث وتفسیر کے مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ اس کے بعد یہ سلسلہ آگے بڑھا اور وقت کے ساتھ ساتھ اس کی تجدید بھی ہوتی رہی۔ اس اعتبار سے نصاب کے پانچ ادوار تاریخ دانوں نے مقرر کر دیے ہیں۔ ان کا سمجھنا ضروری ہے۔

پہلا دور گیارہویں صدی سے پندرہویں صدی تک کا ہے۔ اس میں نو علوم اور بیس کتابیں ہیں، اور نحو، فقہ، اصول فقہ، تفسیر، حدیث، تصوف، ادب، منطق اور کلام شامل ہیں۔ دوسرا دور ۱۴۸۹ سے ۱۵۸۲ء کا ہے جس میں ایک مضمون یعنی قرأت وتجوید کا اضافہ ہوا۔ تیسرے دور میں فلسفہ، ہیئت، حساب اور طب کے مضامین اس میں شامل ہوئے۔ پہلے دور میں بیس، دوسرے دور میں ۲۸، تیسرے میں ۲۵ اور چوتھے دور میں بعض سائنسی علوم کی کتب کے اضافہ سے کتب کی تعداد ۴۳ ہوگئی۔ یہ ۱۷۶۲ء سے لے کر ۱۸۵۷ء تک کا دور ہے۔ لیکن اس میں ۲۰ کتابیں معقولات کی تھیں جو میرے خیال میں وقت کا بہت اچھا استعمال نہ تھا۔ پانچویں دور میں حکمت، علم وفرائض اور مناظرہ کی تربیت دی جاتی تھی۔ اور اس میں ۶۹ کتابیں تھیں۔

ان پانچ ادوار کے بعد موجودہ دور ۱۹۲۲ء سے شروع ہوتا ہے۔ پچھلے ادوار میں سب سے بڑی کنٹری بیوشن شاہ ولی اللہ کی ہے۔ انہوں نے تجدید علم کی اور قرآن وحدیث کو واپس لے آئے۔ موجودہ دور میں عربی ادب اور عروض کا اضافہ ہوا۔ ۱۹۲۲ء سے آج وفاق المدارس کے زیر اہتمام طے کردہ نصاب میں ۸۴ کتابیں شمار کی گئی ہیں۔ ان میں سے ہر کتاب عام اسکولوں کے دسویں جماعت کے بستے سے زیادہ بھاری ہے۔

Marfat.com

نصاب کے بارے میں مذکورہ بالا پس منظر کے ساتھ ہی اس وقت کی صورت حال کے بارے میں، میں بتانا چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے دینی مدارس کے حوالے سے منعقد ہونے والے اجلاس میں، میں نے اس وقت شمولیت کی جب میں وفاقی وزارت مذہبی امور کا سیکرٹری تھا۔ انتظامی اعتبار سے یہ موضوع وزارت مذہبی امور کا تھا یا وزارت تعلیم کا یا زیادہ سے زیادہ وزارت داخلہ کا ہوسکتا تھا۔ بشرطیکہ اُسے امن وامان کا مسئلہ قرار دیا جاتا، لیکن یہ پہلا اجلاس وزارت خارجہ میں ہوا جس کی صدارت وزیر خارجہ نے کی۔ یوں ان عوامل کا اندازہ لگانا مشکل نہیں جن کے نتیجے میں دینی مدارس کے نصاب کو وزارت خارجہ میں بیٹھ کر زیر بحث لایا گیا۔ اگرچہ اس وقت بظاہر صرف نصاب ہی کی بات ہو رہی ہے لیکن فی الحقیقت یہ اس تاریخ کا حساب طلب کیا جا رہا تھا جو علماء نے مدارس کی روایت کو زندہ رکھ کر رقم کی ہے۔ کیونکہ اب دنیا بہتر طور پر جاننے لگی ہے کہ اسلامی دنیا کی آج کی دینی قوت انہی مدارس کی مرہون منت ہے۔ یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ مسلمانوں کے تشخص کو اگر کسی چیز نے قائم رکھا ہے تو وہ مسجد و مدرسہ ہے۔ یہ بات اب دنیا کی طاقتیں پہلے کے مقابلے میں زیادہ سمجھتی ہیں۔ اس کے اثرات بھی قریب اور بعید کے واقعات میں مشاہدہ کیے جاسکتے ہیں۔

قریب کے زمانے میں افغانستان کے واقعات ہیں۔ غیر مسلم مغرب نے اس مسئلے پر انتہائی جدید خطوط پر تحقیق کی ہے اور اس سے جو نتائج برآمد ہوئے ہیں وہ یہی ظاہر کرتے ہیں کہ مسجد اور مکتب اسلام کو زندہ رکھنے کا سبب بنے ہیں۔ لہٰذا آج کے ''شناخت'' کے قضیے میں بھی مسجد و مکتب کے کردار کو نظرانداز کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اور درحقیقت تہذیبوں کا تصادم بھی شناختوں کے جھگڑے ہی کا ایک عکس ہے۔

جہاں تک نصاب کا تعلق ہے، ایک ماہر نصاب ساز کا ایک خوبصورت مکالمہ توجہ طلب ہے۔ وہ مکالمہ بندر اور بلی کا ہے، اور وہ کچھ یوں ہے کہ بندر نے بلی سے کہا ''آپ مجھے بتائیں کہ مجھے یہاں سے کس طرف جانا ہے''۔ بلی نے کہا ''اس کا انحصار تو اس بات پر ہے کہ آپ کس طرف

Marfat.com

جانا چاہتے ہیں''۔ بندر نے کہا'' مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ کہاں جاؤں؟''بلی نے جواب دیا ''اس صورت میں آپ جس طرف بھی نکل پڑیں ایک ہی بات ہے''۔ بندر نے پھر کہا''میں یہ واضح کر دوں کہ مجھے 'کسی جگہ' تو بہر کیف پہنچنا ہی ہوگا''۔ بلی نے جواب دیا''ہاں یقیناً 'کسی جگہ' آپ پہنچ جائیں گے بشرطیکہ آپ کافی دور تک جانے کے لیے تیار ہوں''۔ گویا کسی قوم کا تشخص اور منزل کا تعین اس کا نصاب تعلیم ہے۔ جب برصغیر میں مسلمانوں کے نصاب اور اس کے ذریعہ قوم کو تقسیم کیا گیا تو اس سے استعمار کا غلبہ آسان ہو گیا۔ استعمار ہمیشہ تعلیم کو تقسیم کر کے حکومت کرتا ہے۔ آزاد قوموں کے نصاب اور مغلوب قوموں کے نصاب مختلف ہوتے ہیں۔ نصاب سازی کو سامنے رکھتے ہوئے لمحہ موجود کا ادراک بھی ہونا چاہیے، اور آنے والے مسائل کا بھی۔ نیز یہ بھی کہ ہم اپنے تشخص اور نظریات کو بھی نصاب میں کس طرح محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ علم اور معلومات میں فرق ہے۔ یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ آج کل جو کچھ یونیورسٹیوں میں پڑھایا جا رہا ہے وہ معلومات ہیں، علم نہیں ہے جبکہ مسلمانوں کی تاریخی روایت علم کی روایت ہے اور اس سے مراد وہ زمانہ ہے جب اسلامی ثقافت دنیا پر غالب تھی، یعنی مسلم معاشرہ اس بارے میں حساس اور باخبر تھا کہ کیا پڑھایا جائے اور کیوں پڑھایا جائے؟

مدارس کے موجودہ نصاب کو آگے بڑھانے کے لیے کیا ہو سکتا ہے؟ اس پر مسلسل غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس میں اسلامی تشخص، علوم اور تجدید بھی کچھ ہونا چاہیے۔ اس وقت پاکستان کے حوالے سے دینی مدارس کی تاریخی جبلت جدا ہو کر سامنے آ رہی ہے۔ علاقوں کی تاریخی جبلتیں دب جاتی ہیں لیکن ختم نہیں ہوتیں۔ اس وقت نصاب کی بات کرنا اسی تاریخی جبلت کو دوبارہ سامنے لانے کی کوشش ہے۔ آج بہت سے حلقوں کی جانب سے دینی مدارس کو ایک مسئلے کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ ہم سب کے لیے ایک چیلنج ہے لیکن ہم نے فہم و فراست، عقل و ایمان اور حکمت و تدبر سے اس مسئلے کو ایک موقع (opportunity) کی شکل دینی ہے۔ اپنے نظریاتی تشخص پر کبھی بھی سودا بازی نہیں کی جانی چاہیے۔ لیکن تبدیلی کا آغاز تجدید نصاب کے ذریعے سے

Marfat.com

کچھ اس طرح ہونا چاہیے کہ تھوڑے عرصے میں پورے ملک کا نصاب ایک ہو جائے۔ تعلیمی نظام جب تک تقسیم رہے گا تہذیبی اور لسانی تقسیم بھی رہے گی، اب بھی موقع موجود ہے۔ اس موقع کو ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ نصاب کے ضمن میں درج ذیل بنیادی نکات پیش نظر رہنے چاہییں:

آخری پیغامِ رشد و ہدایت کا آغاز اقراء باسم ربک الذی خلق سے ہوا تھا۔ اسلام کا آغاز پڑھنے سے ہوا، گویا معاملات تعلیم میں سننا، بولنا اور لکھنا تمام طریقے شامل ہیں۔ اسلام کی تعلیمات کے ابلاغ کا باقاعدہ آغاز اقرأ باسمِ ربک الذی خلق سے یہ پیغام ملتا ہے کہ اسلام ترویج علم کی ایک تحریک ہے اور پڑھنے کے حکم کے بغیر اس میں پیشرفت ممکن نہ تھی۔ اقراء کا پیغام لبریشن آف نالج کا پیغام ثابت ہوا۔ اس لیے کہ اس وقت علم آزاد نہیں تھا بلکہ چند کلیساؤں، معبدوں اور خاندانوں میں مقید تھا اور اللہ نے اقرأ کا لفظ اتارتے ہوئے اسے ہمیشہ کے لیے آزاد کر دیا۔

آج ایک بار پھر یہ پابندیاں موجود ہیں جوان لوگوں نے عاید کر رکھی ہیں جو خود کو سب سے زیادہ مہذب سمجھتے ہیں۔ اس کا اندازہ منسٹری آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی سے یہ معلوم کر کے کیا جا سکتا ہے کہ باہر کی کن کن یونیورسٹیوں میں کن کن مضامین میں داخلہ نہیں ملتا۔ جہاں کہیں بھی بیالوجی، مائیکرو بیالوجی یا نیوکلیئر کا لفظ آ گیا ہے وہ شعبہ پاکستانیوں کے لیے ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ لوگ تعلیمی کیریئر کے اعتبار سے اس میں داخلہ لینا چاہتے ہیں مگر مغربی یونیورسٹیوں میں ۹۰ فیصد امکان یہ ہے کہ انہیں داخلہ نہیں ملے گا۔ گویا علم پر آج بھی پابندی لگی ہوئی ہے۔ علم کا منبع اللہ کی ذات ہے لہٰذا علم کی آزادی بہت ضروری ہے۔ علم پر پابندیاں گویا اللہ کی صفات پر پابندیاں ہیں۔

اقراء کے ذریعہ پڑھانے کے حکم کی انہی روایات کے حوالے سے واضح ہوتا ہے کہ آزاد تہذیبوں کے نصاب سے مغلوب تہذیبوں کے نصاب مختلف رہے ہیں۔ اس وقت سے لے کر جب مسلمان آزاد اور غالب تھے، آج تک جتنے بھی نصاب سامنے آئے ہیں خواہ وہ مشرق میں تھے یا مغرب میں وضع ہوئے انہیں اسی بنیاد پر سمجھنے اور جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ یہ امر دلچسپی

Marfat.com

سے خالی نہیں کہ ماضی میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے مغرب (سپین) کی طرف جانے والوں نے عربی زبان ہی کو ذریعۂ تعلیم کے طور پر استعمال کیا۔ البتہ جو مشرق وسطیٰ اور ایشیا کی دیگر جامعات میں گئے ان کے ہاں یونانی فلسفے کا اثر کم ہے۔ اس وقت غالب تہذیبوں کے نصاب کے بنیادی عناصر یہ تھے۔

عقائد: عقیدہ انسان کا تشخص ہے۔ گویا جب تشخص کی بات کی جائے تو بنیادی طور پر اس کا تعلق عقیدے سے ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں عقیدہ تشخص کی بنیاد ہے۔ چاہے وہ تشخص دو قومی ہو یا ایک قومی، وحدت کا ہو یا توحید کا، جو بھی عقیدہ ہے وہ تشخص کی بنیاد ہے۔ چنانچہ پہلی بات جو مسلمان تہذیب اپنے نصابوں میں پڑھتی تھی وہ عقائد تھے۔ دوسرا عنصر اکتساب ہنر تھا اور آج بھی مدارس میں دیکھیں کہ بعض جگہ ٹوپیاں بنانے، صندوق بنانے اور فرنیچر سازی کا اہتمام نظر آجاتا ہے یعنی افراد مذہبی ماحول میں کسی نہ کسی طور سے سما جانے کے علاوہ روزگار بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

تیسرا عنصر ادبیات پر مشتمل تھا۔ ادب دراصل علم کا خوبصورت حصہ ہے جو انسانی قدروں کو محفوظ رکھتا، انسانیت سکھاتا اور اس کے ساتھ ساتھ منطقی شعور عطا کرتا ہے۔ اس کے لیے آج کل LSM(Logical and Scientific Method) کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔

اسلام کا انسانی تاریخ اور علوم پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے استخراجی (Deductive) کی بجائے استقرائی (Inductive) منطق کو فروغ دیا۔ ان دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ استخراجی منطق معلومات کا دہرانا ہے جس میں صغریٰ کبریٰ ملا کر آپ کوئی بھی چیز نکال سکتے ہیں۔ اس میں بڑی چیز سے چھوٹی چیز کو نکالا جاتا ہے۔ اس سے علم میں اضافہ نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ نصاب میں الف آم اور الف انار لکھتے وقت یہ جاننا ضروری ہے کہ جس معاشرت کے لیے اسے مرتب کیا گیا ہے اس میں آم زیادہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے یا انار۔ یہ کوئی آسان بات نہیں۔ اسلام نے استقرائی طریقہ متعارف کرایا جس کے مطابق چھوٹی چیز سے بڑی چیز کی

Marfat.com

طرف جانا ممکن ہو جاتا ہے، یعنی ہم چھوٹے مشاہدے سے بڑے مشاہدے کی طرف جا سکتے ہیں۔ قران مجید کی جتنی سورتیں ہیں اس میں کچھ ۴۶/۴۷ سورتیں ایسی ہیں جن کا تعلق مشاہدۂ فطرت سے ہے جس پر اس سے پہلے قدغن تھی۔

چوتھا عنصر علوم کا تھا، جس میں سائنسی علوم اور اکتساب ہنر کے ساتھ ساتھ، مہارتیں، اور اخلاقیات شامل تھے اور اخلاقیات کو بڑی خوبصورتی سے نصاب میں سمویا گیا تھا۔ اکثر لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ گلستان اور بوستان بنیادی طور پر اخلاقیات کی کتابیں ہیں۔ اخلاقیات کو پڑھانے کے بہت سارے طریقے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ سیدھی سادی بات کہہ دی جائے کہ اچھی محفل میں بیٹھو بُری محفل میں مت بیٹھو۔ دوسرا طریقہ کسی بات کو شعر میں کہنے کا ہے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ تمثیل کی زبان میں بات کو سمجھایا جائے اور جب تمثیل اور شعر مل جائیں تو اس کی اثر پذیری میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔ شیخ سعدیؒ نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ جناب سعدی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اچھی محفل کا اثر اچھا ہوتا ہے۔ وہ تمثیل کا اسلوب اختیار کرتے ہیں اور شعر کی زبان۔ (شیخ سعدی دنیا کے بڑے دانش وروں میں سے ایک ہیں۔)

آخری اور سب سے اہم بات یہ کہ تمام عقائد، علوم، مہارتیں اور اخلاقیات سب کچھ اپنی جگہ پر اہم ہے لیکن مقصود بالذات علوم کی دو قسمیں ہیں۔ (بعض لوگوں نے سات قسمیں بیان کی ہیں، ۵۰ بھی ہو سکتی ہیں مگر) بنیادی طور پر اسلامی نقطہ نگاہ سے علوم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مقصود بالذات اور انہیں کسی قیمت پر قربان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ہر نصاب میں رہنے چاہییں۔ ان کے بغیر کوئی نصاب مکمل نہیں ہے۔ اور یہ علوم قرآن وحدیث اور فقہ ہیں۔ البتہ مسلکوں کی فقہ مقصود باالذات نہیں کیونکہ فقہ مسلک کا نام نہیں بلکہ سوچ کا نام ہے۔ من یرید اللّٰہ خیرا یفقہ فِی الدِّین۔ مسلک تو امتیازات ہیں اور امتیازات اس وقت اچھے لگتے ہیں جب وہ اکٹھے ہوں۔ جیسے گلدستے میں خوبصورتی اس وقت آتی ہے جب مختلف رنگوں کے پھول ایک جگہ ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ آلیہ علوم (فنی علوم) ہیں۔ ان میں زمانے کے ساتھ ساتھ تبدیلی آ سکتی ہے۔ لیکن آلیہ علوم (فنی علوم)

Marfat.com

کو اتنی اہمیت نہ دی جانی چاہیے کہ علوم بالذات پیچھے رہ جائیں۔ اگر ایسے حالات پیش آ جائیں کہ علوم بالذات یا آلیہ علوم (فنی علوم) میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہو تو مقصود بالذات علوم کو ہم قربان نہیں کریں گے۔

ہم یہ بحث اس لیے کر رہے ہیں کہ دینی مدارس کی حریت اور ان کی قوت کا اثر کسی نہ کسی جگہ محسوس کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ معاشرے کو متاثر کرنا ہر کہ ومہ کا کام نہیں۔ یہ مضبوط ذہنی اور نفسیاتی قویٰ کے حامل افراد کا کام ہے۔ ماضی میں ایسے موثر لوگوں کے خلاف یورپ میں ردعمل محسوس کیا جاتا رہا۔ مثلاً ۱۵۲۶ء کے لگ بھگ یورپ میں مسلمانوں کو متشدد اور جنونی (Fanatics) کہا گیا۔ اسی طرح ترکی سلطنت کے خلاف بھڑاس نکالنے کے لیے شکسپیئر نے اکثر ڈراموں میں مسلمانوں کے لیے غیر مہذب اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔ بربریت (Barbarism) کی اصطلاح بھی افریقی بربروں کے حوالے سے ہے جنھوں نے سپین کو فتح کیا تھا۔

سرد جنگ (cold war) کا لفظ سات سو سال پرانا ہے۔ یہ لفظ سب سے پہلے ہسپانیہ کے ایک دانشور نے استعمال کیا۔ اس وقت کی سرد جنگ مسلمانوں کے خلاف تھی۔ گویا یہ تصور سات سو سال تک مسلمانوں کے خلاف استعمال ہوتا رہا اور جب مسلمان مغلوب ہو گئے تو اس اصطلاح کو مسلمانوں سے ہٹا کر بالشویک انقلاب پر لاگو کر دیا گیا۔ یہاں بھی یہ لفظ ستر سال تک استعمال ہوتا رہا۔ جب سوویت یونین میں بالشویک حکومت کا خاتمہ ہو گیا تو اس وقت کے نیٹو (NATO) کے سیکرٹری جنرل ولی کلیئرز سے کسی صحافی نے پوچھا کہ نیٹو تو سوویت یونین کے خلاف قائم ہوئی تھی سو اب اس کے سقوط کے بعد اس کے باقی رہنے کا کیا جواز ہے تو اس نے جواب دیا کہ ابھی مسائل ختم نہیں ہوئے اور ان میں بنیاد پرستی کا مسئلہ سب سے اہم ہے۔ یہ دراصل Fanatics، Barbers اور Turks وغیرہ جیسی اصطلاحات کا تسلسل ہے جسے اس صدی میں نیا نام دیا گیا ہے تاکہ اسلام کے بنیادی ارکان کی بنیاد پر مسلمانوں کو تقسیم کیا جا سکے۔ آج ذرائع ابلاغ سے Islamic Fundamentalism غائب ہو گیا اور اس کی جگہ نیا لفظ Terrorism آ گیا

Marfat.com

ہے۔ بات وہی ہے، البتہ اس کی ضرورت اس لیے تھی کہ جو لفظ پچھلے ۲۰ برسوں میں ایک ہزار سال کے بعد عام ہوا تھا وہ انسانی یادداشت سے محو ہو جائے۔ دوسری جانب ایک اور لفظ جو پھر سے مسلمانوں کی یادداشت میں آ گیا ہے وہ جہاد کا لفظ ہے۔ یہ بھی اسی تسلسل کا حصہ ہے۔ لیکن اس سے بھی ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ مسائل سے چشم پوشی کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ دینی مدارس کے حوالے سے دیکھا جائے تو واضح ہے کہ فراستِ مومن اللہ کے نور سے دیکھنا ہے یعنی آپ کو اپنی سوچ، عقل، منصوبہ بندی، اتحاد، اطاعت سب سے کام لیتے ہوئے اس مسئلہ کو موقعے (opportunity) میں تبدیل کرنا چاہیے۔ یہ ایک موقع ہے جس کے لیے مختلف اطراف سے مالی وسائل بھی دستیاب ہو رہے ہیں۔ اس سے ہمیں اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ اسی کو قرآن کی زبان میں استدراک کہتے ہیں۔

البتہ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ مدارس اس مسئلہ کو موقعے میں کیسے تبدیل کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے لازم ہے کہ مدارس اپنی روایت کو جاری رکھیں کیونکہ ہمارے معاشرے میں یونیورسٹی کی روایت محض ڈیڑھ سو برس جبکہ دینی مدارس کی روایت چودہ پندرہ سو سال پرانی ہے۔ یہ وہ نظام ہے جو اچھے انسان اور اچھے امام یعنی لیڈر پیدا کرتا رہا ہے۔ (امام کے معنی لیڈر کے ہیں۔ محض نماز میں پانچ وقت کی امامت کرنے والے کے نہیں ہیں)۔ موجودہ وسائل کو غنیمت سمجھتے ہوئے انہیں اس یقین کے ساتھ استعمال کیا جائے کہ جن لوگوں کی نیت درست ہے کوئی ان کا راستہ نہیں روک سکتا۔ ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اچھے خاصے متمول گھرانے اپنے بچوں کو مدارس میں دینی تعلیم اور قرآن پڑھانا چاہتے ہیں لیکن مدارس کے پاس موزوں اور مناسب جگہ نہیں ہے۔ یعنی اس وقت مسئلہ طلب کا نہیں ہے رسد کا ہے۔ لہٰذا جتنے وسائل دستیاب ہیں ان کو فہم و فراست، تصور، ویژن اور خلوص سے خرچ کرنا چاہیے۔ اس طرح ایک وقت ایسا آئے گا کہ ثانوی نظام اصل نظام تعلیم بن جائے گا۔

میری آخری بات تہذیبوں کے تصادم کے حوالے سے ہے۔ مغرب اور اس سے متاثر لبرل

Marfat.com

عناصر اس پر اصرار کرتے نظر آتے ہیں کہ مغربیت کے بغیر ترقی ممکن نہیں ہے۔ تاہم مسلم معاشرے میں کچھ فقیروں اور درویشوں نے یہ ثابت کر دیا کہ ماڈرن ٹیکنالوجی مغربیت کے بغیر بھی استعمال ہو سکتی ہے، ہیلی کاپٹر ننگے سر کے ساتھ اور سر پر سفید پگڑی باندھ کر بھی چلایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ہوائی جہاز کی حفاظت سائیکل پر بیٹھ کر بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی کہ ٹیکنالوجی کا تعلق اقدار سے نہیں ہے بلکہ استعمال کرنے کی صلاحیت سے ہے۔ تہذیبوں کے ٹکراؤ کے اس تناظر میں نصاب سازی اور دینی مدارس، ایک بہت بڑی بحث ہے۔ ملک میں پائے جانے والے دس ہزار سے زیادہ مدارس اگر اپنے نظام اور روایت کے مطابق مربوط ہوں تو یہ ایک بہت بڑی قوت بن جائیں گے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب اپنی اپنی سطح پر تمام مدارس ایک راستے کا انتخاب کریں اور بین الوفاقی وحدت وادراک پیدا کریں۔ اس کی عملی صورت اس طرح ممکن ہے کہ ایک خاص سطح کے بعد تمام مدارس تمام علوم پڑھائیں، اور اس مرحلہ میں تمام فقہوں کی امہات الکتب پڑھائی جائیں۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ایک خاص حد تک سب کو ایک ہی نصاب پڑھایا جائے جو قرآن وحدیث کی بنیاد پر ہو۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۳﴾

ڈاکٹر رفیق احمد

سابق وائس چانسلر، جامعہ پنجاب-لاہور

مجموعی بحث کو سمیٹتے ہوئے میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج کی بحث میں پانچ اہم پہلو ابھر کر سامنے آئے ہیں جو یقیناً انتہائی توجہ طلب ہیں۔

اوّل یہ کہ دینی مدارس کی اہمیت روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اگرچہ یہ عمومی نظام تعلیم سے الگ ہیں مگر اس سے ان کی اہمیت وافادیت متاثر نہیں ہوتی۔

دوسری جانب پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 31 کے مطابق نظریہ پاکستان اور اسلامی نظریات کے تحفظ کی ذمّہ داری حکومت پر عاید ہوتی ہے، لیکن یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ ہمارے معاشرے اور سیاسی نظام میں آئین کا احترام دن بدن کم ہو رہا ہے۔ اس تناظر میں حالات خواہ جس قدر بھی نامساعد ہوں دینی مدارس سے وابستہ لوگوں پر اسلامی نظریہ حیات کی وکالت کی ذمّہ داری اتنی ہی بڑھ جاتی ہے۔

دوم: یہ کہ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ گیارہ ستمبر کے واقعے کے بعد انتہائی دلچسپ صورت حال پیدا ہوئی ہے جو مسلم دنیا کے حق میں بھی ہے اور ایک لحاظ سے اسکی مخالف بھی۔ موافق یوں کہ پورا مغرب اسلام کے بارے میں جاننے کے لیے بے تاب ہے۔ ایسی صورت میں اگر آپ متعلقہ

Marfat.com

مواد ایسے لوگوں کو فراہم نہیں کر سکے تو یہ ایک بڑے نقصان کے مترادف ہوگا۔ خود امریکی مسلمانوں نے بعض اچھی کتب اس دوران میں شائع کی ہیں۔ ان میں سے ایک اہم کتاب Understanding Islam ہے۔ یہ کتاب مخصوص امریکی انداز میں شائع کی گئی جو اس قدر مقبول ہوئی ہے کہ امریکہ کے تھوک کتب فروشوں کے ہاں اس کے کئی ایڈیشن فروخت ہو چکے ہیں۔ اس ضمن میں ضرورت اس بات کی ہے کہ جب ایسے موضوعات پر کتب تصنیف کی جائیں تو اس امر کو ملحوظ رکھیں کہ جدید عہد کے مسلمان خصوصاً وہ جو امریکہ میں حال ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں، اس مسئلے کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں دینی مدارس، جہالت کے خاتمے، تعلیم بالغاں، دیہی علاقوں میں تعلیم کے فروغ اور ابتدائی تعلیم جیسے مسائل کے حل میں بھی بڑا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

اس ضمن میں یہ احساس مناسب نہیں کہ دینی مدارس کو مرکزی دھارے سے الگ کر دیا گیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستان میں ناظرہ قرآن کریم پڑھنے والے افراد میں سے 39 فیصد نے دینی مدارس ہی سے پڑھا ہے اور اس وقت جو زیر تعلیم ہیں وہ اس گروہ کا 54 فیصد ہیں۔ یہ تو ہوئی دینی مدارس کی مقامی اہمیت، اسکی ایک بین لاقوامی اہمیت بھی ہے اور وہ یہ کہ ایک اندازے کے مطابق دینی مدارس میں کئی ہزار غیر ملکی طلبہ زیرِ تعلیم ہیں۔ تاہم آج کل غیر ملکی طلبہ کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اگر ان شکوک کا تدارک کیا جا سکے تو اس دائرے کو اور بھی وسعت دی جا سکتی ہے۔ نہیں بھولنا چاہیے کہ سرزمین پاکستان وسطی اور دوسرے ایشیائی مسلمانوں کے لیے خیالات وافکار کے منبع کی حیثیت رکھتا ہے۔ مثلاً علامہ اقبال اور مولانا مودودی جیسے مفکرین کی کتابیں ان ممالک میں پاکستان سے زیادہ پڑھی جاتی ہیں۔ بعض دیگر مفکرین بھی اس ضمن میں اہم حیثیت کے حامل ہیں۔ چنانچہ اپنے افکار کو پاکستان تک محدود نہ رکھیں بلکہ عالمی سطح پر ان کی ترویج کی کوشش جاری رکھیں۔

جہاں تک روزگار کا تعلق ہے عام تعلیمی اداروں کے فارغ التحصیل تو بیروزگار نظر آتے ہیں مگر دینی مدارس کا کوئی فارغ التحصیل آپ کو بے روزگار نہیں ملے گا۔ انہیں تعلیمی اداروں،

Marfat.com

ہسپتالوں، مساجد، حتیٰ کہ جیلوں میں بھی ملازمت مل جاتی ہے۔ اس وقت تک جو مردم شماری ہوئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دینی مدارس سے فارغ التحصیل افراد میں سے شاید ہی کوئی بے روزگار ہو۔ البتہ ایسے افراد کو تنخواہیں مقابلتاً کم ملتی ہیں۔ اس ضمن میں ہم حکومت سے یہ درخواست کریں گے کہ اگر روزگار کی فراہمی کے ضمن میں ان کے ذہن میں کوئی منصوبہ ہے تو دینی مدارس کے فارغ التحصیل افراد کو بھی اس سے استفادے کا موقع ملنا چاہیے۔ تاہم اس ساری بحث سے یہی ثابت ہوتا ہے یہ ادارے کسی بھی لحاظ سے کم اہم نہیں ہیں۔

سوم: ضرورت اس امر کی ہے کہ مدارس میں دائرہ تحقیق کو وسعت دی جائے۔ اس کے لیے آپ کو پہلے بنیادی ڈھانچہ درست کرنا ہوگا۔ اس ضمن میں دینی تعلیمی اداروں کا نصاب، انداز تدریس اور ڈگریوں وغیرہ کا نظام سب کچھ تجدید اور تقویت کا متقاضی ہے۔ اگر آپ یہ بنیاد فراہم کر سکے تو تحقیق کے میدان میں حقیقی پیش رفت ممکن ہوگی۔ میرے علم کے مطابق اس وقت دینی مدارس کے پانچ وفاق (Boards) موجود ہیں مثلاً وفاق المدارس، تنظیم المدارس، وفاق المدارس سلفیہ، وفاق المدارس شیعہ اور رابطہ المدارس اسلامیہ۔ مگر سارے وفاق ایک دوسرے کے ساتھ قطعی تعلق نہیں رکھتے (حالانکہ سب کا مقصد ایک ہی ہے)۔ چنانچہ ایک بین الوفاق ہائے مربوط نظام کی ضرورت ہے۔ اسی صورت میں مدارس اپنی ڈگریوں کو تسلیم کروا سکیں گے۔ مجھے یاد ہے کہ دینی مدارس کی عطا کردہ اسناد کا ایف اے اور بی اے کے ساتھ تقابل کرتے ہوئے ہم نے یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن کے ساتھ یہ طے کرا دیا تھا کہ کون سی سند کس ڈگری کے مساوی ہے مگر اب جبکہ اس کمیشن کی جگہ ہائر ایجوکیشن کمیشن نے لے لی ہے۔ یہ سندات ایک بار پھر سوالات کی زد میں ہیں۔ اس کمیشن کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ مدارس میں جدید علوم نہیں پڑھائے جاتے۔ لہٰذا مدارس کو اس امر پر توجہ دینی چاہیے اور مفید جدید علوم کو شامل نصاب کرنے سے ہچکچانا نہیں چاہیے۔ اسی صورت میں وہ اس الزام سے بری ہو سکیں گے کہ دینی مدارس نو آبادیاتی دور کی یادگار ہیں۔

اس ضمن میں ایک اہم ضرورت علامہ اقبال کے نقطہ نظر کو سمجھنے اور آگے بڑھانے کی ہے۔

Marfat.com

اقبال نے دینی مدارس کے مثبت کردار کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں اسلامی فکر کی تجدید کا ذریعہ قرار دیا ہے، کیونکہ ان ہی مدارس کے ذریعے اسلام کی روح نئی نسلوں تک منتقل ہوئی ہے۔ میں نے قدیم تاریخ کی روشنی میں دیکھا ہے کہ قرونِ وسطیٰ کے اسلامی مدارس کے نصاب میں فلکیات جیسے مضامین بھی پڑھائے جاتے تھے۔ آخر جدید وسائل تحقیق کی موجودگی کے باوجود آج یہ مضمون دینی تعلیمی اداروں کے نصاب میں کیوں شامل نہیں ہوسکتا۔ ایسی ہی خامیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے دینی مدارس کو عصری مسائل سے علیحدگی کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ لہٰذا دینی مدارس کو چاہیے کہ عصری اداروں کی سطح پر آئیں بلکہ آگے بڑھ کر ان کی قیادت کریں۔ یہ امر بجائے خود تحقیق کا ایک اہم موضوع بن سکتا ہے۔ گویا تحقیق کے نتیجے میں آپکو اپنی اپروچ بہتر بنانا چاہیے۔

مسائل اور دیگر مسالک اور مکتبہ ہائے فکر سے متعلق نکتہ نظر مثبت ہونا چاہیے تاکہ آپ دوسروں کو سمجھ کر ان سے متعلق کوئی رائے قائم کرسکیں (اور فتوے سنی سنائی پر مبنی نہ ہوں) اور یہ سب کچھ ہم اپنے اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے کرسکتے ہیں۔ عصری علوم اور ان سے متعلق مضامین میں بھی مکتب فکر کے فرق کی طرح فرق ہوتا ہے مگر اس سارے عمل میں ایک دوسرے کو سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً ہم کیمسٹری کے کسی نظریے کو محض اس لیے رد نہیں کردیتے کہ یہ فلاں امریکی سائنسدان نے پیش کیا ہے اور گویا امریکی تمام کے تمام مفاد پرست ہوتے ہیں لہٰذا اس کا نظریہ بھی غلط ہوگا۔ تحقیق میں یہ طرز عمل درست نہیں ہے۔ اگر بین المسالک رواداری کا ثبوت نہیں دیا گیا تو اسلامی قوتوں کے خلاف عدم رواداری کے پراپیگنڈے کو جواز مل جائے گا۔ حالانکہ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ یہ رویہ اسلام کو پوری طرح نہ سمجھنے کے باعث ہے۔

اسلام تو خود اور ہمیشہ سے رواداری، امن اور روشن خیالی کا دین ہے۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت العالمین تھے تو صرف مسلمانوں کے لیے نہ تھے۔ اسی طرح ہمارے عقیدے کے مطابق اللہ رازق ہے تو صرف مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔ گویا اسلام تو سب کی بھلائی چاہتا ہے۔ اس ضمن میں قائد اعظم اور علامہ اقبال کے افکار بھی ہمارے سامنے ہیں۔ جو صحیح اسلامی اپروچ کے

Marfat.com

آئینہ دار ہیں۔ اس طرح تحقیق، تدریس اور فکر تمام میدانوں میں روادارانہ اپروچ کو اپنانا تیسری اہم ترین ضرورت ہے، یعنی کو غیر مسلموں اور مستشرقین کا نکتہ نظر بھی سمجھنا چاہیے اور یہ خیال بھی رکھنا چاہیے کہ غیر مسلموں کے نقطہ نظر کو اس طرح سمجھیں کہ ان کے اعتراضات اور اشکالات کا موثر اور مدلل جواب دے سکیں۔

اس حوالے سے ایک اور اہم بات قابل توجہ ہے، وہ یہ کہ تمام دینی مدارس اور یونیورسٹیوں کے شعبہ ہائے اسلامیات میں علامہ اقبال کی معروف کتاب The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam کا مطالعہ لازمی قرار دیا جائے۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ دنیا بھر کے سینکڑوں عیسائی مذہبی اداروں میں یہ کتاب نصاب میں شامل ہے۔ وہاں نہ صرف اس کا مطالعہ ہوتا ہے بلکہ اس پر بحثیں ہوتی ہیں۔ البتہ وہ، یہ سب کچھ اپنے مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے کرتے ہیں۔ تاہم وہ جانتے ہیں کہ علامہ اقبال ایک وسعتِ نظر رکھنے والے مفکر تھے اور ان کے عہد میں شاید ہی کوئی دوسرا ان کے ہم پلہ ہو۔ خصوصاً اجتہاد سے متعلق علامہ کا تصور بہت جامع ہے خواہ کوئی اس سے متفق ہو یا نہیں۔

اس سیمینار میں معاشی، سماجی اور ثقافتی مسائل پر بھی بحث ہوئی ہے مگر میں ثقافتی مسئلے کو سب پر اولیت دیتا ہوں۔ یہ جو آج ہر طرف ڈانسرز اور گویے بڑی تعداد میں نظر آتے ہیں یا وہ لوگ جنہوں نے سٹیج اور ٹی وی ڈراموں کو ایک مخصوص چھاپ دے رکھی ہے، انہیں محض جہنمی قرار دے کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ علماء کو اس پر سنجیدگی سے غور و خوض کرنا ہوگا، اور جائزہ لینا ہوگا کہ جو رویے جنم لے رہے ہیں ان میں سے کس کو روکنا ہے اور کس کو پروان چڑھانا ہے۔ اس وقت تو یہ مسئلہ سب سے اہم ہے کہ نوجوان نسل اسلام پسندوں کے حلقہ اثر سے نکلی جا رہی ہے۔ چونکہ میں بھی آپ کی طرح نوجوانوں میں اٹھتا بیٹھتا ہوں۔ اس لیے میرا خدشہ محض واہمہ نہیں ہو سکتا۔

چہارم: علامہ صاحب نے فرمایا ''فقہاء کے استدلات کے مجموعے، جنہیں عام طور پر شریعت اسلامی کہا جاتا ہے، نظر ثانی کے محتاج ہیں۔ قرآن کریم اور حدیث کے وسیع اصول کی بنا پر

Marfat.com

فقہاء نے جو استدلال دیے ہیں ان میں سے اکثر اپنے عہد کے حالات کے مطابق تو درست ہوسکتے ہیں مگر آج کے حالات پر منطبق نہیں ہوتے۔ اگرچہ شیعہ مفسروں نے بعض اصولوں کی تشریح میں حیرت انگیز وسعتِ نظر سے کام لیا ہے تاہم جہاں تک میرا علم ہے (یہ اقبال کے الفاظ ہیں) شریعت اسلامی کی جو توضیح جناب ابوحنیفہ نے کی ہے ویسی کسی مفسر نے آج تک نہیں کی۔''

پنجم: قانونِ اسلامی کی جدید تفسیر کے لیے ایک بہت بڑے فقیہہ کی ضرورت ہے جس کے قویٰ عقلیہ اور متخیلہ کا پیمانہ اس قدر وسیع ہو کہ وہ مسلمات کی بنا پر قانونِ اسلامی کو نہ صرف ایک جدید پیرائے میں مرتب و منظم کر سکے بلکہ تخیل کے زور پر اصول کو ایسی وسعت دے سکے جو حال کے تمدنی تقاضوں کی تمام ممکن صورتوں پر حاوی ہو۔ یوں ایک اہم چیز جدید مسائل کی طرف توجہ دینا ہے۔ اگر اس کام کی اہمیت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام ایک سے زیادہ دماغوں کا ہے اور ایک سے زیادہ دماغ آپ یعنی علماء کرام ہیں۔

جان لیجیے کہ معاشیات، سیاسیات، سماجیات اور تعلیمات کے بارے میں بہت کچھ ضروری ہوسکتا ہے۔ مگر سیاسیات کی طرف مدارس نے بہت زیادہ توجہ نہیں دی۔ دنیا بھر میں اس وقت یہ مسئلہ درپیش ہے کہ جو حکومتیں برسر اقتدار ہیں وہ عوام کی نمائندہ نہیں۔ اسی وجہ سے سارے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ اس سلسلے میں علامہ اقبال نے بھی کہا اور ڈاکٹر جاوید اقبال اکثر بڑے متنازعہ بیانات دیتے رہتے ہیں جن سے اگرچہ میں متفق نہیں ہوں۔ لیکن ایک چیز جو انہوں نے بار بار کہی ہے کہ نظریہ ضرورت شریعت میں موجود ہے اور اسی سے حکمرانوں کو تقویت ملتی ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ قرآن نے یہ کہا ہے یا اسلام نے یہ کہا ہے لیکن ہمارے فقہاء کی ایک بڑی اکثریت اپنے زمانے میں جابر حکمرانوں کی تائید کرتی رہی ہے۔ اور ان کے اکثر اعمال اور افعال کو شرعی جواز فراہم کیا جاتا رہا ہے۔ میرے خیال میں سیاسیات کی طرف توجہ نہیں دی گئی بلکہ اسے شجر ممنوعہ قرار دے دیا گیا، براہِ مہربانی تحقیق کے موضوع پر اسے اہمیت دیجیے۔

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز میں بہت سی مجالس ہوتی رہتی ہیں۔ ان لوگوں کی معاونت

Marfat.com

سے جدید تحقیقی رجحان کو تقویت دی جاسکتی ہے۔ صحافت اور تحقیق کا تعلق اس امر کا متقاضی ہے کہ جو مشکل چیزیں ہیں ان کو آسان لفظوں میں، لیکن صحیح بیان کریں۔ البتہ کسی نظریے کو اپنی مرضی کا لباس پہنانے کی کوشش نہ کریں۔ آج بہت سے صحافی بغیر پڑھے ہوئے معاشیات پر ایسے ایسے مقالے لکھ دیتے ہیں کہ جن کے بارے میں عقل دنگ رہ جاتی ہے، لہٰذا باقی معاملات میں بھی صحافی حضرات کی تربیت کا انتظام کریں۔ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز بھی اس پر غور کر سکتا ہے کہ تربیتی ورکشاپ کا انتظام کرے جس میں عام طور پر صحافت کے لوگوں کو کم از کم یہ احساس دلایا جائے کہ جس موضوع پر قلم اٹھائیں براہِ مہربانی اس پر پوری تحقیق کر لیں اور اگر کوئی بات سمجھ نہیں آتی تو کسی صاحب علم سے پوچھ لیں۔ مجھے یقین کامل ہے کہ چاروں صوبائی صدر مقامات پر اس قسم کی مجالس ہوں گی اور ان کے حوالے سے جو کتاب شائع ہو گی وہ انشاءاللہ پہلا قدم ہو گا۔ ہمیں ابھی اس میں بہت آگے بڑھنا ہے۔ انشاءاللہ۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۴﴾

ڈاکٹر سرفراز نعیمی

مہتمم جامعہ نعیمیہ لاہور، سیکریٹری تنظیم المدارس پاکستان

الحمدلله و کفیٰ والصلوة والسلام علیٰ خاتم الانبیاء. امّا بعد!

دینی مدارس کے متعلق ملکی اور بین الاقوامی حوالے سے پیدا ہونے والے تأثرات کس حد تک درست ہیں۔ حقائق کیا ہیں اور پروپیگنڈا کیا ہے؟ وہ حضرات جن کا تعلق دینی مدارس سے رہا ہے یا کسی نہ کسی حوالے سے وہ گاہے بگاہے ان مدارس میں جاتے رہے ہیں انہیں اس حوالہ سے کچھ نہ کچھ معلومات ہیں لیکن جو حضرات واقف نہیں ہیں، ان کے لیے اختصاراً عرض کروں گا کہ دینی مدارس میں کون کون سے علوم زیرِ درس رہتے ہیں اور وہاں کا اندازِ تدریس و تعلیم کیا ہے!

اس وقت دنیا میں جو تہذیبی جنگ چل رہی ہے اس کے اہداف مختلف اوقات میں مختلف رہے ہیں۔ یہ اہداف آئندہ بھی بدلتے رہیں گے۔ ایک زمانہ تھا کہ مدارس کے طلبہ ان کے لیے بہترین افرادی قوت تھے، کیونکہ ان کی جدوجہد کو وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کر رہے تھے۔ لیکن آج ان کے وہ مقاصد پورے ہو چکے ہیں، اور انہیں خطرہ ہے کہ اب یہ ان کے نظریات کے خلاف بھی استعمال ہو سکتے ہیں، چنانچہ انہوں نے فوراً پینترا بدلا، اور اسی چیز کو جو ایک وقت میں ان کے ہاں بہترین تھی، انتہائی نقصان دہ قرار دینا شروع کر دیا۔ لہٰذا افغانستان کے اندر

Marfat.com

سویت یونین کا مسئلہ تھا تو یہی دینی مدارس امریکہ کو بہترین حلیف معلوم ہو رہے تھے، لیکن جونہی یہ مسئلہ ختم ہوا، اور وہاں کے خزانوں پر دسترس حاصل کرنے میں رکاوٹیں پیدا ہونا شروع ہوئیں تو امریکی پالیسی بدل گئی۔

مدارس کے بارے میں بحث کو سمجھنے کے لیے ایک پہلو یہ بھی ہے کہ تعلیم، دین اور دنیا کے بارے میں اسلامی نقطہ نگاہ کیا ہے اگر یہ نقطۂ ذہن میں موجود رہے تو اسلام اور دیگر مذاہب کا بنیادی فرق ہمارے ذہن میں واضح رہے گا۔ اسلام میں دین اور دنیا الگ الگ نہیں ہیں، دونوں بیک وقت اور ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (۲:۲۰۱)۔ (اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی)۔۔ یعنی ہم دنیا کی بھلائی پہلے طلب کرتے ہیں۔ اس لیے دینی تعلیم کے بارے میں دین اور دنیا کی کوئی تقسیم نہیں ہے۔ جبکہ یورپ میں، عیسائیت اور یہودیت کے ہاں یہ تقسیم موجود ہے، دین کے لیے احکامات اور ہیں اور دنیا کے لیے اور۔ وہ اسی پس منظر میں سوچتے ہیں جبکہ ہمارا پس منظر اس سے مختلف ہے۔ اس لیے دینی تعلیم کے بارے میں ایک بنیادی اختلاف رائے موجود ہونا فطری امر ہے۔

دینی مدارس میں کچھ علوم ایسے ہیں جو بنیادی حیثیت کے حامل ہیں اور کچھ علوم معاون ہیں جو بدلتے رہتے ہیں۔ بنیادی علوم میں صرف، نحو، علم حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، تفسیر، اصول تفسیر، علم بلاغت، اور علم میراث شامل ہیں، یہ بنیادی علوم ہیں۔ لہٰذا کبھی بدل نہیں سکتے کیوں کہ ان کا تعلق براہ راست قرآن اور حدیث کے ساتھ ہے۔ ان کے علاوہ اور مختلف علوم ہیں جو بدلتے رہتے ہیں، اور بدلے جا سکتے ہیں، مثلاً منطق، فلسفہ وغیرہ، آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ جو علوم عصری ہیں وہ ماضی میں بھی تھے اور آئندہ بھی رہیں گے۔ دینی مدارس نے اپنے کورس میں انہیں شامل کرنے سے کبھی اختلاف نہیں کیا۔ لیکن بہر حال کسی بھی شعبۂ زندگی میں تعلیم کا ایک مقصد اور متعین اہداف ہوتے ہیں۔ مثلاً میڈیکل، انجینئرنگ اور قانون کا نصاب یقیناً ایک دوسرے سے مختلف ہے، اس لیے کہ ہر ایک کے مقاصد الگ الگ ہیں۔

Marfat.com

دینی مدارس کے اصل مقاصد قرآن اور حدیث کی تعلیمات سے اپنے آپ کو منور اور آراستہ کرنا، اور اس کو قوم (امت) یعنی عالم اسلام تک اور ان کے ذریعے دنیا تک پہنچانا ہے۔ جہاد اس کی تعلیمات کا محض ایک جزو ہے۔ ان دینی مدارس میں تدریس کا طریقہ کار عمومی تعلیم کے اداروں کے طریقہ کار سے بالکل مختلف ہے۔ اس میں استاد بیٹھتے ہیں، کتاب سامنے ہوتی ہے، موضوع پر گفتگو ہوتی ہے، طلبہ اور استاد دونوں فریق تیار ہو کر آئے ہوتے ہیں، تفصیل سے مختلف منابع سے استفادہ کرتے ہوئے مسئلے کے بارے میں تمام ممکنہ امکانات اور صورتیں پیش کر دی جاتی ہیں۔ اگر طالب علم کے ذہن میں کوئی سوال پیدا ہو تو سبق کے آخر پر وہ سوالات کر کے اپنے ذہن کی تشفی کر لیتا ہے۔ اس کے بعد سبق کی تکرار کا ایک سلسلہ ہوتا ہے۔ تکرار کا یہ عمل سکول یا کالج میں آپ کو نہیں ملے گا۔ جو کچھ آپ نے پڑھا، یا استاد نے پڑھایا ہے اس کو دوپہر کے بعد دہرایا اور اس کا ملخص دوبارہ ذہن میں لایا جائے گا۔ اس کے بعد انفرادی مطالعے کا مرحلہ آتا ہے۔ مغرب یا عشاء کے بعد طلبہ پھر بیٹھتے ہیں، اور رات گئے تک جو پڑھا ہوتا ہے اس کو بھی یاد کرتے ہیں اور جو آئندہ پڑھنا ہے اس کو بھی دیکھتے ہیں۔ لہٰذا اس اعتبار سے یہ ایک ایسا نظام ہے جس کے نتیجے میں فرد کے دل و دماغ میں تفہیم، تدبر اور غور و فکر کی صلاحیتیں خود بخود پیدا ہونے لگتی ہیں۔ یہ تعلیم انسان کو معاملات سے متعلق سوالات کی صلاحیت اور ادراک عطا کرتی ہے۔ اس میں یہ امر بھی اہمیت کا حامل ہے کہ اخلاقی تعلیمات ماضی میں بھی شامل رہی ہیں اور آج بھی شامل ہیں۔

یہ تعلیمی نظام آج کا نہیں بلکہ آقا علیہ السلامؑ کے دور یعنی مقامِ صُفہ سے ہی رواں دواں رہا ہے۔ یوں اس کا صدیوں پرانا تاریخی پس منظر ہے جس کے اعتبار سے یہ قدم بہ قدم آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ دینی مدارس نے کبھی بھی عصری علوم سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ درحقیقت انگریزوں کی آمد سے قبل ہمارا نظامِ تعلیم دین اور دنیا دونوں کو لے کر چلتا رہا تھا۔ اس وقت تمام ایگزیکٹو اداروں کے مطلوبہ افراد بھی انہی مدارس سے فارغ ہو کر جاتے تھے۔ انگریز کی آمد کے بعد اس کی تقسیم ہوئی ہے، یوں دینی مدارس کے بارے میں یہ تاثر بالکل غلط ہے کہ یہ دنیاوی علوم کے مخالف ہیں۔

Marfat.com

جامعہ نعیمیہ میں ۱۹۹۲ء سے کمپیوٹر موجود ہیں۔ اس زمانے میں میاں نواز شریف صاحب وزیر اعظم تھے اور انہوں نے اس کا افتتاح کیا تھا۔ آج جامعہ نعیمیہ میں کمپیوٹرز کے حوالہ سے چار اور چھ ماہ کے مختلف کورسز کرائے جا رہے ہیں۔ کمپیوٹر کی تعلیم کوئی ایسی بات نہیں جس کو ہم متنازعہ مسئلہ بنا کر پیش کر سکیں۔ یہ تو ایسی سہولت ہے جو ہمیں ہر دینی مدرسے تک پہنچانی چاہیے کیونکہ دنیا گلوبلائز ہونے سے انتہائی مختصر ہو گئی ہے، بڑی بڑی کتابیں، انسائیکلو پیڈیاز ایک سی ڈی میں سما گئی ہیں۔ اس لیے یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو قابل بحث ہو۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ امریکہ اور یورپ کو دینی مدارس کو نشانہ بنانے کی ضرورت محسوس کیوں ہوئی؟ حالانکہ یہ ایک زمانے سے موجود ہیں۔ اس سے پہلے وہ اس طرف کیوں متوجہ نہیں ہوئے۔ اب وہ اس لیے متوجہ ہوئے ہیں کہ ان کے اہداف اور مقاصد مختلف ہو گئے ہیں۔ اب ان کا ہدف یہ ہے کہ اس وقت کی تہذیبی جنگ میں آڑے آنے والی قوتوں سے کس طرح نمٹا جائے۔ ان کے خیال میں ان کی راہ میں ایک بہت بڑی قوت اور رکاوٹ اسلام اور اسکی تعلیمات ہیں۔ وہ تعلیمات جو انسان کو جہاد، حریت اور شہادت کی راہ دکھاتی ہیں۔ اسی لیے انہیں دینی مدارس کے نصاب سے اچانک دلچسپی ہو گئی ہے تاکہ اس میں حسب ضرورت ترمیم کر کے ان کی دینی روح کو ختم کیا جا سکے۔ اصل پس منظر ہماری نگاہوں کے سامنے رہے گا تو آئندہ کے لیے لائحہ عمل یا ہدف طے کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

ہماری حکمت عملی یہ ہونی چاہیے کہ ہم ان حضرات کو جو دینی مدارس سے کماحقہٗ واقف نہیں ہیں، خاص طور پر ان حضرات کو، جن کا تعلق یورپ سے ہے اور جو وہاں بیٹھے ہوئے پالیسیاں بنا رہے ہیں اور مستقبل کے مقاصد طے کر رہے ہیں، دعوت دی جائے کہ وہ بذاتِ خود یہاں آئیں اور دیکھیں کہ یہاں کیا پڑھایا جا رہا ہے۔ آج سے چند سال پہلے امریکہ کی پاکستان میں سفیر چیمبرلین نے امریکہ واپسی سے قبل لاہور کے دورے کے دوران جامعہ نعیمیہ کا بھی دورہ کیا۔ انہوں نے سارا کا سارا مدرسہ دیکھا کہ طلبہ کس طرح پڑھ رہے ہیں، کس طرح حفظ کر رہے ہیں،

Marfat.com

کمپیوٹر لیب کا معائنہ کیا اور یہ بھی مشاہدہ کیا کہ چھوٹے چھوٹے بچے کس طرح قرآن کریم کو یاد کر رہے ہیں، یہ سب کچھ دیکھ کر وہ متاثر ہوئیں اور انہوں نے کہا کہ جو کچھ ہمیں بتایا جارہا تھا اور جو کچھ ہم نے دیکھا ہے یہ دونوں مختلف چیزیں ہیں۔ اس لیے جو لوگ دینی مدارس سے دلچسپی رکھتے ہیں ان سے میری درخواست ہے کہ وہ مدارس کا خود دورہ کریں۔

اصل چیز یہ ہے کہ ہم نے ملک میں مختلف قسم کی طبقاتی تعلیم شروع کر رکھی ہے۔ او لیول، اے لیول کے علاوہ کئی اور طرح کے سرکاری و نجی تعلیمی ادارے اور پھر این جی اوز اپنے الگ الگ نصابات پڑھا رہی ہیں۔ ان کا الحاق بھی الگ الگ ملکی و غیر ملکی یونیورسٹیوں سے ہے۔ ان میں فلپائن، ملائیشیا اور یورپ کے مختلف ممالک کی یونیورسٹیاں شامل ہیں۔ ان میں وہ یونیورسٹیاں بھی شامل ہیں جو یہاں صرف ایک چھوٹی سی بلڈنگ کے اندر قائم ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارا الحاق ایسی بیرونی یونیورسٹیوں کے ساتھ ہے۔ یہ ایک اندوہناک صورت حال ہے۔ خصوصاً اس حوالے سے کہ ہم نے اپنے ہی ایک ملک کے اندر عملی اعتبار سے کئی نظام نافذ کیے ہوئے ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے کہ ہم ان مختلف نظاموں کو کسی خاص درجے تک ایک ہی کر دیں تو یہ مثالی صورتحال ہوگی۔ مثال کے طور پر انٹرمیڈیٹ یا سیکنڈری ایجوکیشن تک ایک نظام ہو اور تمام تعلیم سکولوں، کالجوں اور دینی مدارس میں اسی نظام کے تحت اور یکساں ہو جائے۔ اس کے بعد جس نے جس پیشہ وارانہ میدان میں جانا ہو وہاں چلا جائے۔ اسی طرح ہمارے نظام تعلیم میں معیار بھی ایک ہوگا، گویا ملک میں یکساں نظام تعلیم بھی رائج ہو جائے گا اور یوں اس سے طبقاتی کشمکش بھی ختم ہو جائے گی۔

مدارس کے وفاقوں کے حوالے سے ہمارا ہدف یہ ہے کہ ان تمام تنظیمات کو تسلیم کیا جائے۔ جس طرح ماضی میں دینی مدارس اپنے اپنے مقام پر دین کے فروغ میں بغیر کسی باہر کی مداخلت کے اپنا کردار ادا کر رہے ہیں، اسی طریقے سے جاری رکھ سکیں۔ مخالفین کے اہداف بدلتے رہتے ہیں۔ ماضی میں اہداف کچھ اور تھے، آج کچھ اور ہیں اور آئندہ بھی بدلتے رہیں گے۔ لیکن ہمارا نظام تعلیم جس کا تعلق دورِ نبی کریمؐ سے ہے، نہیں بدلنا چاہیے۔ اسے ہر اعتبار سے یہ قائم و دائم ہی

Marfat.com

رہنا چاہیے۔ان مدارس کا اولین ہدف یہ ہے کہ اس سسٹم کو جہاں تک ہو سکے محفوظ رکھا جائے۔ہم دوسروں کے ہدف میں اپنے آپ کو شامل نہ کریں۔ہاں جہاں تک دونوں میں مطابقت پیدا ہو سکتی ہو،اس کی کوشش ضرور ہونی چاہیے،جس سے کہ بنیادی اسلامی علوم میں فرق نہ آنے پائے البتہ جو اضافی علوم اور معاون مضامین ہیں،ان میں تبدیلی آتی رہی ہے اور آتی رہے گی۔یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔

اس معاملے میں یہ دیکھنا بھی ضروری ہے،کہ حکومت کی اپنی پالیسی کیا ہے؟ خاص طور پر عالم اسلام اور پاکستان کے حوالے سے حکومت کیا چاہتی ہے۔عالم اسلام میں مشرق بعید سے لے کر افریقہ کے آخری علاقے تک کوئی اسلامی ملک آزاد نہیں ہے۔مقامی طور پر ممکن ہے کہ اپنی ثقافت کے اعتبار سے کوئی ملک آزاد ہو لیکن معیشت اور سیاست کے حوالے سے وہ آزاد نہیں ہے۔یہی صورت حال پاکستان کی ہے۔اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ایسی پالیسیاں بنائیں،اوران کے ایسے اہداف مقرر کریں،جس سے ہم اپنے ملک اور اس میں رہنے والے مسلمان بھائیوں اور اقلیتوں کو بھی تحفظ دے سکیں۔

اسلام نے جتنا تحفظ اقلیت کو دیا اتنا کسی اور مذہب نے نہیں دیا۔ان کی جان،مال،اور عصمت کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی مملکت پر عائد ہے۔اگر ایسا نظر نہیں آتا تو وہ اس وقت کی حکومت کا نقص ہے،دین کی خامی نہیں۔لیکن بہر حال اسلام کی تعلیمات اور انسانیت کے حوالے سے،جس طرح ایک مسلمان کی عزت محفوظ ہے اسی طرح اقلیتی گروہوں اور افراد کی عزت بھی محفوظ رہنی چاہیے۔ان کے معبد،اور چرچ،اسی طرح محترم ہیں جس طرح مسجد۔اس لیے اگر ہم اسلام کی تعلیمات اختیار کر لیں گے تو انشاءاللہ کوئی مسائل پیدا نہیں ہوں گے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۵﴾

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
سابق صدر شعبہ عربی، اورینٹل کالج۔لاہور

مجموعی طور پر ہمارے ملک کا تعلیمی نظام انحطاط کا شکار ہے۔اس میں دینی مدارس بھی شامل ہیں اور سرکاری بھی۔نظام تعلیم کی پسماندگی کے حوالے سے میں ایک مثال پیش کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے احساس تھا کہ کیمسٹری کے میدان میں ہم دنیا سے کوئی ساٹھ ستر سال پیچھے ہیں۔ایسے ہی احساس کی بدولت صورت حال کی بہتری کے لیے اکیڈیمک کونسل سے بات چیت چل رہی تھی۔ میں نے اس وقت کے ایک وائس چانسلر ڈاکٹر خیرات ابنِ رسا سے، جو خود بھی سائنس کے آدمی تھے، اس معاملے میں بات کی تو بولے کہ اس سے زیادہ تشویش تو دینی مدارس کے نصاب سے متعلق ہونی چاہیے جو تین چار سو سال پرانا ہے۔اس پر میں نے کہا کہ اس طرح تو پنجاب یونیورسٹی کا عربی اور اسلامیات کا نصاب بھی انگریزوں نے ترتیب دیا تھا جس میں ہمیں یہ احساس دلانے کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ ہمارے دین کی تو بنیاد ہی اختلاف اور فرقہ پرستی پر ہے۔

مثلاً المبرد کی کتاب الکامل کے باب الخوارج پر غور کیجیے۔اس کے ۵۹ ابواب میں سے پہلے ۹ ابواب بہت اہم ہیں، بالخصوص ان میں سے پہلا تو انتہائی شاندار اور جاندار ہے۔لٰہذا جناب مولانا عبدالرشید نعمانی کی تحقیق کے مطابق اگر ان ۹ ابواب کو کورس میں شامل کیا گیا ہوتا تو شاندار

Marfat.com

نتائج حاصل ہوتے۔ مولانا کی تحقیق کے مطابق ہمارے ہاں اعمال سے متعلق جس قدر کتب ہیں ان سب کا آغاز المورد کی الکامل کے حوالوں سے ہوتا ہے۔ اور ان کا انداز پیشکش یہ رہا ہے کہ نبی پاکؐ کی ایک حدیث لے کر اسے بیان کیا جاتا اور پھر استاد باقاعدہ اس پر حواشی تحریر کرتا۔ الکامل کا اندازِ پیشکش بھی یہی ہے مگر انگریزوں نے ان پہلے ابواب کو نظرانداز کر کے باب الخوارج نصاب میں شامل کیا ہے چنانچہ جیسے جیسے تعلیم کا سلسلہ آگے بڑھا، خوارج بھی پیدا ہوتے رہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہمیں اپنے نظامِ تعلیم پر غور کرنے کی ضرورت ہے مگر یہ انداز درست نہیں کہ ہم صرف دینی مدارس کے نصاب کی خامیاں گنوائیں۔ اگر وہاں خامیاں ہیں تو ہمارے ہاں عمومی تعلیم کے نظام میں بھی بے شمار خامیاں ہیں۔ گویا دونوں جگہ پر اصلاح کی ضرورت ہے۔ اس لیے دینی مدارس کو بھی اپنا محاذ چھوڑنا نہیں چاہیے۔ ان کے پروگرام کی خامیوں کے حوالے سے میں اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ایک بچہ اگر ۶ سے ۱۰ سال تک صبح و شام بلکہ دن رات ایک ادارے کے ماحول میں رہنے کے بعد اس قابل نہیں ہوتا کہ عربی کی کوئی بھی کتاب کہیں سے کھول کر پڑھ سکے اور اس پر عربی میں گفتگو بھی کر سکے، تو بات محلِ غور ہے۔

حالانکہ ایسے ماحول میں اسلامیات اور عربی زبان و ادب کو اولیت حاصل ہوتی ہے۔ ایک مثال کے ذریعے وضاحت کروں گا کہ ہندوستان میں اسلام کے پاسداران کے پاس ایک بڑا چیلنج زبان کا تھا مثلاً جب مغلوں کے آتے ہی عربی رخصت ہوئی اور فارسی سرکاری زبان ٹھہری تو ان اداروں کے پاس دو متبادلات تھے۔ فارسی کو اپنا کر سرکار دربار میں رسوخ حاصل کرتے یا عربی کو اپنا کر قرآن و سنت کی تعلیم کی ترویج کا فریضہ ادا کرتے اور میرا خیال ہے کہ موخرالذکر کا انتخاب کر کے علماء نے ایک کارنامہ سرانجام دیا۔ یہ یقیناً ایک بڑی قربانی تھی۔

اس وقت کے علماء نے فیصلہ کیا کہ وہ عام مسلمانوں کی راہنمائی کے لیے ایسے متخصص تیار کریں جو قرآن کریم اور حدیث نبویؐ کی روشنی میں زندگی کے حقائق تک پہنچ سکیں۔ اسی کو انہوں نے اپنی منزلِ مقصود قرار دیا۔ اس منزلِ مقصود کو ہم نے کہاں تک حاصل کیا اس کا اندازہ آپ کو اس

Marfat.com

سے ہوگا کہ آج اگر کسی متخصص کو، دیگر معارفِ علوم تو ایک طرف، قطعی بنیادی معارف یعنی قرآن یا حدیث کا کوئی اقتباس دے کر اس کی وضاحت کے لیے کہیں تو وہ نہیں کر پائے گا۔ آج کی اصطلاح میں آپ سنتے ہوں گے کہ ''آلی'' علوم ((آلہ/اوزار سے متعلق علوم) کا ذکر آیا ہے۔ گویا ''آلی'' علوم کا ایک سلسلہ تھا جن میں سب سے پہلا درجہ قواعد کا ہوتا تھا اس کے بعد وہ مضامین تھے جو آج فضول قرار دیے جا چکے ہیں ان میں یونان کا فلسفہ اور منطق شامل تھی۔ اسی طرح بلاغت، معنی، پھر عربی نثر اور عربی شاعری پر مشتمل درجات تھے۔ ان میں ہمارے علماء کو ایک عرصے تک پڑھنے کا موقعہ ملتا تھا۔ نتیجہ یہ کہ ان میں سے کوئی آدمی نحو میں کامل ہو جاتا تھا تو کوئی علم معنی میں کمال حاصل کر لیتا تھا۔ کسی نے علم میراث میں مقام پایا، کسی نے فلسفہ، فقہ اسلامی یا تفسیر اور حدیث میں بلند مرتبہ حاصل کیا۔ یہ صرف اس لیے ممکن ہوتا تھا کہ ان کے لیے درجات متعین تھے جس میں سے طلبہ کو اپنی منزل متعین کرنے میں آسانی ہوتی تھی۔ ہمارے ساتھ اس حوالے سے تین وارداتیں ہوئی ہیں۔

پہلی واردات اس وقت ہوئی جب یہاں انگریز آئے، اور انہوں نے ہمارا وہ نصاب تعلیم تبدیل کر دیا جس کا سلسلہ مدتوں سے چل رہا تھا۔ یہ سلسلہ اتنا بلند ہو گیا تھا کہ ہندو اور سکھ بھی مسجد کی سیڑھیوں پر آ کر بیٹھتے تھے اور وہ مولانا سے کہتے تھے کہ وہ انہیں حساب بھی پڑھائیں اور فارسی بھی سکھائیں، تا کہ فارسی پڑھ کر وہ اپنے دفتر میں بیٹھ سکیں۔ ہمارے اس علمی معیار سے انگریز خوفزدہ تھے، لہٰذا انہوں نے اسے ختم کر دیا اور اپنا نظام تعلیم شروع کیا مگر مسلمان اس کی طرف راغب نہیں ہوتے تھے۔ انگریزوں کو مشورہ دیا گیا کہ وہ اسلامیات کی تدریس کو نصاب میں شامل کریں۔ وہ سیکولر تعلیم کے قائل تھے لہٰذا متذبذب ہوئے تو مشورہ دیا گیا کہ عربی شامل کر دو۔ چنانچہ چھٹی جماعت سے اسے شروع کیا گیا اور یہ سلسلہ یونیورسٹی کی سطح تک پہنچا۔ یہیں سے عربی فکشن نے اسلامیات میں جگہ بنانا شروع کی۔

ہمارے ساتھ دوسری واردات پاکستان بننے کے بعد ہوئی جس کے باعث ہمارے علمائے کرام نے، عام مسلمانوں کے لیے (جو سرکاری مدارس میں پڑھتے تھے اور قرآن کریم کی زبان نہ

Marfat.com

جاننے کے باعث قرآن نہیں سمجھ سکتے تھے)، اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ادب تیار کیا۔ یعنی ''جنرل ریڈرز بکس'' اتنی مقدار میں تیار کر دی گئی تھیں کہ عام مسلمان کی راہنمائی کا سامان پیدا ہو گیا تھا ہم نے اس کو اکٹھا کر کے جنرل ریڈرز بکس کے اسپیشلسٹ بننے کی کوشش کی اور میں معذرت کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ جو اسلامیات کا نصاب ہے یہ وہی واردات ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

تیسری اور آخری واردات یہ ہوئی کہ دینی مدارس نے اس دلیل کی بنیاد پر کہ ایم اے اسلامیات والے اردو میں اسلام پڑھتے ہیں تو ہم کیوں نہ پڑھیں، اپنی کتابوں کے اردو میں ترجمے کر لیے ہیں۔ میں اس بات کا قائل ہوں کہ کوئی بھی فن بچے کو اپنی زبان میں بہتر طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ لہٰذا فقہ، منطق یا نحو یا اس قسم کی چیزیں جو فنون ہیں انہیں آپ شروع میں رکھیں۔ ہمارے علماء نے ایسا ہی رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے اردو اور فارسی میں کتابیں تصنیف کیں تو خود آپ چھوٹی چھوٹی فن کی چیزیں تصنیف کر کے اپنے بچوں کو پہلے سال میں پڑھا دیں یہ بڑی اچھی بات ہے لیکن علمی کتابوں مثلاً قدوری، نورالھضاء یا کنزالدقائق اور ہدایہ وغیرہ کو بھی آپ اردو میں پڑھانا شروع کر دیں تو پھر دینی مدارس بہت پستی میں چلے جائیں گے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ ایسا ہوا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اسی جگہ سے آغاز کریں جہاں سے ہمارے ساتھ اس واردات کا سلسلہ شروع ہوا تھا یعنی دینی مدارس میں رہ جانے والی کمی کو پورا کیا جائے۔ پہلی کمی میرے نزدیک یہ ہے کہ دینی مدارس کو خود اپنے نصاب پر عبور نہیں ہے۔ عربی زبان جاننے والے بہت کم لوگ ہیں۔ اگرچہ اب صورت حال بدل رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب یونیورسٹیوں میں ان لوگوں کو جانے کا موقع ملا ہے، بہت سے دینی مدارس میں میں نے دیکھا ہے کہ مدینہ یونیورسٹی، ریاض یونیورسٹی، خرطوم یا ازہر میں پڑھ کے آنے والے لوگ معیار کو بہتر بنا رہے ہیں۔ لیکن اس کو مزید بہتر بنانے کی ضرورت ہے تاکہ مدارس کم از کم اپنے مضمون میں تو کامل ہوں۔

Marfat.com

آج کی ضرورت یہ ہے کہ انگریزی اور جرمن بھی پڑھائیں۔ واضح رہے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک سال میں کوئی فرد کسی زبان میں ماہر ہو جائے۔ اگر انگریزی پڑھانی ہے تو جیسے ہی بچہ سکول میں داخل ہوتا ہے اس کے ساتھ اس کا آغاز کیا جائے کیونکہ ابتدائے عمر میں زبان سیکھنا آسان ہوتا ہے۔ عام مشاہدہ یہ ہے کہ ہمارے دینی مدارس کے لوگ جب اس میدان میں آتے ہیں، ان کی انگریزی کا خط اتنا کچا ہوتا ہے کہ بالکل چھٹی جماعت کے بچے کی لکھائی لگتی ہے۔ اس لیے تھوڑی تھوڑی چیزیں بتدریج پڑھائی جانی چاہییں۔ انگریزی، جرمن، فرنچ یا جو زبان بھی رکھی جائے اصل مواد پر توجہ مرکوز رہے اور یہ جدید زبانیں بھی بتدریج سکھائی جاتی رہیں۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ ہمارے دینی مدارس نے فارسی زبان چھوڑ دی ہے جس کی اہمیت وافادیت ہمیشہ سے مسلّم رہی ہے۔ حالانکہ فارسی ہماری دینی تاریخ کے ذرائع میں شامل ہے۔ ایک ہزار سال کے دوران کے سارے کے سارے ذرائع علم فارسی زبان میں ہیں اور ہمارے پاس ان کے جو تراجم یا ان پر مبنی تاریخ ہند ہے وہ قابل بھروسہ نہیں۔ چنانچہ جو کچھ مستشرق نے کیا ہے ہمارے اکثر دوست اس کی ہی جگالی کر رہے ہیں۔ لہٰذا حقیقی تحقیق فارسی جانے بغیر نہیں ہو سکتی ہے۔ دوسری جانب ہمارا فارسی ادب، شاعری اور فارسی نثر میں ایک حصہ ہے۔ اقبال کو ہم کیسے چھوڑ سکتے ہیں پھر یہ کہ ایران اور ہمارے دوسرے بھائیوں کی زبان بھی ہے۔ ایسی ساری چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے سرکاری مدارس کے لیے ایک مربوط نصاب ہونا چاہیے۔ اس مربوط نصاب میں ان تینوں چیزوں کو اس طریقے سے سمویا جائے کہ ہر چیز دوسری کے لیے مددگار ثابت ہو۔ اس میں فارسی اور اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ سب سے اہم عنصر عربی زبان پر توجہ دینی چاہیے کہ ان کے لیے ایک بنیاد بن جائے اور جو لوگ یونیورسٹیوں سے ماسٹر یا ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں لے کر نکلیں واقعی وہ اس قابل ہوں کہ اسلامی علوم اور عربی زبان پر قدرت رکھتے ہوں۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۶﴾

اوریا مقبول جان

نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن، کوئٹہ

[جناب اوریا مقبول جان کا یہ مقالہ اگرچہ بلوچستان کے خصوصی حالات اور رسم ورواج کے پس منظر میں مدارس کے کردار کو زیر بحث لاتا ہے تاہم یہ بحث محض بلوچستان ہی نہیں ملک کے دیگر بہت سے علاقوں سے بھی یکساں طور پر متعلق ہے۔]

بلوچستان کے کم آباد علاقوں میں بھی جہاں جہاں انسانی آبادی ہے وہاں مسجد ضرور موجود ہے۔ اس خطے کے حریت پسند قبائلیوں کو جنگ قدسیہ کے نتیجہ میں ایران کی فتح کے بعد یہاں داخل ہونے والے مجاہدین پسند آئے اور یہ بات افغانستان اور بلوچستان میں جو اس وقت ایرانی سلطنت کی قبائلی آبادی تصور ہوتے تھے، اسلامی تہذیب کی بنیاد ثابت ہوئی۔ گویا ان مجاہدین نے ایرانی سرزمین کے ساتھ ساتھ پختون اور بلوچ قبائل کے دل بھی فتح کر لیے۔ یہ قبائل دعوتِ اسلام کے رنگ میں ایسے رنگے گئے کہ پھر تاریخ شاہد ہے کہ بنگال کے سمندروں، حیدرآباد دکن کی پہاڑیوں راجستھان کے ریگستانوں اور پنجاب کے زرخیز میدانوں میں جو بھی اس دعوت کو لے کر آگے بڑھا اس کا نام ونسب، جائے سکونت اور آبائی وطن انہیں علاقوں سے تھا۔ کوئی غزنی سے گیا تو کوئی ہرات سے، کوئی قندھار سے نکلا تو کوئی ہلمند سے۔ مبلغ ہو یا صوفی، ملا ہو یا مدرّس سب اپنے

Marfat.com

اپنے رنگ میں اس دعوت کو لے کر آگے بڑھے اور ظاہر ہے اس راستے میں سب سے پہلا علاقہ اور پڑاؤ وہ جگہ تھی جسے ہم آج بلوچستان کہتے ہیں۔ کسی بڑے صوفی سلسلے کے آباؤ اجداد کے مزار ڈھونڈنے ہوں تو آپ کو بلوچستان آنا پڑے گا۔ ایک مثال کے طور پر چشتیہ سلسلے کے بانی مودود چشتی کے دادوں اور پردادوں کے مزار آج بھی پشین، کوئٹہ اور مستونگ میں موجود ہیں۔

جہاں یہ لوگ دعوت و تبلیغ کا کام سرانجام دیتے رہے وہاں انہوں نے مسلمانوں کی قدیم روایت، مسجد بحیثیت مکتب کا بھی آغاز کیا۔ باقاعدہ مدارس تو بہت بعد میں وجود میں آئے، لیکن مسجد میں مذہبی تعلیم اور ایسے لوگوں کی تیاری جاری رہی جو دور دراز لوگوں میں اسلام کا پیغام پورے شرحِ صدر کے ساتھ بیان کرنے والے ہوں۔ یوں یہاں سے لوگ کئی صدیوں تک ہر کوچے، محلے، گاؤں اور شہر میں جاتے، مسجدیں قائم کرتے اور اللہ کے دین کی تعلیم دیتے رہے۔

قبائلی معاشرہ برصغیر کے ان تمام معاشروں میں اس لیے بھی مختلف ہے کہ یہاں عزت و تکریم کا معیار کسی شخص کا پیشہ یا رزق کمانے کا ذریعہ نہیں ہوتا۔ بلکہ قبیلے میں ہونے کی وجہ سے ''سیالی'' یعنی ایک خون سے ہونا ہی قابل احترام ہوتا ہے اور ہر شخص، بلاتخصیصِ پیشہ، عزت کا برابر حقدار ہوتا ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں دوسرے فیوڈل معاشروں میں مولوی کی حیثیت ریونیو ریکارڈ میں غیر زمیندار یا غیر کاشتکار کے خانے میں درج ہوتی ہے۔ یعنی مولوی یا طالب ان کمّیوں کے زمرے میں آتا ہے جن سے لوہار ترکھان، موچی یا جولاہا وغیرہ آتے ہیں۔ یہی فرق ہے جو Agrarian اور Egalitarian معاشرے میں ہوتا ہے۔

یہ قبائلی معاشرہ جس کی اپنی رسوم، روایات اور اقدار اور اپنا ایک نظام انصاف تھا اور جن کا جرگہ فوری انصاف مہیا کرنے پر قادر تھا، جہاں جھوٹے گواہوں، عدالتی ہیر پھیر اور قانونی موشگافیوں کی کوئی حیثیت نہیں تھی، اسی معاشرے میں جب اسلام کی کرنیں پھوٹیں تو اس نے اسلام کے بہت سے اصولوں کو اپنایا اور یوں اس کے افراد اس نئے معاشرے کا حصہ بن گئے۔ جیسے مدتوں وہ اور ان کے اباؤ اجداد انہیں پر عمل درآمد کرتے رہے ہوں۔ اس ضمن میں سب سے

Marfat.com

اہم مثال پردہ کی ہے۔ اسلام سے قبل پشتون معاشرے میں پردہ کی کوئی مثال نہیں ملتی بلکہ آج بھی کسی حد تک خانہ بدوش قبائل جو پرانے رسوم سے بندھے ہوئے ہیں ان میں پردے کی سختی اس قدر نہیں ہے لیکن اسلام کے آنے کے بعد پورے پشتون معاشرے میں پردہ اور خواتین کے کردار کو گھر کی چاردیواری تک محدود کرنے کی روایت اس قدر پختہ ہو چکی ہے کہ شاید ہی وہ کسی کوشش سے ختم ہو سکے۔ عبادات کا اہتمام بھی قبائلی معاشرے کا اس قدر شدت سے جزو لاینفک بن گیا ہے کہ اگر کوئی نماز نہ پڑھے یا روزہ نہ رکھے تو اس کو یہ نہیں کہا جاتا کہ تم کیسے مسلمان ہو بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم پشتون ہو کر روزہ نہیں رکھتے یا نماز نہیں پڑھتے۔ عبادات کے اہتمام کا یہی عالم ہے کہ آپ ملک کے کسی حصے میں نماز کے لیے بس رکوائیں تو دیگر سواریاں آپ کو غیض وغضب سے دیکھ رہی ہوتی ہیں جبکہ یہاں نماز کے اہتمام کے لیے خود ڈرائیور گاڑی کو کسی مخصوص جگہ پر روک لیتا ہے۔

یوں ایک مدت تک یہاں با قاعدہ نصاب کے بغیر بھی دینی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ اساتذہ صاحب الرائے سمجھے جاتے اور ان کی رائے پر عمل کیا جاتا۔ یوں وہ اپنی عزت وتکریم کے باعث معاشرتی معاملات میں فیصلہ کن کردار ادا کرتے رہے۔ حتیٰ کہ قبائل کے درمیان خونریز لڑائیوں اور بیش بہا قتل کے بعد جب قبیلے فیصلے نہ کر پاتے تو پھر کسی صاحب احترام عالم دین یا مرشد کو بیچ میں ڈال کر صلح کروائی جاتی۔

انگریزوں کی آمد کے بعد امام مسجد (مولوی) کا کردار معاشرے سے ختم ہو کر مسجد کی چار دیواری میں محدود ہو گیا اور قبائلی سردار بعض سرکاری مراعات کے نتیجے میں حکومتی نمائندے بن گئے (جو براہِ راست یا بالواسطہ طور پر اس خطے میں انگریزی اقتدار کے تحفظ کا سبب بنے)۔ اس عملی تشنگی کے دور میں دیوبند نے یہاں سے لوگوں کو کشش کیا اور واپسی پر ان افراد نے اپنا گم شدہ رول دوبارہ سنبھالا۔ اس دوران قبائلی سرداروں کی گرفت کے نتیجے میں کاروکاری اور ونی جیسی مکروہات نے جنم لے لیا تھا۔ اس طرح علماء اور فیوڈل سرداروں کے مابین مناقشت کی بنیاد پڑی۔

Marfat.com

جب مولوی کا کردار دوبارہ پورے معاشرے پر چھاتا ہوا نظر آیا تو ان سب کو فکر لاحق ہو گئی۔ جنہوں نے اسے مسجد اور مدرسے تک محدود کر دیا تھا۔ آج اس کردار کو مزید محدود کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں اور نصاب تبدیل کرنے کے تذکرے ہیں۔ یہی وہ مرحلہ ہے جب ہمیں دیو بند کی مثال کی پیروی کرنی چاہیے جہاں مفتی نظام الدین سہالوی کے درس نظامی کو بدلتے ماحول کے مطابق تبدیل کیا گیا تھا تاکہ انگریز کے مقابل اپنے علماء کو تیار کر سکیں۔ آج اگر ہم نے خود کو امام غزالی کی سنت پر عمل کرتے ہوئے فلسفہ الحاد کی یلغار کو الہیات سے نہ روکا، اپنے نصاب کو بدلتے ہوئے حالات کے مطابق تبدیل کر کے اپنے علماء کو جدید آلاتِ جہد سے آشنا نہ کیا تو کوئی اور ہمیں اس طرح تبدیل کر دے گا کہ ہم یا تو تمسخر کا نشانہ بن جائیں گے یا پھر اتنے محدود ہو جائیں گے کہ ہمارا وجود تک عملاً ختم ہو جائے گا۔

دین کی یہ غیر رسمی تعلیم صدیوں چلتی رہی اور چونکہ اس کی بنیادیں اصل مآخذِ قرآن و احادیث پر تھیں اور علماء و مرشدین کی روحانی صلاحیتیں رہنمائی کر سکتی تھیں۔ اس لیے پورے بلوچستان میں آپ کو بہت کم فقہی اختلاف ملے گا۔ پشتون اور بلوچ معاشرے میں کسی کو تعارف کرانے کے لیے یہ نہیں کہنا پڑتا کہ وہ بریلوی، دیوبندی، یا اہل حدیث ہے۔ بلکہ ایک طرح کا اسلام پورے خطے میں جاری وساری ہے۔ مزاروں پر گنبد بھی تعمیر ہوتے ہیں لیکن وجہ نزاع نہیں بنتے۔ وہاں لوگ فاتحہ پڑھنے بھی آتے ہیں لیکن کبھی کسی مناظرے یا مجادلے کی نوبت نہیں آتی۔ فقہی عدم اختلاف بھی اس معاشرے میں علماء کی عزت وتکریم کا باعث بنا ہے۔

یہ معاشرہ اسی طرح رواں دواں تھا اور اپنی تمام تر خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ بحسن وخوبی چل رہا تھا کہ برصغیر میں انگریز کی آمد ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پوری ریاست قلات میں اسلامی اصولوں کے مطابق انصاف کرنے کے لیے قضاء کا محکمہ قائم تھا اور ہر علاقے میں قاضی مقرر تھے اور یہی علماء دین اپنی چھوٹی چھوٹی مساجد ومکاتب سے ایسے لوگوں کو تیار کرتے تھے جو امامت بھی کریں اور لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلے بھی کر سکیں۔ پورے برصغیر میں بھی اورنگ زیب

Marfat.com

عالمگیر کے بعد یہ منصب پڑھے لکھے صائب الرائے علماء کے ہاتھ میں رہا۔ لیکن انگریز کی عمل داری کے بعد سرکاری نوکری، کورٹ کچہری، فیصلے اور عدل سب کچھ ان لوگوں کے ہاتھ میں چلا گیا جو اس کے نافذ کردہ PPC، CPC، CRPC اور قانونِ شہادت سے واقف تھے۔ عام لوگوں کا رجحان اس طرف ہوا تو الناس علی دین ملوکھم کے مصداق مولوی کا کردار مسجد تک محدود ہو کر رہ گیا۔ اگر چہ کہ اس مسجد اور مکتب سے انگریز کے خلاف جدوجہد کی ایک لمبی تاریخ اور قربانیوں کی ایک لازوال داستان وابستہ ہے لیکن اس لمحے ایک اور طرح کی فکر دامن گیر ہوگئی۔ یعنی دو طرح کے مکتبِ فکر وجود میں آ گئے۔ ایک وہ جو انگریزی تعلیم حاصل کر کے آگے بڑھنا چاہتے تھے اور دوسرے جو اپنے اس بچے کھچے کردار کو جو مسجد تک محدود ہو گیا تھا بچائے رکھنا چاہتے تھے۔ ایسے میں دیوبند کا مدرسہ قائم ہوا جس کا چرچا پورے برصغیر میں ہوا۔

ادھر انگریز نے قبائلی سردار کو اپنے نظام کا حصہ بنا کر وہ کردار سونپ دیا جس سے وہ قدیم رسم ورواج اور انگریز کے قانون کے نتیجہ میں ملک میں در آنے والے ایک FCR کا حاکم مطلق بن گیا۔ جرگے کو شاہی جرگے کا نام دے دیا گیا اور فیصلوں سے مذہب کی چھاپ اتار کر قبائلی رسوم و رواج کی چھاپ لگا دی گئی۔ یوں بلوچستان میں بھی مولوی بیچارہ مسجد کی امامت تک ہی محدود ہو گیا۔ لیکن چونکہ اکثر رسم و رواج میں اسلام اس قدر رچ بس گیا تھا کہ نکالنا مشکل ہو گیا تھا اس لیے اس کی ضرورت پڑتی رہی۔

دیوبند کا چرچا ہوا تو یہاں سے جوق در جوق علماء تحصیل علم کے لیے وہاں روانہ ہونے لگے۔ اور پھر وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر وہ اس فکر میں لگ گئے کہ اس بچے کھچے کردار کو کیسے بچایا اور نبھایا جائے اور اتنی ساری مساجد کو صاحب علم امام کس طرح میسر آئیں۔ یوں اس پورے خطے میں دیوبند کی طرز اور اسی اصناف تعلیم کے مطابق مدرسے قائم ہونا شروع ہوئے۔ لیکن چونکہ یہاں مولوی کا رول ہمیشہ معاشرے کے ہر پہلو پر اثر انداز ہوتا رہا تھا اس لیے وہ مسجد تک محدود نہ رہ سکا بلکہ وہ سیاسی گرم بازاری میں بھی در آیا اور جہاد آزادی میں بھی اس کی ضرورت بار بار محسوس

Marfat.com

کی گئی کیونکہ وہ قبائلی معاشرے کا سب سے قابلِ احترام طبقہ رہا تھا۔

دوسری جانب اس معاشرے میں سردار کے مکمل غلبے نے ان قبائلی رسوم کو زندہ کر دیا جنہیں ایک طویل عرصے تک تھپکیاں دے کر سلایا گیا تھا۔ کاروکاری، سوارہ اور وِنی جیسی رسوم ذاتی مفادات حاصل کرنے کے لیے عام ہونے لگیں، مگر پھر بھی اس معاشرے کی اپنے حدود و قیود سے اور شہادت کے قائم کردہ صحیح معیار کی بدولت آگے نہ بڑھ سکیں۔ لیکن جوں جوں مذہب کا اثر کم ہوا اور انگریزی قانون کی بالادستی رکی، ان رسوم نے مستقل جگہ بنالی۔ اب مولوی مسجد تک محدود اور مکتب کے درس پر قانع ہو چکا تھا۔ مگر بقول اقبال اس راکھ کی چنگاریاں ایسی تھیں کہ کبھی بھی آگ سلگا سکتی تھی۔ یہی افغانستان میں ہوا۔ جب سب سردار اپنے مفادات کے زیر اثر یا تو روس کے حلقہ بگوش تھے یا کسی بہتر ملک میں پناہ گزین ہو چکے تھے، آزادی کی شمع اور شکل اسی مسجد و مکتب سے اٹھی۔ روس گیا تو ایک طویل عرصے کی خانہ جنگی کا آغاز ہوا۔ سکھ چین معاشرے سے ختم ہو گیا۔ ایسے میں لوگوں کی نظر بھی اسی ادارے کی طرف لوٹی جس کو وہ عزت و احترام سے دیکھتے رہے تھے۔ جب کمندان کے مقابلے میں طالبان اٹھے تو ۹۵ فیصد افغانستان بغیر کوئی بڑی جنگ لڑے ان کے زیر نگیں آ گیا۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿ ۷ ﴾

پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر

ماہرِ تعلیم، سیٹلائٹ ٹاؤن۔ کوئٹہ

[یہ تحریر پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر کے ایک طویل مقالے کا خلاصہ ہے جو انہوں نے کوئٹہ میں منعقدہ سیمینار میں پیش کیا تھا۔ مقالہ میں صوبہ بلوچستان میں تہذیب وثقافت کے ارتقا کو تاریخ کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ مصنف نے بلوچستان میں تعلیم کے موجودہ نظام اور مخصوص مذہبی وثقافتی روایات کی بنیادیں اس عہد میں تلاش کی ہیں جب یہ خطہ عہد بنو امیہ وبنو عباس میں مرکزی اسلامی مملکت کے زیرِ نگین تھا۔ انہوں نے اس علاقے کے افراد کے حریت پسندانہ رجحانات کو ان مسلمان فاتحین کے کردار کے اثرات کا نتیجہ قرار دیا ہے جو فتح ایران کے بعد ان علاقوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہی حریت انگریزی دور میں بلوچستان کے مخصوص رویوں سے بھی جھلکتی ہے۔ زیرِ نظر تلخیص مقالہ کے اس حصہ پر مشتمل ہے جس میں دینی تعلیم کے حوالہ سے موجودہ صورتحال کا جائزہ اور تجاویز پیش کی گئی ہیں۔]

بلوچستان پاکستان کا کم آبادی والا صوبہ ضرور ہے مگر ملکی معاملات اور قومی ترقی میں اس کا کردار بہت واضح ہے۔ صوبے کی آبادی سماجی لحاظ سے تین حصوں میں منقسم ہے۔ اول قبائلی علاقو ں کے لوگ، دوم صوبے کے براہوی زبان بولنے والے لوگ اور سوم پختون لوگ۔ تینوں طرح کے لوگ آپس میں پرامن طریقے سے مل جل کر رہتے ہیں، دینی تعلیم اور مذہبی رجحانات کے اعتبار سے پختون زیادہ سخت ہیں۔ تاہم دیگر دونوں گروہ بھی مذہبی اور روایت پسند ہیں۔

Marfat.com

یہاں بعض عصری تعلیمی ادارے قیام پاکستان سے پہلے ہی سے خاصی شہرت کے حامل رہے ہیں تاہم دینی مدارس کی تعداد اور عمومی تعلیمی منظرنامے میں ان مدارس کے رول کو نظرانداز کرنا ممکن نہیں۔ یہاں دینی مدارس کے موثر رول کی تاریخی بنیاد یہ ہے کہ یہ خطہ صدیوں تک (عہدِ اموی وعباسی سے ہی) مرکزی اسلامی مملکت کے زیرنگیں رہا ہے اور شاید برصغیر میں اسلام سے متعارف ہونے والا پہلا قطعۂ ارض ہے۔ خصوصاً مکران ساحلی علاقہ ہونے کے باعث عرب جہازرانوں کی ایک منزل رہا ہے۔ چنانچہ رسم ورواج میں یہ خطہ عربی ثقافت سے کافی متماثل نظر آتا ہے۔ یہاں باقاعدہ مدارس کے قیام سے قبل بھی بعض بزرگانِ دین کی ذاتی مساعی سے تبلیغ وارشاد کا سلسلہ صدیوں تک جاری رہا ہے۔ یہ صورتِ حال اس صوبے میں ایک مضبوط اور مربوط نظامِ مدارس کے قیام کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

بلوچستان میں تعلیمی ترقی (ایک مختصر جائزہ)

جب انگریزوں کو بلوچستان کی فوجی اہمیت کا احساس ہوا تو انہوں نے شروع شروع میں چند علاقوں پر قبضہ جمالیا۔ بعد میں اس سارے علاقے پر اپنی گرفت مضبوط کر کے ترقیاتی کاموں میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ بہرحال انگریزوں سے پہلے (کوئٹہ ڈسٹرکٹ گزیٹیئر، ص ۲۸۶) اور انگریزوں کے ابتدائی زمانے میں اس خطے کی تعلیم ''ملاؤں'' (مُلّا کا لفظ فارسی میں اب بھی علمی صلاحیت اور وقار کی علامت اور بعض صورتوں میں ڈاکٹر اور علامہ کے مترادف ہے) کے ہاتھ میں تھی جو مکاتب میں عربی وفارسی کی تعلیم دیتے تھے۔ مکتبوں کا یہ نظام مسجدوں میں قائم تھا۔ اساتذہ کسی قسم کا معاوضہ وصول نہیں کرتے تھے بلکہ زکوٰۃ (جو زمین کی پیداوار اور پالتو جانوروں پر مشتمل تھی) خیرات اور بیاہ شادی کے نذرانے اس نظام تعلیم کو چلانے میں معاون تھے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں جو سروے کیا گیا، اس کے مطابق سارے علاقے (کوئٹہ ڈویژن) میں اس وقت دو تین سو کے قریب ایسی مسجدیں تھیں، جن میں درس وتدریس کا کام انجام پا رہا تھا۔ ۱۹۰۳ء میں ان مسجدوں کے تمام

Marfat.com

طلبہ کی تعداد نو سو اور طالبات کی تعداد نوے کے لگ بھگ تھی۔ اسی طرح قلات ڈویژن میں بھی صرف مسجدوں کے اندر محدود پیمانے پر مکتبوں کے نظام تعلیم کے مروج ہونے کا پتا چلتا ہے۔

برطانوی حکمرانوں نے اس علاقے میں اپنی گرفت مضبوط کر لی تو اپنی فوجی اور نوآبادیاتی مصلحتوں کے پیش نظر سکولوں کا نظام رائج کیا۔ تاہم اپنے دور اقتدار میں کوئٹہ ڈویژن کے وسیع وعریض علاقے کے اندر سکولوں کی تعداد نوّے سے نہ بڑھائی۔

پروفیسر انور رومان نے اپنے مضمون ''مکتب اور تعلیم مکتب'' (بلوچستان ایجوکیشنل جرنل، کوئٹہ جلد ۲، شمارہ ۲، جون ۱۹۸۶ء، ص ۱۷ تا ۲۲) میں جو جائزہ پیش کیا تھا اس کے بعض اقتباسات درج ذیل ہیں: ان دونوں طریقہ ہائے تعلیم کے درمیان جو بُعد القطبین موجود ہے اسے سمجھنا ہو تو مکتب کی ماہیت سمجھنا ضروری ہے۔ اس ماہیت کے مندرجہ ذیل عناصر خصوصی توجہ کے مستحق ہیں:

۱- مکتب مسجد کے ساتھ ہی وجود میں آجاتا ہے بالکل ایسے ہی جیسے مسجد نبوی کے ساتھ مدرسہ صفہ نمودار ہو گیا تھا اور چونکہ مسجد سازی اور مسجد داری امت مسلمہ کے ہاں ایک مسلسل رضا کارانہ، خوشدلانہ اور ذوقی سرگرمی ہے اور ان کی تعداد میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا رہا ہے۔ لہٰذا مکاتب کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی ہے [کیونکہ بہت سی مساجد باقاعدہ مکتب کا کام بھی دیتی ہیں]۔

۲- چونکہ مسجد خالصتاً مقامی آبادی کی مذہبی حس اور جذبہ ملّی کا نتیجہ ہوتی ہے اس لیے پوری کمیونٹی اس کی تعمیر و مرمت، تزئین و آرائش اور تقویم و تنظیم کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ وہ پیش امام کی گھریلو ضروریات کی کفالت کے علاوہ راہ گیروں یا ابناء السبیل کی خدمت کا ذمہ بھی لیتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ پارے اور قرآن حکیم یعنی درس و تدریس کا مواد بھی مہیا کرتی ہے گویا مکتب سراسر کمیونٹی کے وسائل پر چلتا ہے اور اس کی وجہ سے قومی خزانے پر معمولی سا بوجھ بھی نہیں پڑتا اور والدین پر بھی کوئی بار نہیں۔

۳- مکتب کا نصاب نہ پیچیدہ ہوتا ہے نہ تغیر پذیر اور نہ جابجا مختلف۔ یہ صدیوں سے تمام مکاتب میں ایک ہی جیسا چلا آ رہا ہے۔ یعنی ناظرہ قرآن و حفظ لہٰذا یہ ہنگامی تبدیلیوں سے محفوظ ہے۔

Marfat.com

۴- مکتب کے اوقات کمیونٹی کے نظام الاوقات سے متصادم نہیں ہوتے۔ان میں نماز فجر کے بعد پڑھائی شروع ہوتی ہے۔ جب بڑے بھی تسبیح و تمجید میں مصروف ہوتے ہیں اور چھوٹے بھی اپنا سبق پڑھتے ہیں۔ایسے ہی صبح کا وقت کائنات کی تخلیق کا وقت ہےاور پرند و چرند اور حیوان و انسان رات کی نیند کے بعد تازہ دم ہوکر اٹھتے ہیں۔اور اپنے اپنے معمولات کی ابتداء اپنے خالق و رازق کی حمد وثنا سے کرتے ہیں لہٰذا مکتب کی تعلیم کمیونٹی کے مشاغل میں دخل انداز نہیں ہوتی اور تقاضائے مخلوقیت کے مطابق چلتی ہے۔

۵- مکتب کی تعلیم چند بنیادی تصورات پر استوار ہے جو ہماری ثقافت کے پیل پائے ہیں مثلاً بزرگوں کا احترام مصیبت زدوں کی دلداری، حیوانات کی نگہداشت وغیرہ اس میں شامل ہیں لہٰذا مکتبی تعلیم ہماری ثقافتی روایت واقدار کے ساتھ ہم آہنگ ہےاوران کی یہ آشتی ازل تا ابد قائم ہے۔

۶- مکتبی تعلیم نہ احساس برتری پیدا کرتی ہےاور نہ احساس کمتری۔ یہ نہ موروثی پیشوں سے متنفر کرتی ہےاور نہ نئے پیشے اپنانے سے روکتی ہے۔ یہ ماحول گریزی سکھاتی ہے نہ ماحول پرستی، یہ احساس پر نہ کوئی ریت رواج ٹھونستی ہےاور نہ رائج الوقت انداز حیات سے بغاوت پر آمادہ کرتی ہے۔مختصراً یہ انسان کو متوازن، معتدل اور کار پسند بناتی ہےاور اسے حق انتخاب دینے کے باوجود لوگ معاشرے سے بیگانہ نہیں بننے دیتی۔

۷- یہ انسان کو خدا خوفی اور انسان دوستی سکھاتی ہے اور یوں اسے بے شمار اخلاقی برائیوں اور معاشرتی جرائم سے روکتی ہے۔

۸- یہ لازمی ہی نہیں بلکہ رضاکارانہ، لامحدود اور عالمگیر بھی ہے۔ یہ کسی ایک طبقے کے لیے مخصوص نہیں بلکہ اس کے اسباق واثمار سبھی کے لیے ہیں۔

۹- رہنمائی اور مشاورت اس کا لازمی حصہ ہی نہیں بلکہ خاصہ ہے۔

۱۰- یہ انسان کو شرافت، وفاداری، دوست داری، ہمسایہ پروری، سادگی، حب الوطنی اور دیگر

Marfat.com

اخلاقی اقدار سکھاتی ہے۔

۱۱- یہ معاشرے کے قیام و تسلسل میں بے حد مدد و معاون ہے اور شرحِ خواندگی میں اضافے کی ضامن ہے۔

۱۲- یہ اپنی سطح پر مخلوط تعلیم کو تسلیم کرتی ہے اور اسے عملاً نافذ کرتی ہے۔

۱۳- یہ شہر اور دیہات میں یکساں طور پر کارگر ہے اور وابستۂ شہر یا دیہات گریز نہیں۔

۱۴- اس میں ڈراپ آؤٹ جیسا گھمبیر مسئلہ سرے سے موجود نہیں۔

موجودہ نام نہاد علماء اور ماہرین تعلیم اگر اپنے جذبات یا طبقاتی مفادات کو ایک طرف رکھ کر مکتبی تعلیم اور سکولنگ کا تقابلی مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ سکولنگ ان میں سے بہت سے محاسن سے عاری ہے اور ان متعدد مصائب کا پلندہ ہے جو ان محاسن کی ضد ہیں یا ان کے فقدان سے پیدا ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سکولنگ کے مبینہ محاسن صرف تعلیم یافتہ افراد کے اختیار و اقتدار یا ان کی خوش فہمی کا کرشمہ ہیں اور بس!

دردستِ روزگار گل آرزوئے من
زاں گونہ شد خراب کہ بو ہم نمے دہد

(میری آرزوؤں کے پھول ستم ہائے روزگار کے ہاتھوں یوں خراب ہوئے کہ ان سے خوشبو چھن گئی)

ارباب اختیار یہ کہتے ہیں کہ مکتبی تعلیم دقیانوسی، لکیر کی فقیر، جدت دشمن اور ندرت سے نا آشنا ہے لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ سکولنگ بھی انہی عیوب کا شکار ہے۔

تہذیب و تمدن یا علم و فضل انسان کے عدم اطمینان اور اضطراب سے آگے بڑھتے ہیں۔ لیکن کیسا اضطراب؟ کون سا اضطراب؟ ایک تو وہ اضطراب ہے جو ہمیں اپنے ذاتی و جماعتی وقار کے لیے انگاروں پر لوٹاتا ہے اور دوسرا وہ اضطراب ہے جو فکری و علمی ہے اور معاشرتی و ملکی وسائل پر مسلسل مرکوز رہتا ہے اور اصلاحات و ایجادات و انقلابات کا موجب بنتا ہے۔ اگر یہ درست ہے

Marfat.com

کہ مکتبی تعلیم دوسری قسم کے مقدس اضطراب سے محروم ہے تو یہ بھی درست ہے کہ سکولنگ بھی اس ذوق جنون سے عاری ہے۔اس میں بھی کوئی اُپچ کوئی تازہ آفرینی، کوئی آدم گری، کوئی ایجادی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی اسی لیے ہم اس کے باوجود علمیات وفنیات میں یورپ کے ہی ریزہ چیں، دست نگر اور مقلد ہیں پاکستان کے عظیم دانشور جناب اے کے بروہی نے فرمایا ''مغربی تہذیب وتمدن کی یلغار اتنی شدید ہے کہ لندن اور واشنگٹن ہمارا تہذیبی مکہ اور مدینہ بنتے جارہے ہیں''۔اور سید ضمیر جعفری جیسے زندہ دل لیکن کہنہ مشق شاعر نے کہا۔

ہم رزق میں تو چلیے غریب الدیار تھے
فکر و خیال میں بھی اسیر الاسیر ہیں

اب رہی بات ذاتی و جماعتی اضطراب کی جو زیادہ تر منفی، استحصالی اور تخریبی عنصر ہے،تو یہ دونوں ہی میں موجود ہیں البتہ مکتب میں کم اور سکول میں زیادہ ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مکتب اپنے محاسن وخواص کی بدولت سکول سے کہیں زیادہ نتیجہ خیز اور امکان پرور معلوم ہوتا ہے۔

لیکن مکتب سکول کے مقابلے پر کتنا بھی بہتر سہی اپنی جگہ نہ اپنی اصل کا صحیح جانشین ہے اور نہ ہی کسی مستقبل کی صدف! یہ کہہ دینا کہ مکتب ایسے ہی بے ذوق وثمر ہیں جیسے سکول، مکتب کی افادیت یا امکانیت یا فوقیت کا کوئی ثبوت نہیں ایک تعلیمی ادارے کی اٹل پہچان یہ ہے کہ وہ نونہالانِ ملت کے تخلیقی جوہر کی کسی حد تک پرورش اور نگہداشت کر سکتا ہے اور کس طرح ان کے تخریبی میلانات کو تعمیری نہج پر ڈال سکتا ہے۔ظاہر ہے کہ خیر اور دردل کو من حیث الخیر منظر عام پر لانا اور اسے آگے بڑھانا اور رشتہ داروں کو خیر کی پیش رفت پر مامور کرنا آسان کام نہیں۔ بلکہ شاید انسانی تہذیب وتمدن کا مشکل ترین کام ہے اور یہ کام اساتذہ کے سپرد ہوتا ہے۔کیا مکتب کے اساتذہ اس سے عہدہ برآ ہونے کے اہل ہیں؟ کیا وہ استاد بننے سے پہلے امام غزالی جیسے شاگرد رہے ہیں؟

نئے علوم وفنون تو رہے ایک طرف درس نظامی جو خود قدامت پسند ہے وہ بھی ان کی دسترس سے باہر ہے۔

Marfat.com

اگر ہم قرآن وحدیث کو واقعی مانتے ہیں اور خدا اور رسول کی اطاعت کے دعوؤں میں سچے ہیں اور اگر ہمیں بحیثیت مسلمان زندہ رہنا اور عالمی قیادت کا علم تھامنا ہے تو ہمیں اپنے نصاب کو وقت گیر اور مستقبل نما بنانا ہوگا اور اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ اپنے اساتذہ کو یکسر بدلنا ہوگا یعنی تربیت وتدریب کے ذریعے اور ترغیب وتشویق کے ذریعے ان کی کایا پلٹنا اور قلب ماہیت کرنا ہوگی۔ تبھی ان کے ہاتھوں میں ہماری نوخیز نسلیں محفوظ ہوں گی۔

میں اپنا یہ مضمونچہ ایک سکھ حکمران مہاراجہ جگ جیت سنگھ کے ایک واقعے پر ختم کر رہا ہوں۔ مہاراجہ نے اپنی ریاست میں ایک عالیشان مسجد تعمیر کروائی تھی جس کے لیے وہ ایک عرب مؤذن اور ایک مشہور عالم بطور امام لائے تھے۔ ایک روزِ جمعہ وہ اپنے مسلمان وزیر اعظم دیوان عبدالحمید کے ہمراہ مسجد میں تشریف لے گئے۔ ابھی سیڑھیاں چڑھے ہی تھے کہ امام صاحب نے خطبہ کے دوران انہیں دیکھ لیا اور فوراً منبر چھوڑ چھاڑ کر مہاراجہ کی طرف بھاگے اور تعظیماً ان کے سامنے جھک گئے۔ مہاراجہ نے انہیں سیدھا کیا اور کہا کہ افسوس ہے کہ آپ مجھ جیسے ناکار کے لیے دربار خداوندی چھوڑ آئے۔ آپ تو میری مسلمان رعایا کو غلام ابن غلام بنا دیں گے۔ نمازِ جمعہ تو آپ پوری کر لیں اور پھر فوراً میری سٹیٹ کی حدود سے نکل جائیں۔ اس کے بعد وہ مولانا محمد جعفر پھلواری شریف کو بطور امام لائے جن کا لحن داؤدی انسان تو انسان پرند چرند کو بھی رقت زدہ کر دیتا تھا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ یہ کہ مولانا اسلام کے بے باک، انتھک اور نڈر ترجمان تھے۔ وہ مہاراجہ کی حکومت پر تنقید کے کوڑے برساتے تھے اور اس کی کوتاہیوں اور غلطیوں کو کھلے بندوں فاش کرتے تھے اور مہاراجہ آئے دن رپورٹوں کے باوجود مولانا کو کبھی نہیں ٹوکتے تھے اور کہتے تھے کہ مولانا قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح میں بالکل آزاد اور میری حکومت کے ہر قول وفعل اور اقدام وانتظام کو اس کسوٹی پر کھنے کے پوری طرح مجاز ہیں۔ کیا آج مسلمان علماء یہ طرزِ عمل اختیار کرنے اور آج کی مسلمان حکومت اس طرح کا حقِ تنقید کسی کو بھی دینے کے لیے تیار ہے؟ مکتب ومدارس کے کردار کی بحث میں یہ ایک تکلیف دہ مگر اہم سوال ہے۔

Marfat.com

﴿۸﴾

ڈاکٹر مولانا عطاء الرحمٰن

کوئٹہ۔بلوچستان

مدارس عربیہ کا مقصد، اس کے حصول میں ان کی کامیابی اور ناکامی کے اسباب، مستقبل کے اہداف، ان تک پہنچنے کے طریقے، اور لائحہ عمل کے عملی نمونے کے جائزے سے ایک معیاری نظام تعلیم و تعلم کا نقشہ کیا ہوسکتا ہے جس میں امت کی تعلیمی ضرورت اور بنیادی مسائل کا حل موجود ہو، اس ضمن میں چند بنیادی سوال محلِ نظر رہنے چاہییں:

- درس نظامی کے مدارس کے اہداف کیا تھے اور ان میں آج کیا کمی اور کیوں واقع ہوگئی ہے؟
- ہمارے ہاں کتنے قسم کے تعلیمی ادارے ہیں ان کے اہداف کیا ہیں، ان میں کیا کمی موجود ہے اور کیا کوئی ایسے ادارے موجود ہیں جو اب بھی ان اہداف کے مطابق کماحقہٗ فریضہ انجام دے رہے ہیں اور ان کی مساعی کے کیا نتائج مرتب ہو رہے ہیں؟
- ایک معیاری تعلیمی ادارہ کیسا ہو؟ اس کے اہداف کیا ہوں؟ مقصد کے حصول کے لیے پروگرام کیسے ترتیب دیا جائے؟ نصاب کی تشکیل کیسے اور کیا ہو؟ طلباء کیسے ہوں؟ اساتذہ کی صلاحیت، تربیت اور ان کا مقام کیسے متعین ہو اور ماحول کی خصوصی تشکیل سے مرتب ہونے والے اثرات کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟ اور نصاب مدارس کی جدید بنیادوں پر تشکیل نو کیسے کی جائے؟

نوٹ: موجودہ تحریر رابطۃ المدارس کے تاسیسی اجلاس میں بھجوائی گئی ایک رپورٹ اور اسی بنیاد پر قومی کمیشن برائے انسانی ترقی (NCHD) کو بھجوائی گئی عملی تجویز سے ماخوذ ہے۔

Marfat.com

- سارے لائحہ عمل کی تشکیل جس میں مندرجہ ذیل امور ملحوظ خاطر رہیں، کیسے ہو؟

الف۔ فکری اور علمی بنیادوں پر نئے نظام کی وضاحت

ب۔ عملی کارروائی کے لیے مرحلہ وار لائحہ عمل

آئندہ صفحات میں ان ہی سوالات کا جواب پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تعارف: انسان اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوگا جب تک وہ اپنی صلاحیت کے مطابق زمین پر اپنے اردگرد جنت تشکیل نہ دے دے۔ انسانیت کی ترقی اور تعمیر کا انحصار ایک انسان کی اپنی صلاحیت، صحت اور وسائل میں ترقی اور تعمیر پر ہے۔ انسانیت کو ترقی دینے کا سب سے بڑا ذریعہ خود انسان ہی ہے۔ ایک ایک فرد کے علم، شعور، اس کی زندگی کی بقاء اور اس کے وسائل میں ترقی ہی ایک قوم، مملکت، ریاست اور فرد کا فریضہ ہے۔ تعمیر و ترقی کا سب سے بڑا ہدف، محرک اور نتیجہ یعنی پیداوار بھی صرف اور صرف حضرت انسان خود ہے۔

اللہ نے آسمان سے بندوق، تلوار یا ڈنڈا نہیں اتارا بلکہ ایک کتاب اتاری اور انبیاء بطور معلم (استاد) مبعوث کیے۔ کتاب اور معلم اتار کر زمین پر مدرسے، مکتب اور تعلیم گاہ تشکیل کی۔ کیوں؟ (کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۥ (۱۴:۱) (اے محمدؐ، یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم، لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ۔)

-- کیا اس تعلیم کو دنیا کے دیگر علوم مثلاً طبیعیات، سائنس، جغرافیہ اور ریاضی۔ وغیرہ وغیرہ سے کوئی نسبت ہے، اگر ہے تو کیا اور نہیں ہے تو کن معنوں میں؟

علم کی تعریف: قرآن فرماتا ہے کہ وَلَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِهٖ عِلۡمٌ" ط اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنۡهُ مَسۡئُوۡلًا ۥ (۱۷:۳۶) (کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہونی ہے۔)

Marfat.com

تمہارا موقف علمی وہی ہوگا جو تم نے سنا، دیکھا اور تمہاری عقل نے جس کا ادراک کیا۔ محسوسات اور معقولات علم کی بنیاد ہیں جبکہ توہمات اور لایعنی سوچ وافکار نہ صرف گناہ اور سائنٹیفک طریق کی ضد ہیں بلکہ آخرت میں جہالت اور بے علمی کے بارے میں سوال ہوگا۔

ایک سوال یہ ہے کہ انسان اور کائنات کی تخلیق کس نے کی؟ جس وقت کائنات کی تشکیل ہو رہی تھی انسان موجود نہ تھا۔ دوسرا سوال انسان اور کائنات کے مقصد سے متعلق ہوسکتا ہے۔ مگر اس کا جواب وہی دے سکے گا جس نے کائنات تخلیق کی ہے۔ انسان اور کائنات کا انجام بھی صرف وہی بتا سکتا ہے جو کل کے (مستقبل) کے عہد میں جا کر واپس آئے۔ اس طریق کار کے مطابق جس کو قرآن نے علم کہا، انسان کے بس میں نہیں کہ ایسے تمام سوالوں کا جواب دے سکے۔

ان سوالوں کا جواب ہم محسوسات اور معقولات کی بنیاد پر دے سکتے ہیں، اور طے شدہ علمی طریق کار یہی ہے کہ جو سنا، دیکھا اور عقل میں آیا تو بس وہی علم ہے، البتہ تجربہ تیسرا ذریعہ ہوسکتا ہے کہ مسلسل نتائج ایک جیسے ہوں تو علم بن سکتا ہے۔ قرآن کریم نے علم کا چوتھا ذریعہ بتایا ہے، جو وحی ہے وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْمِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلاً فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَايَشَاءُ ط اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ط (۵۱:۴۲)۔ [کسی بشر کا یہ مقام نہیں کہ اللہ اس سے رُوبرو بات کرے۔ اس کی بات یا تو وحی (اشارے) کے طور پر ہوتی ہے یا پردے کے پیچھے سے یا وہ کوئی پیغامبر (فرشتہ) بھیجتا ہے۔ اور وہ اس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہے وحی کرتا ہے۔ وہ برتر اور حکیم (دانا) ہے۔]

اسی طرح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوکر فرمایا: وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ط مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَاالْكِتٰبُ وَلَاالْاِيْمَانُ (۵۲:۴۲)۔ [اور اسی طرح (اے نبیؐ) ہم نے اپنے حکم سے ایک رُوح تمہاری طرف وحی کی ہے۔ تمہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے۔] جبرائیل امین کو بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا

Marfat.com

جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کس کو کہتے ہیں یہ نور ہم نے بنایا، اپنے بندوں میں سے جس کو ہم چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔

چار باتیں وحی میں کہہ دیں۔

(۱) اِقْرَاْ (۹۶:۱)۔ [پڑھو (اے نبیؐ)، یعنی علم کے لیے پڑھنا ضروری ہے۔]

(۲) الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ٥ (۹۶:۴) [جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔] لکھا ہوا ہونا، یعنی پڑھنے کے لیے لکھنا ضروری ہے۔

(۳) محسوسات و معقولات اور تجربہ کی حدود جہاں ختم ہوتی ہیں وہاں ہم یہ جواب حاصل نہیں کر سکتے کہ انسان اور کائنات کو کس نے تخلیق کیا؟ اس کا انجام کیا ہے؟ یہ علم براہ راست خالق دے گا عَلَّمَ الاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ٥ (۹۶:۵) [انسان کو وہ علم سکھایا جسے وہ جانتا نہ تھا۔]

(۴) چوتھی بات میں تین سوالوں کا جواب دے دیا، یعنی تم آزاد ہو، کسی کے غلام نہیں اور یہ اس لیے کہ تم کو سارے علوم کی بنیاد میں اپنے اصل آقا اور پروردگار کو رکھنا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ٥ (۹۶:۱) [پڑھو (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔]

اور جب اس نے تخلیق کیا تو مقصد اور انجام سے باخبر بھی وہی کرے گا۔

اس تفصیل میں جانے کی ضرورت اس لیے تھی کہ واضح حد بندی ہو جائے کیوں کہ دنیا کے آج کے سارے فلسفی، ڈاکٹر، سائنسدان، اور ہزاروں یونیورسٹیاں بھی ان سوالوں کا حقیقی اور سائنٹیفک جواب نہیں دے سکتیں، جو انسانی رویوں کی تشکیل کے لیے بہت ضروری ہے اس لیے کہ تین قسم کے افراد اس نظریاتی قالب سے بنتے ہیں۔

(۱) وہ جو تخلیق، اس کے مقصد اور انجام میں بھی شک کرتے ہیں اور توہمات پر چلتے ہوئے خدا اور انسانیت کے علاوہ ہر کسی کو راضی کرتے نظر آتے ہیں اور خود ساختہ، تحریف شدہ نظریات کے حامل ہوتے ہیں۔

Marfat.com

(۲) جو یہ سمجھتے ہیں کہ کائنات کی تخلیق خود بخود اور اچانک ہوئی۔ یہاں جو طاقتور ہے وہی باقی رہے گا، انسان کا واحد مطمع نظر نفس کی خواہشات اور آرام طلبی ہے اور اس کا انجام موت کے بعد مٹی ہو جانا ہے جبکہ اس مرحلے پر کوئی جواب طلبی نہیں ہوگی۔

(۳) وہ لوگ جو یقین رکھتے ہیں کہ ایک علیم وخبیر ہستی نے کائنات کو انسان کے لیے اور انسان کو اپنے لیے تشکیل دیا اور انسانی جان، مال اور اس کی عزت میں اس کی آزمائش ہے۔ خالق کو ماننے کا مطلب مخلوق کی خدمت ہے اور آخرت میں ہر صلاحیت، قوت، دولت، وقت کے ہر لمحے اور ہر عمل کا حساب دینا ہوگا۔

ان تین قسم کے انسانوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ کون سا فرد انسانیت کے لیے خیر و برکت کا باعث ہے۔

تعلیم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو جو انسان اپنے حواس و عقل اور تجربہ کی بنیاد پر حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ ایسا کرنا اس کے بس میں نہیں مگر پھر بھی یہ تعلیم اس کے لیے ضروری ہے۔ دوسرے وہ تعلیم جو انسان حواس، عقل اور تجربے کی بنیاد پر حاصل کر سکتا ہے دونوں قسم کے علوم کی تشریح قرآن میں کر دی گئی ہے۔ دونوں انسان کے لیے ضروری ہیں۔ پہلی قسم کی تعلیم فرض اور دوسری قسم کی تعلیم اختیاری ہے۔

شروع میں تعلیم کے منابع یہ رہے: کتاب (قرآن مجید)، معلم محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ابتدائی طالب علم یعنی صحابہ کرام اور پہلا مدرسہ یعنی اصحاب صفہ، بعد میں تین معروف اصحاب کرامؓ مکہ میں ابن عباس، کوفہ میں عبداللہ ابن مسعودؓ، اور مدینہ میں ابی ابن کعبؓ با قاعدہ استاد کے مرتبے پر فائز ہوئے۔

الاتقان میں علامہ جلال الدین سیوطی نے قرآن میں ۵۵ علوم کے ذکر کی نشان دہی کی جبکہ علامہ طنطاوی نے ۷۰ آیات کی طرف اشارہ کیا ہے جو جدید علوم کا احاطہ کرتی ہیں (تفسیر المنار)۔ قرآن میں جن علوم کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، ان پر توجہ دینا فرض، وجوب اور استحباب میں داخل

Marfat.com

ہیں۔علم المیراث کو علم الفرائض کہا گیا جو ریاضی سے متعلق ہے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ o الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ o (۳:۱۹۰-۱۹۱)۔ [زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ان ہوش مند لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں، جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور زمین اور آسمانوں کی ساخت میں غور کرتے ہیں۔ (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) ''پروردگار، یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا، تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔ پس اے رب تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔]

زمین و آسمانوں کی تخلیق میں فکر۔ یعنی زمین و آسمان سے زیادہ بڑی کون سی کتاب ہوگی، جس میں تمام علوم کے آثار موجود ہیں۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ (۸:۶۰) (اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو) --- میں دفاعی ٹیکنالوجی کی انتہا کا حکم ہے۔

وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ (۱۱:۸۵) [اور اے برادرانِ قوم ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو]۔ اس آیت میں حضرت شعیبؑ نے سارے اقتصادی معاملات کا ذکر کیا ہے۔ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ط (۱۱:۸۷) (یا یہ کہ ہمیں اپنے مال میں اپنے منشا کے مطابق تصرف کرنے کا حق نہ ہو؟) --- میں گندم کی قیمت کی شرح سے لے کر کارخانے، دکان اور بینک بیلنس تک ملکی اور بین الاقوامی سارے دائروں کی اقتصادی نقل و حرکت داخل ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ

Marfat.com

لَّدُنْکَ سُلْطٰناً نَّصِیْرًاo (۱۷:۸۰) [اور دُعا کرو کہ پروردگار مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک (صاحبِ) اقتدار کو میرا مددگار بنادے۔] --اس میں کون سی سیاسی قوت نہیں جو داخل نہ کردی گئی ہو اور حکم دیا کہ اس بات کی خواہش اور دعا کریں کہ حکومت تمہاری نہیں بلکہ عقیدے اور نظریے کی ہو۔

یاایھاالناس ان دماؤ کم و اموالکم و اعراضکم حراماً کحُرمة فی یومکم هذا بلدکُم هذا فی شهر کُم هذا (حدیث شریف) کہہ کر جان، مال اور عزت تینوں چیزوں کا ذکر کر کے ۶۲ سال کے عظیم پیغمبر نے تمام آسمانی ادیان، مساجد، نمازوں، روزوں، زکوٰۃ اور جان گسل جدوجہد، ۱۰۰ اغزوات، ہجرت اور مکہ کے ۱۳ سالہ مظلومیت کی زندگی اور طائف کی لہولہان دعوت اور صبر کے راستے پر چلتے ہوئے عظیم انقلابی جدوجہد کے مقاصد بتائے کہ انسان کے پاس سوائے زندگی، مال اور آبرو کے رکھا ہی کیا ہے جو مکہ شہر اور خانہ کعبہ سے زیادہ محترم، ۹ ذوی الحجہ کے دن اور ذوالحجہ کے مہینے سے زیادہ محترم ہو۔ علاوہ ازیں خطبہ میں فوجداری جرائم کی سزاؤں، یعنی قصاص، قطع ید، اور قذف کی حدود و تعزیرات زبانی کلامی نافذ نہیں کیں، بلکہ عملی بنیادوں پر انسانی خدمت کا قانون بنایا۔ کوئی خدا کو نہیں مانتا تو ذمی بن کر رہے۔ مگر قاتل، ڈاکو اور قاذف کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح فقہ کو مدون کیا گیا کہ حقوق کا خیال رہے۔ انہی حقائق کی بنیاد پر قرآن، حدیث، فقہ اور ان کے اصولوں کی بنیاد پر نصاب بنا۔ کیونکہ اس کے بغیر علمی، سیاسی، معاشرتی، معاشی اور قانونی زندگی کا تصور بھی ممکن نہ تھا۔ گویا انسانی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی انفرادی، عائلی اور اجتماعی زندگی کے مطابق تعلیمی نصاب خود بخود ترتیب کے مراحل سے گزرتا رہا۔

مدارس، درسِ نظامی کی صورتحال

مدارس کے نصاب میں اس وقت پڑھائے جانے والے مضامین میں درج ذیل مضامین

Marfat.com

شامل ہیں:

ا- درس نظامی میں تفسیر القرآن، اصول التفسیر، حدیث اور اصول حدیث، فقہ اور اصول فقہ وصرف والنحو اور منطق وفلسفہ، علم الکلام، علم البلاغہ، علم الہندسہ، علم الریاضی، علم الفرائض۔ جیسے بنیادی علوم شامل ہیں، بجائے خود ان مضامین کی افادیت مسلمہ ہے مگر جو نتائج سامنے آئے ہیں ان کی روشنی میں معدودے چند لوگوں یا مدارس کو چھوڑ کر اکثر جگہ درج ذیل امور پر غور وفکر کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔

(۱) عربی میں استعداد کا فقدان۔ تمام کتب عربی میں ہیں مگر عربی زبان میں مافی الضمیر کا ادا کرنا مشکل بنا ہوا ہے۔

(۲) کتابت۔ پرانے مدارس میں لکھنے کا طریقہ بہت کم رہ گیا ہے۔

(۳) قدیم فتنوں، معتزلہ اور خوارج وغیرہ کا ذکر شامل ہے جو اب اپنی افادیت سے محروم ہو چکا ہے۔

(۴) ریاضی، منطق، فلسفہ، ہندسہ، فلکیات کی قدیم کتب زیر مطالعہ ہیں مگر نئے اضافوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

(۵) جدید نظریات، جمہوریت، آمریت، فاشزم، اشتمالیت، اشتراکیت، الحاد اور قوم پرستی جیسے نظریات پر کماحقہٗ مواد موجود نہیں۔

(۶) فلکیات، ریاضی، فزکس، کیمیاء، طب، قانون، سیاست، معاشرت، معیشت، نشر واشاعت، موسمیات اور ماحولیات جیسے علوم سرے سے شامل ہی نہیں کیے گئے اور ان میں جو جدید اضافے ہوئے ہیں ان پر مناسب توجہ نہیں دی گئی۔ ان مضامین کو لازمی نہیں تو بطور اختیاری مضامین نصاب کا حصہ ہونا چاہیے۔

(۷) موجودہ نصاب کے نتیجے میں صرف مسجد کے مولوی، موذن یا مدرسہ کے مدرس ہی بن سکتے ہیں۔ یہ اسلامی نقطۂ نظر سے بھی ایک جامد اور محدود ہدف ہے۔

Marfat.com

(۸) اس نصاب میں جدید مسائل مثلاً کنویں کی بجائے ٹیوب ویل، ٹینکوں، ٹریفک، ہوائی سفر کے دوران افطار، خلائی تحقیق، طب کے جدید مسائل، مثلاً ایچ آئی وی ایڈز، کالا یرقان جیسی بیماریوں، اعضاء کی پیوندکاری جیسے موضوعات کو شامل ہونا چاہیے۔

(۹) میڈیا کا استعمال، زبانوں کا کردار، دنیا کے اوپر کمپیوٹر، کیبل، ٹی وی، ٹیلی فون، ریڈیو کے اثر کے بارے میں صحیح اور حقیقی علمی، اخلاقی اور مثبت رویوں کی تشکیل سے متعلق موضوعات شامل نصاب ہونے چاہییں۔

ہمارا دوسرا سوال رائج الوقت تعلیمی اداروں کے نصاب سے متعلق تھا۔ اور یہ کہ ان میں کیا ترمیم/تبدیلی کی جاسکتی ہے اس ضمن میں درج ذیل تفصیل پر نگاہ ڈالنا مفید ہوگا۔

رائج دینی تعلیمی اداروں کی قسمیں

اہداف	تفصیل	ترمیم
جدید علوم کی تدریس	جدید علوم کے سکول، کالج، جامعات، پروفیشنل کالجز جیسے تعلیمی ادارے اسلام کی بنیادی فکر بھی نہیں دے سکتے۔ جدید علوم کے ان تعلیمی اداروں کا نظام برطانوی دور میں رائج ہوا اور اس کی بنیاد لارڈ میکالے نے رکھی۔ پاکستان کے وجود کے بعد اسلامیات کو لازمی مضمون کا درجہ ملا۔ اور اس طرح کے تجربات اب تک چل رہے ہیں۔ متداول علوم جدید نے بہترین کارکردگی دکھائی ہے مگر ایک طالب علم کو اسلام کا حقیقی تصور دینے میں ناکام رہے ہیں۔	اس نظام پر نظرثانی کی ضرورت ہے۔ جس میں قرآن حدیث فقہ لٹریچر یعنی ان چار بنیادی عنوانات میں مناسب ترمیمات کے ساتھ پرائمری، مڈل، ہائی اور پروفیشنل کالجز کی سطح پر شامل کیا جائے، جس کے نتیجے میں یہ عصری مدارس کے طلبہ کی دینی راہنمائی کرسکیں۔

Marfat.com

قدیم اسلامی علوم کی تدریس	درس نظامی کی قدیم درسگاہیں: (وفاق/ رابطہ/ تنظیم المدارس وغیرہ سے متعلق ہیں)۔ صرف بلوچستان میں ان مدارس کی تعداد ۵۶۵ سے زائد ہے۔ چند بڑے اداروں کو چھوڑ کر جن میں کراچی کے نیوٹاؤن، کورنگی، جامعہ فاروقیہ اور گوجرانوالہ کی جامعہ اسلامیہ اور کچھ دیگر مدارس شامل ہیں، طلبہ کی عربی استعداد کو بڑھایا نہیں جاتا ہے۔ نتائج مجموعی طور پر ان کمزوریوں کو لیے ہوئے ہیں جو پہلے سوال کے جواب میں بیان کیے جاچکے ہیں۔	رابطہ، وفاق اور تنظیم المدارس کے طے شدہ نصاب کے نفاذ کی عملی شکل پر غور کر کے اسے نئی صورت میں اختیار کرنے کی سبیل کی جائے۔
صرف حفظ القرآن و قرات کی تدریس	حفظ القرآن وقرأت کے مدارس: یہ صرف قرآن مجید کو حفظ کرواتے ہیں اور فراغت کے بعد طالب علم کسی بھی ادارے میں جا کر تعلیم کو جاری رکھتا ہے۔ عموماً ۷ سے ۱۰ سال تک کی عمر کے بچے داخل کیے جاتے ہیں۔ بعض مدارس درس نظامی کے مضامین کی تدریس کا انتظام بھی رکھتے ہیں۔	اسی طرح جاری رہیں البتہ کمپیوٹر ویڈیو اور آڈیو ذرائع سے مدد لینے کے طریقے کار کو اپنایا جائے۔
عارضی تربیت گاہ	تربیت کی اکیڈمی/ عارضی تربیت: یہاں طلباء کو خطابت، فتاویٰ کی تحریر اور خصوصی موضوعات پر تربیت مختصر المیعاد بنیادوں پر دی جاتی ہے۔	عربی کے ڈپلومہ کورسز کے علاوہ ریاضی، انگریزی اور فنی تربیت کے مختصر المیعاد
		کورسز کے ششماہی پروگرام کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ مدارس میں طلبہ کی فراغت کے وقفوں کو مثبت انداز میں استعمال کیا جاسکے۔ اس ضمن میں قومی

Marfat.com

		یونیورسٹی برائے السنۂ جدید (NUML) کے تیار کردہ نصاب کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔
نچلی سطح پر جدید اور قدیم علوم کا امتزاج	منصورہ اورینٹل کالج ہالہ (سندھ) کا مدرسہ، ہمہ وقتی قیام کے اداروں میں قدیم ترین ادارے رہے ہیں جہاں ۲۴ گھنٹے طلباء کی تعلیم و تربیت ہوتی تھی۔ یہاں عربی اور انگریزی لازمی تھی۔ فراغ' کے ساتھ بی اے کی سند بھی دی جاتی رہی ہے۔ اس کے فارغ التحصیل طلبہ بھی اچھی استعداد کے حامل رہے ہیں جن میں اکثر اسلامی یونیورسٹی اور دوسری جامعات میں خدمات انجام دیتے ہیں۔ جامعہ پنجاب اور جامعہ کراچی کے شعبے علوم اسلامی کے بعض سربراہ یہیں سے فارغ شدہ لوگ رہے ہیں۔	بطور نمونہ اس کا دورہ کیا جا سکتا ہے۔
بالائی سطح پر جدید اور قدیم اسلامی علوم کا امتزاج	جامعہ اسلامیہ عالمیہ یعنی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی: اس ادارے کو قائم ہوئے اب ۲۵ سال سے زائد ہو گئے ہیں۔ بہت اچھا تجربہ ہے۔ اصولاً اس کے منہج اور تربیت کو سامنے رکھ کر ملک کے تمام مدارس کی درجہ بندی کی جا سکتی ہے۔ نوٹ: اس جامعہ کے فارغ التحصیل افراد عربیت اور جدید علوم پر دسترس رکھتے ہیں مگر فنون پر ان کو وہ عبور نہیں ہوتا جو درس نظامی کے فارغ شدہ طالب علم کو حاصل ہوتا ہے۔ اس پر غور کیا جا سکتا ہے کہ اس کمزوری کو کیسے دور کیا جائے۔	فنون میں موجود کمزوری کو دُور کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔

Marfat.com

ہمارا تیسرا سوال معیاری تعلیمی ادارہ سے متعلق تھا کہ اسے کیسا ہونا چاہیے: جہاں موجودہ دور کے تمام انسانی جدید علوم اور قدیم اسلامی علوم کا جامع امتزاج ہو۔ اہداف کیا ہوں: (تعلیم کیا دینی ہے) اور کون کون سے عملی فنون سکھائے جائیں تا کہ یہاں کا طالب علم ایک اچھا انسان، ایک مکمل مسلمان اور اپنے علم کا بہترین ماہر بن سکے۔ ہمارے خیال میں اہداف درج ذیل ہیں۔

الف۔ تعلیمی ضروریات

(۱) فکری و تعلیمی اہداف: اسلامی علوم پر عبور (قرآن، حدیث، فقہ، اسلامی لٹریچر اور اسلامی تاریخ اسلامی علوم ہیں) یعنی طالب علم کو اتنی عربی آتی ہو کہ قرآن کے مفاہیم کو سمجھ سکے۔

(۲) دیگر بنیادی علوم کے اہداف: عربی، انگریزی، اردو، جغرافیہ، سائنس اور ریاضی کی بنیادی اور ضروری معلومات۔

(۳) جدید معاشرتی علوم کی تدریس کے اہداف: موجودہ دور کے اہم مسائل، اور مزاحمتوں، سرمایہ داری، جمہوریت، سوشلزم، نیشنلزم، فاشزم وغیرہ کا حل۔

(۴) اختیاری علوم کے اہداف: بیالوجی، کیمیا، طبیعیات، اور ریاضی اختیاری ہوں اور ایک طالب علم درس نظامی کو مکمل کرنے کے بعد اس بات میں آسانی محسوس کرے کہ وہ ان علوم کی دو سال کی تدریس حاصل کر کے طب اور انجنیئر نگ کے شعبے میں جا سکے گا۔

(ب) فنون کی ضرورت

(۱) سیاسی اور معاشی معاملات کی منصوبہ بندی اور تنظیم، کے علاوہ معاشرے سے رابطہ کا طریقہ۔

(۲) تقریر کی صلاحیت کو بہتر بنانا۔

(۳) تحقیقی مقالہ لکھنا (تحقیق کی بنیاد پر اس کا طریقہ کار سکھانا)

(۴) مضمون نویسی (مسائل پر)

(۵) فتاویٰ کی تحریر: سوال کیسے تحریر ہو اور اس کا جواب فکری علمی اور عملی بنیادوں پر کس طرح تحریر کیا

Marfat.com

جائے۔

(۶) میراث کے فتاویٰ اور لوگوں کے معاشرتی، معاشی، عائلی اور قانونی معاملات میں رہنمائی کس طرح کی جائے۔

(۷) مذاکرہ اور مباحثہ (کا طرز اور طریقہ)۔

(۸) کمپیوٹر کا استعمال۔

(ج) تربیت کے اہداف اور ذرائع

(۱) ظاہری اور باطنی طور پر ایک مکمل انسان بنانا جو دنیا کے لیے عالمگیر سچائیوں کا پاسدار ہو۔

(۲) ایک مکمل مسلمان جو اپنے خالق کا وفادار ہو اور مخلوق کی جان مال اور آبرو کا محافظ اور خادم ہو۔

(۳) ایک مکمل عالم سائنسدان اور فن کا ماہر جو فنی مہارت کا حامل ہو۔

نوٹ تربیت کے یہ اہداف اگر تعلیم اور فن سے پورے نہ ہوں تو یہ تعلیم تعلیم نہیں۔

یہ امر بہت اہم ہے کہ تفسیر حدیث اور اصول فقہ کا علم اور اس پر عمل فرض ہے مگر اس کا تقاضا یہ تھا کہ قرآن کے فرمان کے مطابق وَ اَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (۸:۶۰) [اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو تا کہ اس کے ذریعے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو خوفزدہ کرسکو]۔ میں جو حکم دیا گیا ہے اس کو بھی فرض جانا جائے اور اس کے لیے مذکورہ بالا علوم کی تحصیل بھی فرض سمجھی جائے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ میزائل ٹیکنالوجی، ریاضی، سائنس کے علاوہ سیاسی اور اقتصادی علوم بھی فرض ہیں۔ اس لیے کہ قرآن نے ارھاب کے لفظ کا جو مطلب بیان کیا ہے وہ دہشت گردی نہیں بلکہ اسلامی قوتوں کے دشمن کو خوف میں مبتلا کرنا ہے کیونکہ جنگوں کو روکنے والی قوت صرف اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ جب آپ عسکری طور پر اتنے طاقتور اور سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے اتنے ترقی یافتہ ہوں کہ آپ پر حملے کی کوئی جرأت ہی نہ کرسکے۔ تعلیم کی یہ انتہا ہے جو اسلام کا مطلوب ہے۔

Marfat.com

''اور اسلامی تعلیم کا بنیادی پتھر یہی ہے کہ مسلم معاشرے میں جو بھی فرد جس علم کا ماہر ہو وہ پہلے مسلمان ہو پھر ڈاکٹر، انجینئر اور علوم عمرانی کا ماہر ہو''۔

مدارجِ تعلیم

اس نظام کو مزید ضرورت کے مطابق تبدیل کیا جا سکتا ہے:

درجات	دورانیہ	طالب علم کی عمر	جدید تعلیم	مدارس کی تعلیم
ابتدائی تعلیم	اول تا پنجم	پانچ تا دس سال	پانچ سال پرائمری	مدارس کے موجودہ ابتدائی دو سال
ثانوی تعلیم	ششم تا دوازدہم	دس تا سولہ سال	چھ سال (ایف اے)	مدارس کے موجودہ چار درجے
فاضل علوم اسلامی	دوازدھم تا چہاردھم	سولہ سے اٹھارہ سال	چار سال (بی اے اور ایم اے)	ہفتم اور ہشتم درجہ
تخصص	دو سال	عمر کی حد نہیں	ایم فل۔ پی ایچ ڈی	کسی بھی شعبے میں تخصص

(نوٹ) اس وقت تین درجوں تک تعلیمی اداروں کی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے جس کے لیے ناگزیر ہے کہ ہم درج ذیل چار اجزا پر ارتکاز کریں۔

(۱) طلبہ کا معیار بنیادی طور پر چار درجوں کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ ترتیب دیا جائے۔

(۲) نصاب: اس ضمن میں وفاق/ رابطہ/ اور تنظیم المدارس کا مرتب کردہ نصاب اور نظریاتی کونسل کی سفارش کو سامنے رکھتے ہوئے مجوزہ مرکزی تعلیمی کونسل کے ذریعے حتمی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

(۳) اساتذہ: سب سے اہم مسئلہ اساتذہ کا ہے ان کا معیار طے کرنا اور پھر مجوزہ نصاب کو پڑھانے کی تربیت دینا دو ایسے کام ہیں جس کے لیے مستقلاً ایک نظام ترتیب دینا ضروری ہے ابتدائی ضروریات پورا کرنے کے لیے ہنگامی بنیادوں پر غور کی ضرورت ہوگی۔

Marfat.com

(۴) پیشہ ورانہ تعلیم: ثانوی تعلیم کے بعد تیسرے مرحلے میں ہر فرد کو کوئی نہ کوئی فنی تعلیم حاصل کرنی چاہیے، اس کے لیے فنی ادارے قائم کرنے کی ضرورت ہے جن میں طالب علم کو آسانی سے داخلہ مل سکے۔ یہ ادارے درج ذیل شعبوں پر مشتمل تعلیم فراہم کریں:

(۱) معلّمی (۲) امامت (۳) استاد مدرسہ

(۴) وکالت (۵) صحافت (۶) لائبریری سائنس

(۷) طب (اس کے تمام شعبے) (۸) انجینئر نگ (ہندسہ/اس کے تمام شعبے)

(۹) اقتصاد (۱۰) نظم و معاشرت (۱۱) بین الاقوامی امور

(۱۲) سیاسیات (بشمول سیاسیات عالم) وغیرہ وغیرہ

نظام امتحانات: (چار درجوں کے لیے) علیحدہ علیحدہ نظام امتحانات تجویز کیا جانا چاہیے۔ اس ضمن میں بھی تین پہلوؤں پر توجہ ضروری ہے۔

۱- فکری جانچ کے لیے انفرادی جانچ داخلے سے پہلے اور داخلے کے بعد ماہانہ ہونی چاہیے۔ جس کے ذریعے اساتذہ اس بات کا اندازہ لگائیں کہ طلبہ اپنی سوچ اور سطح کے لحاظ سے کس درجے میں کامیاب رہے ہیں۔

۲- علمی۔ سہ ماہی سمسٹرز کے امتحانات اور آخر میں نتیجہ اور سند کا اجراء۔

۳- تعلیمی فراغت۔ تعلیم کے بعد ایک سال کسی بھی جگہ تمام شعبوں میں علمی اور عملی تربیت کا نظام ہونا چاہیے اور اس کی علیحدہ سند جاری کی جائے۔

امتحانات کے نتائج کی ترتیب (درج ذیل نمبرات کے مطابق طالب علم کو ۵۰ فیصد نمبر حاصل کرنے پر کامیاب قرار دیا جائے۔

۱- سارے سال کی کارکردگی ۲- تحریری امتحان کے نمبرات

۳- زبانی امتحان کے نمبرات ۴- آخری انفرادی جانچ کے پروفارمے کے نمبرات

نصاب تعلیم کی مرحلہ وار تقسیم جو موجودہ علمی نظام میں درج ذیل طریقے پر ترمیم کر کے اختیار

Marfat.com

کی جاسکتی ہے:

(۱)	درس نظامی کی کتب کی تعداد ۵۷ ہے	۸ درجات یعنی آٹھ سال میں پڑھائی جاتی ہیں۔	نوٹ: تعلیم کا دورانیہ بڑھانا ضروری ہوگیا ہے تاکہ نتیجہ خیز نظامِ تعلیم ترتیب دیا جاسکے۔
(۲)	جدید علوم کے مضامین کی فہرست	مختلف سالوں میں پڑھائے جاتے ہیں	ایضاً
(۳)	دونوں علوم کا امتزاج	کل تیرہ سال میں پڑھایا جائے گا	ایضاً
(۴)	وہ ادارے جن کی سرپرستی میں نظام ترتیب دیا جاسکتا ہے (وہ مستقل نگرانی کریں گے)	مرکزی تعلیمی مشاورت مرکزی کمیٹی برائے تطبیق اور نصاب اساتذہ معہ تحقیق	ان اداروں کی تشکیل کی تفصیل منسلک ہے۔

(۱) فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کے علاوہ تخصص کے لیے تجویز پہلے ہی لکھی جاچکی ہے۔

(۲) جو نظام چل رہے ہیں ان میں ہم آہنگی پیدا کی جاسکتی ہے تاکہ وہ مسلسل اس موضوع پر کام کرتے رہیں۔ جہاں کوئی مشکل آئے یا نئی ضرورت پڑے تو ایسے ادارے موجود ہوں جو ان کی ابتداء سے لے کر انتہا تک راہنمائی کرسکیں، اس لیے پورے نظام (syndicate) کو تشکیل دیتے وقت ابتداء میں ہی ان اداروں کو تشکیل دے دیا جائے جن کی تفصیل ذیل میں عملی اقدامات کی صورت میں منسلک ہے۔

عملی اقدامات

اہداف اور تعلیم کے درجات طے کر لیے جائیں تو پھر سوال آتا ہے کہ ان افراد کو کیا پڑھایا جائے اور اس کا طریقہ کار کیا ہو، اس کے لیے مستقل لائحہ عمل کی ضرورت ہے جس کے تحت درج ذیل اداروں کو تشکیل دیا جاسکے۔

Marfat.com

(ا)مرکزی تعلیمی مشاورت کی تشکیل

الف۔ ہر صوبے سے دو دو افراد لیے جائیں جو جدید اور قدیم علوم کے برابر سند یافتہ ہوں اور انہیں دینی تعلیمی اداروں کے چلانے کا کم از کم دس سالہ تجربہ حاصل ہو۔

نوٹ: یہ لوگ نہ صرف جدید اور قدیم علوم کے ماہر ہوں بلکہ بیک وقت دونوں طرح کے علوم میں تعلیمی قابلیت اور تجربہ بھی رکھتے ہوں۔ دو علیحدہ علیحدہ علوم کے ماہر وہ ہم آہنگی پیدا نہیں کر سکتے جس کی ضرورت ہے اس لیے ایسے افراد کو اس میں شامل کیا جائے جو نصاب اور تربیت کے نظام کو تشکیل دے سکیں۔ ان کو ہائر ایجوکیشن کمیشن کے منظور شدہ اداروں کے کیے ہوئے کام کو ملحوظ رکھنا چاہیے اور اس کی روشنی میں اس ادارے کو اپنی سفارشات بھجوائی جائیں اور ان کے نمائندوں کی موجودگی میں آخری مرحلے میں مشترکہ اجلاس کیا جائے جس میں نئی ترامیم کو منظور کیا جا سکے۔

(۲) مرکزی تعلیمی کمیٹی برائے تطبیق (مرکزی تعلیمی مشاورت کے ارکان سے بنائی جائے)۔

(۳) مرکزی کمیٹی برائے نصابِ اساتذہ و تحقیق (یہ بھی مرکزی تعلیمی مشاورت کے ارکان سے بنائی جائے)۔

اہم باتیں

ا- یہ تمام ادارے مرکزی اور صوبائی سطح پر مشاورت کے ذریعے ترتیب دیے جائیں اور مدارس کو رجسٹر کرنے کی شرط نہ لگائی جائے۔

۲- یہ ادارے رضا کارانہ بنیاد پر تشکیل دیے جائیں اور واضح کیا جائے کہ ان میں حکومت کا کوئی انتظامی دخل نہیں ہوگا۔ حکومت صرف رابطے کے طور پر کام کرے گی تاکہ قومی تعلیمی نظام اور مدارس عربیہ کے نظام کے درمیان ربط پیدا ہو سکے۔

ان کی ہر قسم کی کارکردگی جو صرف اہداف کے مطابق ہوگی میڈیا میں اشاعت کے لیے دی جائے گی اور اس پر عمومی رائے آنے کا انتظار کیا جائے گا تاکہ وسیع تر مشاورت کے ذریعے اس

Marfat.com

نظام کو قابل عمل اور عام لوگوں کی رائے کے مطابق ڈھالا جا سکے۔ اس لیے کہ جس قوم کی تعلیم آزاد ہو وہ ایک اعلیٰ حکومت اور نظام کو تشکیل دے سکتی ہے جبکہ غلام قوم کی تعلیم صرف غلامی سکھا سکتی ہے۔ تعلیم کی روح کے مطابق یہ لائحہ عمل ضروری ہے اور اس کی آزادی اور استقلال سب سے زیادہ اہم ہے۔

الف: مجوزہ مضامین کی تفصیل

مضمون	جدید تعلیم اور درس نظامی کے مضامین ۵ سال ابتدائی	جدید تعلیم اور درس نظامی کے مضامین ۸ سال ثانوی
۱-قرآن	تلاوت/ کتابت/ قرات/ الفاظ کا ترجمہ	اصول تفسیر میں الفوز الکبیر/ تفسیر جلالین/ تفسیر بیضاوی
۲-حدیث	چالیس احادیث حفظ	اصول حدیث/ فتح الباری/ مقدمہ ابن صلاح/ بنام طحاوی/ نخبۃ الفکر حدیث/ مشکوٰۃ المصابیح/ صحاح ستہ
۳-فقہ	فقہ۔ شروط صلوٰۃ / قدوری/ کنز الدقائق/ ہدایہ اول اصول فقہ شرح وقایہ/ نوالایضاح/ اصول شاشی	نکاح ہدایہ/ بیع والشریٰ منتخب حسامی/ نور الانوار/ توضیح وتلویح
۴-عربی لغت	صرف۔ صرف بائی/ میزان منشعب/ صرف میر/ نحو میر/ کافیہ/ ہدایۃ النحو	شرح مائتہ عامل/ شرح جامی/ کافیہ/ تلخیص/ مختصر المعانی چھ ماہ کا عربی ڈپلومہ کورس از NUML
۵-منطق	ایسا غوجی/ شمسیہ/ قطبی/ میر قطبی/ سلم العلوم/ جنرل سائنس/ ۵۲ مسلم سائنسدانوں کے حالات	قاضی / ملا حسن/ مرقات/ میبذی/ ملا صدرا/ شمس بازغہ/ شرح چغمنی/ جنرل سائنس/ کیمیاء/ طبعیات/ حیاتیات

Marfat.com

۶-دوسری زبانیں	انگریزی، چار لیول از درجہ اول تا چہارم اردو - پرائمری کلاس کی پنجم جماعت تک	انگریزی ایڈوانس اردو ششم تا دھم اردو کی کتب
۷-کمپیوٹر	ابتدائی تعارف/ سافٹ ویئر	ہارڈ ویئر/ ونڈوز/ ایم ایس آفس/ انٹرنیٹ وغیرہ
۸-ریاضی	خلاصۃ الحساب/ اقلیدس/ الجبرو لمقابلہ/ پنجم تک ریاضی کی کتب	جنرل میتھ/ دہم تک ریاضی اور جیومیٹری
۹-تاریخ	اول تا پنجم تاریخ کی کتب	مقدمہ ابن خلدون/ سیرت النبی/ تاریخ اعلام/ شہریت
۱۰-علم الفرائض		سراجی
۱۱-ادب	امور عامہ/ آدابِ زندگی	دیوان حماسہ/ سبعہ معلقہ/ مقامات حریری/ نفحۃ العرب
۱۲-عقائد	تعلیم الاسلام	عقائد نفسیہ/ شرح عقائد/ خیالی

(ب)

درج بالا نظام میں قدیم اسلامی علوم اور جدید کے اضافے موجودہ حالات میں دنیا کے جدید اکتشافات کے نتیجے میں ضروری علوم بن گئے ہیں۔ ان علوم کا حاصل کرنا ازبس ضروری ہے تاکہ ہر فرد ابتدائی اصول وضوابط سے واقف ہو اور ان علوم کے نتیجے میں ایک طرف جہاں ایف اے اور بی اے کی ڈگری حاصل کرے، اس کے ساتھ اپنی استعداد کے مطابق اس کے لیے یہ سہولت بھی موجود ہو کہ وہ فنی تعلیم کے شعبوں میں بھی جا سکے۔ درج ذیل شعبہ جات بہت اہم ہیں:

۱-لسانیات: (عربی، انگریزی اور اُردو) (لازمی)

۲-ریاضی (الجبرا، جیومیٹری، جنرل میتھ) (لازمی)

۳-جنرل سائنس (لازمی)

Marfat.com

۴- کیمیاء	(اختیاری)
۵-طبیعیات	(اختیاری)
۶- حیاتیات	(اختیاری)
۷-جغرافیہ	(لازمی)
۸- مطالعہ تاریخ (قریب کے دور کا)	(لازمی)
۹- حیاتیات	(اختیاری)
۱۰- آداب	(لازمی)
۱۱-فنون (skills)	(لازمی)

نوٹ: لسانیات/کمپیوٹر سائنس/ ریاضی/فنون جیسے شعبوں کے حوالہ سے پرائمری سطح پر انتظامات کرنے کے لیے اساتذہ، کتب، ساز و سامان، عمارات اور کمپیوٹر کی ہر سطح کے مدرسے میں ضرورت ہے۔ اور یہ وہ شعبے ہیں جن میں NCHD یا اس نوعیت کا کوئی اور ادارہ بہت حد تک مدارس کے ساتھ تعاون کر سکتا ہے اس کے لیے مرکزی اور چاروں صوبائی حکومتوں اور منتخب اضلاع کی سطح پر منصوبہ بندی کی جا سکتی ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۹﴾

پروفیسر عبدالرزاق خان
سابق پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج - گوادر

[یہ تحریر پروفیسر عبدالرزاق خان کے ایک تفصیلی مقالے سے ماخوذ ہے۔ اصل مقالے میں دینی مدارس سے متعلق تعلیمی و تنظیمی معاملات پر مفصل بحث کے علاوہ بلوچستان میں مدارس کی درجہ وار تعداد، اساتذہ کی تعداد و تعلیمی صلاحیت، خواتین کے اداروں، اخراجات کی تفصیل اور مسلک وار تعداد جیسی معلومات کو باقاعدہ جدولوں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس میں اداروں کے ماحول کار سے لے کر داخل خارج اور مالی وسائل کی فراہمی و استعمال سے متعلق بھی خاصی تفصیلات دی گئی ہیں۔ تاہم زیر مطالعہ رپورٹ ان تفاصیل کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی اس لیے اس طویل مقالے کی تلخیص پیش کی جارہی ہے۔ یاد رہے کہ تلخیص سے اصل تحریر کی علمی افادیت متاثر نہیں ہوتی۔]

آج کل دینی مدارس کا مطالعہ جس گہری دلچسپی سے کیا جارہا ہے، اس کی بڑی وجہ افغانستان کی طالبان تحریک ہے، جو دینی مدارس میں پروان چڑھی۔ امریکہ نے طاقت کے زور پر اس تحریک کو ختم کرنے کی کوشش کی اور ساتھ ہی اپنے خیال میں اس تحریک کی نرسری، یعنی دینی مدارس پر بھی بھرپور توجہ دینا شروع کردی۔ امریکی دانشوروں کا خیال ہے کہ دینی مدارس چونکہ طاقت کے زور پر ختم نہیں کیے جاسکتے اس لیے ضروری ہے کہ ان کے نصاب، ماحول اور انتظامی امور میں بنیادی

Marfat.com

تبدیلیاں لائی جائیں۔ اس طرح یہاں سے فارغ التحصیل طلبہ کے اذہان میں مناسب تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔ ان امور کی نشان دہی گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعہ پر تحقیق کے لیے قائم کردہ کمیٹی کی رپورٹ اور کمیشن کے چیئرمین تھامس کین کے بیانات سے ہوتی ہے۔ ہاؤس کمیٹی آن ہوم لینڈ سیکورٹی کے خصوصی اجلاس منعقدہ ۱۷ اگست ۲۰۰۴ء میں انہوں نے بیان دیا کہ ہمیں دہشت گردوں سے نمٹنے کے لیے پالیسی میں ترمیم کرنی چاہیے۔ انہوں نے افسوس کا اظہار کیا کہ پاکستان کے لیے امدادی پیکج میں مدارس کی مد میں بہت کم رقم رکھی گئی ہے۔

اصلاحِ مدارس کا مغربی تصور

گیارہ ستمبر تحقیقاتی کمیشن کے نائب سربراہ مسٹر ہملٹن نے بھی افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ [مدارس کے حوالہ سے] ۳۰ملین ڈالر کی رقم خالی بالٹی میں چند قطرے پانی ڈالنے کے مترادف ہے۔

اسی طرح انہوں نے سعودی عرب اور پاکستان کی حکومتوں سے کہا کہ ان کے مفاد میں ہے کہ وہ اپنے تعلیمی نظام (اشارہ مدارس کی طرف ہے) کی اصلاح کریں۔ اگر یہ دونوں ممالک اصلاحات نہیں لانا چاہتے تو امریکہ کو انہیں بتادینا چاہیے کہ مطلوبہ اصلاحات نہ لانے کی صورت میں ان کے مستقبل کی زندگی مصائب سے پُر ہوگی اور وہ زیادہ دیر تک اقتدار میں نہیں رہ سکیں گے۔

بعض امریکی تھنک ٹینک بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ دنیا میں دہشت گردی مساجد، مدارس اور جہادی گروپوں (جن کو انہوں نے خطرناک مثلث کا نام دیا ہے) کی وجہ سے جنم لے رہی ہے۔ ایک رپورٹ میں مشورہ دیا گیا ہے کہ امریکہ اور یورپ کو دہشت گردی (یعنی مذکورہ بالا مثلث) کے خلاف مشترکہ حکمت عملی اپنانا ہوگی۔ (روزنامہ جنگ کوئٹہ، بدھ ۸ ستمبر ۲۰۰۴ء)

مدارس کی صورت حال اور تجاویز

بلوچستان کے دینی مدارس - بنیادی معلومات: اس پس منظر میں ہم بلوچستان کے دینی مدارس کا ایک تعارفی جائزہ پیش کر رہے ہیں۔ جس سے ان دینی مدارس کی کارکردگی، مسائل

Marfat.com

اور مشکلات کے ساتھ ہی اس سوال کا جواب بھی مل جائے گا کہ کیا یہ مدارس اپنے موجودہ وسائل، سائز اور وسعت کے ساتھ ایسی کسی بڑی تبدیلی لانے کے متحمل ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں جس کا تذکرہ امریکی اور یورپی ایوان اقتدار میں ہوتا رہتا ہے۔

بلوچستان میں ضلع وار تعداد مدارس واساتذہ

صوبے میں اس وقت کل ۳۵۴ دینی مدارس قائم ہیں جن میں سے ۵۹ درجۂ حفظ و ناظرہ تک ہیں جبکہ ۱۷۸ درجۂ تحتانی، ۵۷ درجۂ موقوف علیہ اور ۴۲ درجۂ دورۂ حدیث تک ہیں۔ ان مدارس میں اساتذہ کی تعداد ۱۴۶۷ ہے جن میں سے فاضلینِ درسِ نظامی ۱۱۱۷، اور حفاظ وقراء کی تعداد ۳۵۰ ہے۔

مسالک کے لحاظ سے ان مدارس کی تعداد کی تقسیم کچھ اس طرح ہے کہ ۳۱۰ مدارس دیوبندی مسلک کے، ۳۱ بریلوی حنفی، ۴ اہل حدیث جبکہ ۳ مدارس شیعہ اثنا عشری مسالک سے متعلق ہیں۔

خواتین کے چار مدارس میں ۲۵ خواتین اساتذہ تعینات ہیں جبکہ ان میں طالبات کی تعداد ۲۴۹ ہے۔

ان مدارس کا مختلف تعلیمی بورڈوں یا وفاق ہائے سے الحاق ہے جن میں ۱۷ کا تعلق تنظیم المدارس پاکستان سے، ۱۰ کا رابطۃ المدارس پاکستان سے، ۴ کا وفاق المدارس السّلفیہ پاکستان، ۳ کا وفاق المدارس شیعہ پاکستان جبکہ ۳۱۰ کا الحاق وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ہے۔

مجموعی طور پر یہاں ۱۲۵۸۰ طلبہ درسِ نظامی، ۶۲۵۳ حفظ و تجوید اور ۱۸۱۸۶ طلبہ ناظرہ کے درجوں میں زیر تعلیم ہیں۔ جو تمام کے تمام اقامتی طلبہ ہیں۔ ان مدارس میں سے ۴۸ مدارس کی مکمل طور پر پختہ عمارات ہیں جبکہ ۳۰۶ کی کچی اور نیم پختہ عمارات ہیں۔ ان مدارس میں اُردو، براہوی، بلوچی اور پشتو کو ذریعۂ تعلیم کا درجہ حاصل ہے۔ جبکہ کہیں کہیں سندھی، فارسی، اور سرائیکی بھی

Marfat.com

[illegible] سے محروم ہی رہتے ہیں۔

[illegible] بلوچستان کے دینی مدارس میں اساتذہ و طلبہ دونوں [illegible] بنیادی تعلیم [illegible] سہولیات سے محروم رہتے ہیں۔ [illegible] مدارس میں [illegible] ہوتا ہے۔ [illegible] اساتذہ کا [illegible] ہوتا ہے۔ [illegible] ضروریات اور سہولیات [illegible] کی عدم دستیابی کی وجہ سے طلبہ و اساتذہ [illegible] ہوتی ہے۔ [illegible] بنیادی سہولیات زندگی سے محروم ہوتے ہیں اور [illegible] قیمت [illegible] ہے۔ پھر بھی طلبہ اور اساتذہ زبان پر حرف شکایت لائے بغیر تعلیمی [illegible] میں مصروف رہتے ہیں۔

طلبہ کا داخلہ، اخراج اور امتحانات کا نظام: بعض مدارس میں درس کی تکمیل یعنی دورہ حدیث کا اہتمام ہے وہاں امتحانات باقاعدہ ہوتے ہیں اور سالانہ جلسہ تقسیم اسناد بھی باقاعدگی سے منعقد ہوتا ہے مگر ان مدارس میں بھی چند ایک کو چھوڑ کر سالانہ کے علاوہ سہ ماہی ششماہی و نوماہی امتحانات نہیں ہوتے۔

بلوچستان کے دینی مدارس میں درجہ بندی کا بالعموم فقدان ہے۔ ایک ہی استاد کے پاس ایک وقت میں کئی کئی درجات کے طلبہ شامل درس ہوتے ہیں اور اسباق میں یکسانیت نہیں ہوتی۔ بدنظمی کی ایک بڑی وجہ ان مدارس میں طلبہ کے داخلے واخراج کے کسی منظم سسٹم کا نہ ہونا ہے۔ طلبہ جب چاہیں ایک مدرسہ چھوڑ کر دوسرے مدرسہ چلے جاتے ہیں۔ یہ بدنظمی کئی خرابیوں کو جنم دیتی ہے۔ جبکہ اصولاً یہ ہونا چاہیے کہ سابقہ مدرسے سے خارجے کا سرٹیفکیٹ لائے بغیر کوئی مدرسہ کسی طالب علم کو داخل نہ کرے۔

طلبہ کی کفالت کے مسائل: دینی مدارس میں درس نظامی اور حفظ وقراۃ کے طلبہ عام طور پر فراغت تک یعنی کئی سال مدرسہ میں مقیم رہتے ہیں، ان کی کفالت مدرسہ کے ذمہ ہوتی

Marfat.com

ہے۔ جہاں تدریسی اوقات کے لیے علیحدہ جگہ کا تصور نہیں ہوتا۔ جو کمرے تدریس کے لیے دن میں استعمال ہوتے ہیں وہی رات کو رہائش گاہ بن جاتے ہیں، جس کی بڑی وجوہات صوبہ کی عمومی غربت کی فضا، مدارس کی ناقص اور ضروریات زندگی سے محروم عمارتیں اور وسائل کی کمی ہیں۔

اس صورت حال ہی کا نتیجہ ہے کہ بیشتر مدارس کا ماحول حفظان صحت کے اصولوں کے منافی ہے۔ اس صورت حال کے پس منظر میں وسائل کی کمی کے علاوہ ایک اور وجہ ادارے کے قیام سے قبل منصوبہ بندی نہ کرنا ہے۔ مالی وسائل سو فیصد صدقات وخیرات پر مبنی ہیں جن کے حصول میں طلبہ کا بہت سا قیمتی وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں حکومتی سطح پر درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے:

- دینی مدارس معاشرہ کی ایک بڑی ضرورت پوری کر رہے ہیں۔ یہاں زیر تعلیم طلبہ سرکاری مدارس کے طلبہ کی طرح ملک وقوم کا سرمایہ ہیں لہٰذا حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ دیگر نجی و سرکاری سکولوں کی طرح دینی مدارس کو بھی ترقیاتی گرانٹ ترجیحی بنیادوں پر فراہم کرے تا کہ ان کی عمارتوں کو بہتر انداز میں تعمیر کیا جا سکے اور یہاں زندگی کی بنیادی سہولیات بجلی، پانی، گیس، فون وغیرہ فراہم کرنے کے علاوہ درسی کتب خریدی جا سکیں۔
- حکومتی سطح پر بلوچستان میں فروغ تعلیم کے لیے مسجد سکول سکیم شروع کی گئی جو کامیابی سے چل رہی ہے۔ اس سکیم کے تحت حکومت اساتذہ فراہم کرتی ہے اور عمارت کے طور پر سکول کی بجائے مسجد یا مدرسہ کی عمارت استعمال کی جاتی ہے۔ اس طرح حکومت کو عمارتیں تعمیر کرنے کے جھنجٹ سے نجات مل جاتی ہے۔ حکومت کی اس سکیم کی کامیابی میں علماء کرام کی رواداری کو بھی بڑا دخل ہے۔ جنہوں نے فراخ دلی سے مدارس و مساجد حکومت کو پیش کر دیں۔ لہٰذا حکومت بھی جواباً فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دینی مدارس کے کچھ اساتذہ کو سرکاری خزانہ سے تنخواہیں ادا کرے۔ بلوچستان میں اس طرز پر دینی مدارس کے اساتذہ کو تنخواہیں ادا کرنے کا طریقہ خان قلات کی حکومت میں ۱۹۵۸ء تک رائج رہا۔ اس دور کے بعض اساتذہ

Marfat.com

آج بھی دینی مدارس میں بطور استاد کام کر رہے ہیں۔

- دینی مدارس کو بعض بنیادی ضروریات زندگی ارزاں شرح پر فراہم کی جائیں۔ مثلاً بجلی، گیس، پانی وغیرہ کے سلسلے میں نصف شرح قائم کی جا سکتی ہے۔ حکومت بعض اداروں کو خصوصی رعایت کے طور پر بجلی اور گیس کے چند فری یونٹ دیتی ہے۔ یہ فری یونٹ (محدود) کی رعایت مدارس کو بھی دی جا سکتی ہے۔

اساتذہ کی تنخواہیں: دینی مدارس میں اساتذہ کی تنخواہوں کے اعتبار سے کوئی تسلیم شدہ درجہ بندی نہیں ہے اور نہ تنخواہوں کا کوئی یکساں طے شدہ فارمولا یا شرح ہے۔ یہاں عام طور پر تین طرح کے استاد ہوتے ہیں۔ اولاً درس نظامی کے شعبہ میں تعلیم دینے والے اساتذہ جو کسی درس گاہ سے درس نظامی میں فراغت کی سند کے حامل ہوتے ہیں۔ دوم شعبہ حفظ و تجوید و قراۃ کے اساتذہ جو عام طور پر حفظ و قراۃ کے شعبہ میں سند یافتہ ہوتے ہیں۔ سوم ناظرہ قرآن حکیم پڑھانے والے اساتذہ۔ اس میں سند یافتہ اور غیر سند یافتہ دونوں طرح کے لوگ شامل ہوتے ہیں ان اساتذہ کو مدارس اپنے وسائل کے پیش نظر تنخواہیں ادا کرتے ہیں جو ۵۰۰ روپے ماہوار سے ۲۰۰۰ روپے ماہوار کے درمیان ہوتی ہیں جو حکومتی دفاتر کے نائب قاصدوں کی تنخواہوں سے بھی کم ہیں اور اس قدر قلیل مشاہرے کے ساتھ آج کل کی مہنگائی میں گزر اوقات کرنا حد درجہ مشکل کام ہے۔ یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اساتذہ بالعموم مدارس میں رہائش پذیر ہوتے ہیں جہاں مدارس کی طرف سے انہیں مفت غذا فراہم کی جاتی ہے۔ کچھ اساتذہ نے بعض مساجد میں پیش امام یا خطیب کی ذمہ داری سنبھالی ہوتی ہے جہاں سے انہیں اضافی تنخواہ بھی ملتی ہے ایسے اساتذہ قدرے آسودہ حال ہوتے ہیں

عوام الناس اور حکومت کا بھی فرض بنتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی کفالت اور اعانت کا اہتمام کریں۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ یہ محض مدارس میں دینی تعلیم ہی نہیں دیتے بلکہ عوام الناس کی

Marfat.com

اخلاقی تربیت بھی کرتے ہیں۔ زندگی کے مختلف مسائل از قسم عبادات، تقسیم جائیداد، وراثت، کاروباری تنازعات، گھریلو جھگڑے، نکاح وطلاق اور تجہیز وتکفین میں بھی یہی علماء کرام بلا معاوضہ خدمات انجام دیتے ہیں۔ اس کا بہتر طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ ضلعی سطح پر حکومت ہر مدرسہ میں چند اساتذہ کو تدریسی الاؤنس ادا کرے یا ہر سال مدارس کے اساتذہ کے لیے چند آسامیاں نکالی جائیں۔ ان پر مدارس کے اساتذہ کا تقرر کرکے ان کی تنخواہ سرکاری بجٹ سے ادا کی جائے۔ اس طریقہ سے ایک طرف مدرسہ پر مالی بوجھ کم ہوگا اور دوسری جانب مدارس طلبہ کو کچھ بہتر سہولیات مہیا کرسکیں گے۔

دینی مدارس کا نصاب تعلیم: برصغیر میں دینی مدارس کا نصاب عہدِ مغلیہ سے رائج ہے۔ ضروری ہے کہ اس میں غیر ضروری تفصیلات کو مختصر کرکے ان کی جگہ جدید سائنسی علوم اور عالمی زبانوں کو دی جائے۔

- مدارس میں اب خود بھی یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ ان کا نصاب عصری تقاضوں کے مطابق نہیں ہے۔ فارغ التحصیل طلبہ زندگی میں قدم قدم پر دوسروں کے محتاج ہوتے ہیں۔ لہٰذا اکثر مدارس میں یا تو سرکاری مسجد و مدرسہ سکیم کے تحت سکول کھولنے کی اجازت دے دی گئی ہے یا مدارس نے خود جدید علوم کے اساتذہ کا تقرر کرکے چھوٹے پیمانہ پر اردو، حساب اور انگریزی کی تعلیم کا بندوبست کردیا ہے۔
- دیوبندی مسلک کا مدرسہ ''خیر المدارس'' (کوئٹہ) اس کی بہترین مثال ہے۔ جہاں طلبہ کو دورہ حدیث میں سند کے ساتھ ساتھ میٹرک بھی کرایا جاتا ہے۔ اسی طرح جامعہ سلفیہ کوئٹہ میں میٹرک تک تعلیم کا بندوبست کیا گیا ہے۔ رابطۃ المدارس الاسلامیہ کے زیر اثر تمام مدارس عصری علوم کی تعلیم بھی دے رہے ہیں۔ جامعہ امام صادق کوئٹہ میں بھی جدید وقدیم دونوں علوم پڑھائے جارہے ہیں۔

Marfat.com

- یہ بات البتہ قابلِ غور ہے کہ بلوچستان کے بیشتر مدارس اپنے مسلک سے متعلق بورڈ کے امتحان میں شریک ہونے سے محض اس لیے رہ جاتے ہیں کہ وہاں تدریسی زبان اردو نہیں ہے۔ جبکہ بورڈ کے امتحان میں شرکت کے لیے اردو جاننا ضروری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف جدید علوم سے محرومی طلبہ کے لیے نقصان دہ نہیں بلکہ اردو زبان نہ جاننا بھی نقصان کا باعث بن جاتا ہے۔

درحقیقت علماء کرام میں احساس زیاں شدت سے موجود ہے۔ انہوں نے اپنے طور پر اس کا جزوی حل بھی نکالنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ بہرحال محض مقامی بنیاد پر کسی مکمل وبھرپور تبدیلی کی طاقت نہیں رکھتے۔ انہیں احساس ہے کہ درس نظامی میں وقت کے ساتھ ساتھ زمانی تقاضوں کے مطابق تبدیلیاں آنی چاہییں۔ قدیم فلسفہ کی جگہ جدید فلسفہ، قدیم ریاضی کی جگہ جدید ریاضی، قدیم ادب کے ساتھ ساتھ جدید ادب، قدیم فرق اور مذاہب کے مطالعہ کے ساتھ جدید دور کے نظریات، افکار اور جدید سائنسی دور کے دیگر ترقی یافتہ فنون نصاب کا حصہ بننے چاہییں۔

خواتین کی دینی تعلیم: بلوچستان کے دینی تعلیمی اداروں کے سروے کے دوران یہ افسوس ناک صورت حال دیکھنے میں آئی کہ یہاں خواتین کی دینی تعلیم وتربیت کے لیے خاطر خواہ اہتمام نہیں ہے۔ پورے صوبے میں کل ۱۰ ادارے خواتین کی دینی تعلیم کے لیے قائم کیے گئے ہیں جن میں سے ٦ ادارے ایسے ہیں جہاں ایک خاتون معلّمہ اور ایک کمرہ ہے اور جو بچوں کو محض ناظرہ وقرآن مجید پڑھاتی ہیں۔ جبکہ کوئٹہ میں شیعہ مسلک کا ایک ادارہ ایسا موجود ہے جہاں لڑکیوں کو دینی تعلیم کا ایک مکمل کورس کرایا جاتا ہے۔ اور ۱۱ خاتون معلمات مقرر ہیں جو سب کی سب ایران کے شہر قم کی دینی درس گاہوں کی فارغ التحصیل ہیں۔ علاوہ ازیں اہل حدیث حضرات نے کوئٹہ میں ایک بڑا مدرسہ ''جامعہ عائشہ صدیقہ'' قائم کیا ہے۔ ملک کی تقریباً نصف آبادی خصوصاً ان کو جنہیں مستقبل میں ''ماں'' کا کردار ادا کرنا ہے، زیورِ تعلیم سے محروم رکھنا نا قابل فہم ہے۔

Marfat.com

فنی تعلیم: دینی مدارس کی یہ روایت رہی ہے کہ رزق حلال کمانے کے لیے طلبہ کو مختلف فنون سکھائے جاتے تھے اس طرح طلبہ بعد فراغت درس نظامی کسی کے محتاج نہیں رہتے تھے اور رزق حلال کماتے تھے۔ بلوچستان کے دینی مدارس کے سروے کے دوران اس بات کا احساس ہوا کہ ان مدارس میں طلبہ کو کوئی فن یا ہنر نہیں سکھایا جاتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج مدارس سے فراغت پانے والے طلبہ بجز مساجد کی امامت اور مدارس میں معلم کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی مدارس میں طلبہ کو بعض ضروری فنون سکھائے جائیں تاکہ یہ طلبہ باعزت زندگی گزار سکیں۔ اس کا ایک قابل عمل طریقہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ علماء کرام باہم مشورہ کر کے کوئٹہ میں کسی ایک مدرسہ میں بعض فنون کی تربیت کا اہتمام کریں اور صوبہ بھر سے فارغ التحصیل طلبہ کو ایک مقررہ وقت کے لیے یہاں حصول تربیت کے لیے بھیج دیں۔ اس طرح ہر مدرسے میں فنون کی تربیت کا الگ سے اہتمام بھی نہیں کرنا پڑے گا۔

علاوہ ازیں کوئٹہ میں صوبائی حکومت نے بعض ایسے ادارے قائم کر دیے ہیں جہاں سے بآسانی مختلف ہنر سیکھے جاسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ حکومت کے مختلف شہروں میں قائم مراکز قالین بانی اور دستکاری کے مراکز میں بھی ایسے طلبہ داخلہ لے سکتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ علماء کرام اس طرف توجہ دیں اور حکومت کی جانب سے ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

دارالکتب (لائبریریاں): بلوچستان کے دینی مدارس میں منظم دارالکتب موجود نہیں ہیں۔ ہر مدرسے میں چند سو کتب درسی و غیر درسی موجود ہوتی ہیں لیکن ان کتب کا رجسٹروں میں اندراج، ان پر نمبر لگانا طلبہ کو رجسٹر پر کتاب جاری کرنا اور اس قبیل کی دیگر باتیں بالکل نظر انداز کر دی جاتی ہیں۔ بعض مدارس میں کتب کی تعداد کئی کئی ہزار تک پہنچ گئی ہے مگر کتابوں کو دارالکتب (لائبریریوں) کے طرز پر اہتمام سے رکھنے کا انتظام موجود نہیں۔ دوسری بات کتابوں کے انتخاب میں مسلکی تعصب اختیار کرنا ہے۔ ان مدارس میں بالعموم اپنے مخصوص مسلک کے علاوہ کوئی اور کتاب نہیں رکھی جاتی۔

Marfat.com

علاوہ ازیں طلبہ کو بھی اپنے مسلک کے علاوہ کوئی اور کتاب پڑھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ آج کل اسلام کے مختلف شعبوں پر بے شمار کتب مارکیٹ میں موجود ہیں۔ جن میں کوئی مسلکی تعصب کی بات بھی نہیں ہوتی مگر مدارس کے طلبہ کو عموماً درسی کتب سے ہٹ کر کچھ پڑھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ طلبہ میں وسعت نظر ذہنی کشادگی، رواداری اور مثبت سوچ کی کمی پائی جاتی ہے۔ ہمارے معاشرہ میں کفر کے فتوؤں کی بھرمار، مناظرہ بازی، (بوجہ اختلاف مسلک) قدم قدم پر مساجد تعمیر کرنا، فرقہ پرستی اور آج کل نئی چیز مساجد میں نمازیوں پر دستی بم پھینکنے کے واقعات، یہ ساری چیزیں ایک دوسرے سے دور رہنے، آپس میں رابطہ نہ رکھنے اور ایک دوسرے کے مسلک کا غیر جانبدارانہ مطالعہ نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

اس صورت حال کا حل یہ ہے کہ طلبہ کو مدراس میں ایک تو ہر مکتبہ فکر کی کتابوں کے مطالعہ کی اجازت ہونی چاہیے، دوم طلبہ کو درس نظامی کے مخصوص نصاب سے ہٹ کر اسلام کے مختلف شعبوں کے بارے میں بازار میں دستیاب معلوماتی کتب بھی پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ سوم یہ کہ اگر دینی مدارس کے نصاب میں جدید دنیا کے بارے میں کچھ معلومات فراہم نہیں کی جاتیں اور سردست باقاعدہ جغرافیہ و تاریخ پڑھائے جانے کا اہتمام نہیں ہوسکتا تو کم از کم طلبہ کو اتنی رہنمائی ہونی چاہیے کہ آج کے عالمی تناظر میں حالات و واقعات اور ان کے پس منظر میں معلومات کے مختلف ذرائع سے ازخود استفادہ کرنے کے قابل ہوں۔

دارالافتاء: عوام الناس کو میراث، تقسیم جائیداد، نکاح وطلاق، حلال وحرام، زکوٰۃ وعشر اور عملی زندگی کے کئی دوسرے مسائل کے بارے میں رہنمائی فراہم کرنے کے لیے کم وبیش تمام بڑے بڑے مدارس میں دارالافتاء قائم ہیں۔ بلوچستان کے دینی مدارس میں ان فتاویٰ کو تحریری شکل میں ریکارڈ کرنا، فتاویٰ کا رجسٹر میں رکھنا اور فتاویٰ کی اشاعت کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ بڑے بڑے مدارس میں فتاویٰ کا ریکارڈ رکھا جائے اور سالانہ انہیں کتابی شکل میں شائع کیا جائے تا کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان ان سے مستفید ہوں۔

Marfat.com

﴿۱۰﴾

مولانا عزیز الرحمٰن

دارالعلوم کورنگی، کراچی

عام طور پر میں یہ سوچتا رہتا ہوں اور قومی پریس میں بھی یہ بات نظر سے گزرتی رہتی ہے کہ مدارس قومی دھارے میں شامل نہیں ہیں۔ مجھ سے اگر پوچھا جائے کہ قومی شاہراہ کی تعریف کریں اور کچھ تشخصات بتائیں اور اس کے کچھ نشانات راہ واضح کریں، یعنی اس کے سنگِ میل بتائیں تو میں اس ملک کا شہری ہوتے ہوئے بھی قومی شاہراہ کے نشانات راہ شاید نہ بتا سکوں گا۔ اسی طرح قومی شاہراہ ظاہر ہے ایک وسیع تر مفہوم رکھتی ہے، لیکن تعلیم کی قومی شاہراہ کیا ہے؟ جس پر ہم اندازہ لگا سکیں کہ کون اس شاہراہ پر رواں دواں ہے اور کون گلی کوچوں میں بھٹک رہا ہے۔ یہ باتیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں کہ اصل تعلیمی دھارا ہے کیا؟ اور تعلیم کی شاہراہ کیا ہے؟ اگر یہ بات مشخص ہو جائے تو پھر ہمارے لیے شاید ہر مدرسے اور تعلیمی ادارے کو جانچنا آسان ہو جائے گا اور ہم جان سکیں گے کہ کون کون سے ادارے صحیح سمت میں منزل کی طرف گامزن ہیں اور کن اداروں کے ذریعے نئی نسلیں گمراہ ہو رہی ہیں۔ میں نے یہ ایک سوال جس کا جواب میں خود بھی نہ دے پاتا، اس اجتماع کے سامنے رکھا ہے۔

بہت ساری چیزوں کو اصل منظر نامے کے حوالے سے نہیں دیکھا جاتا مثلاً مدارس کے بارے میں ہم عالمی جبر کا شکار ہیں۔ میڈیا میں مدارس کے بارے میں جس طرح کا تاثر گزشتہ دس بیس

Marfat.com

برس سے دیا جارہا ہے اور جو خصوصاً گیارہ ستمبر کے بعد سے مزید مستحکم ہوگیا ہے اس کی بناء پر مدارس کے بارے میں عام تصور بڑا تاریک ہے۔ اس کی بنیادی وجہ ہماری بے خبری ہے۔ مثلاً یہاں جو افراد بیٹھے ہیں انہوں نے مدارس کو دور سے دیکھا ہوگا۔ ممکن ہے اندر بھی جانے کا موقع ملا ہو لیکن انہیں مدرسے کے نظام اور نصاب کو زیادہ دقتِ نظری اور گہرائی کے ساتھ جائزہ لینے کا موقع شاید ہی ملا ہو۔ جو کچھ ہم میڈیا پر سنتے اور دیکھتے رہتے ہیں، کہ مدرسہ تنگ و تاریک کوٹھری کا نام ہے، بچے میلے کچیلے ہیں، قاری صاحب کے ہاتھ میں ڈنڈا ہے اور وہ مار رہے ہیں، یہ ایک غلط تاثر اور منفی تصور ہے جو ہمارے دل و دماغ میں جراثیم کی طرح پیوست ہے اور اکثر لوگوں نے کبھی اپنی ان معلومات کی اصلاح کی کوشش نہیں کی۔ دور رہ کر اندر کا اندازہ نہیں ہوتا۔ اگر قریب سے دقیقہ رسی کے ساتھ اس کا جائزہ لیا جائے تو اصل حقائق سامنے آئیں گے۔ ہم مشکور ہوں گے کہ ایسے حضرات مدارس میں تشریف لائیں اور ہمیں اچھے مشوروں سے نوازیں لیکن دور سے بیٹھ کر پتھر پھینکنا اور کردار کشی کرنا اور مدارس کا امیج اور تصویر خراب کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرنا ناانصافی ہے۔ مدارس کے بارے میں ایسی رائے رکھنے والوں کو سمجھنا چاہیے کہ کسی ایک مدرسے کے حالات کا پورے نظام پر اطلاق کرنے میں ہرگز کوئی معقولیت نہیں۔

ہمارے ملک میں ایک مکتبہ فکر کے مدارس کا ''وفاق المدارس'' کے نام سے ایک بورڈ قائم ہے جس سے کم و بیش دس ہزار مدارس منسلک ہیں اور بحیثیت مسلمان آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ ان مدارس میں جہاں اور بہت سے کام ہو رہے ہیں وہاں سالانہ پچاس ہزار بچے حفظ قرآن کی دولت سے مالا مال ہو رہے ہیں۔ یعنی یہ ایک بڑی پروڈکٹ ہے۔ آپ کیماڑی سے لے کر درہ خنجراب تک کا جائزہ لے لیجئے۔ آپ کو سرکاری سطح پر ایک مکتب بھی ایسا نظر نہیں آئے گا جو حفظِ قرآن کے لئے کسی کو تیار کر رہا ہو، لیکن ماشاءاللہ، یہ مدارس کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اس لئے میری گزارش ہے جو حضرات مدارس کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتے ہوں وہ مدارس میں ضرور جائیں۔ اور مدارس کے نظام اور نصاب کا زیادہ قریب سے مطالعہ کریں تو اُن کی رائے زیادہ وسیع اور

Marfat.com

بصیرت پر مبنی ہوگی اس کے بعد اگر کچھ تجاویز ہوں تو وہ زیادہ مبنی بر حقیقت ہوں گی۔

جو مدارس ہمارے یہاں قائم ہیں وہ ہماری ایک قومی مجبوری ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہو گا کہ مسلمانوں کے زوال اور برصغیر میں برطانوی استعمار سے پہلے مدارس کا نظام سیکولر نہیں تھا مگر پھر بھی ان ہی مدارس سے فوجی کمانڈر بھی تیار ہوتے تھے، انہی سے اطباء اور حکماء بھی نکلتے تھے، ان ہی سے بڑے بڑے فلاسفر بھی پیدا ہوتے تھے۔ ان ہی مدارس نے امت کو فقہا، محدثین اور مفسرین اور بڑے بڑے دینی سکالر بھی دیئے اور یہ ایک ہزار سال تک حکومتیں بھی چلاتے رہے۔ یوں ایک بچہ دینی جذبے سے سرشار ہو کر مختلف علوم و فنون میں ترقی کرتا تھا۔ ہماری شامت اعمال سے برصغیر اور دیگر علاقوں میں استعمار آیا اور اس نے اس نظام کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ ہماری درسگاہوں کے مخصوص نظام کو روندا اور بُری طرح پامال کیا گیا۔ لارڈ میکالے کا یہ تاریخی جملہ اب بھی کتابوں میں موجود ہے، ''ہمیں برصغیر میں نئے نظامِ تعلیم کے لئے منصوبہ بندی کرنی ہے اور ایسے لوگوں کو تیار کرنا ہے جو شکل و صورت میں ہندوستانی ہوں لیکن اپنے ذہن اور فکر سے برطانوی ہوں، انگریز ہوں۔ ہمیں اپنے دفتری نظام کو چلانے کے لیے اس قسم کے اداروں کی ضرورت ہے''۔

چنانچہ وہ ادارے قائم ہو گئے، اور ایک مخصوص تصور کے ساتھ وہاں تعلیم کا نظام جاری کیا گیا۔ بدقسمتی سے اسی نظام کا تسلسل ہمارے ہاں فعال چلا آ رہا ہے۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ آزادی کے بعد ہم اپنے قومی مقاصد کے پیشِ نظر ایک ایسا نظامِ تعلیم تشکیل دیتے کہ اُس میں دین اور دنیا کا فرق نہ ہوتا، ایک بچہ جو درسگاہ میں قدم رکھتا وہ بنیادی دینیات سے بھی سرشار ہوتا اور پھر مختلف لائنوں میں آگے جاتا۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اس انگریزی استعمار کا نظام بھی سیکولر تھا اور آج بھی ویسا ہی ہے۔ اس وقت بھی اس کا دین سے کوئی علاقہ نہیں تھا آج بھی یہ دین سے بے بہرہ ہے۔

ہمارے یہاں آپ کسی بھی اچھے سے اچھے تعلیم یافتہ آدمی کو دیکھ کر اور اس کی شخصیت کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی بنیادی دینی معلومات کا اندازہ لگانا چاہیں تو آپ کو حقیقت کا ادراک ہو

Marfat.com

گا۔ یہ ہمارا قومی دینی منظرنامہ ہے کہ ۱۸۵۷ میں جب برطانوی استعمار کا پنجہ مستحکم ہوا تو ہمارے فکر مند بزرگوں نے سوچا کہ ہمارا اقتدار تو ختم ہو گیا اب دین بھی خطرے میں ہے۔ بلکہ اقدار وروایات اور دینی علوم کو بھی خطرات لاحق ہیں تو انہوں نے اس خطرے کے سدِ باب کے لئے چھوٹے چھوٹے کمروں میں دو چار طلبہ کو جمع کر کے اس طریقے سے دینی تعلیم پر لگایا۔ بہت سے لوگوں کو شاید معلوم بھی نہ ہو کہ دارالعلوم دیو بند جس کا برصغیر میں ایک روشن نام ہے اور اس وقت برصغیر اور دنیا بھر میں ہزاروں مدارس اس کی شاخوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کی ابتداء کیسے ہوئی تھی؟ ایک درخت کے نیچے ایک استاد اور ایک شاگرد سے اس کا آغاز ہوا تھا۔ کوئی فنڈ تھا نہ کوئی عمارت۔ گویا اس طرح دینی علوم اور اقدار و روایات کے تحفظ کے لئے ان بزرگوں نے مدارس کا نظام بنایا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان جو دوسرے اداروں یعنی جدید کالجوں میں پڑھ رہے ہیں وہ تمام شعبوں میں جا رہے ہیں لیکن یہ کام کوئی بھی نہیں کر رہا جبکہ یہ ہماری قومی اور دینی ضرورت ہے۔ چنانچہ انہوں نے فرض کفایہ سمجھ کر اس کام کا بیڑا اٹھایا۔

آزادی کے بعد یہ ہونا چاہیے تھا کہ یہ نظام ثانوی درجے تک مشترک چلتا اور آگے مختص ہو جاتا۔ جس طرح آج کل مڈل کے بعد دو گروپ ہو جاتے ہیں آرٹس گروپ اور سائنس گروپ اور پھر میٹرک کے بعد اور گروپ ہو جاتے ہیں جن میں کامرس، میڈیکل، پری میڈیکل وغیرہ شامل ہیں۔ اس طرح یہ ہونا چاہیے تھا کہ ابتداء میں مشترک نظام تعلیم ہوتا، جس میں ریاضی، مختلف زبانیں (اُردو اور انگریزی وغیرہ) پڑھائی جاتیں۔ اس کے بعد انٹرمیڈیٹ کی سطح پر اس کی مختلف شاخیں ہوتیں جو کہ عصری مدارس میں اب بھی ہیں، لیکن یہ کام ابھی تک نہیں ہوا۔ اس وجہ سے یہ مدارس ابھی تک قائم ہیں اور ان میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ جس اخلاص اور جس جذبے کے تحت یہ کام کر رہے ہیں وہ جذبہ کسی اور طبقے میں پایا نہیں جاتا۔ صورت حال یہ ہے کہ مدارس سے متعلق دو باتیں کہی جا رہی ہیں۔ ایک یہ کہ مدارس قومی دھارے میں شامل نہیں ہیں اور دوسری یہ کہ یہاں سے فارغ التحصیل ہونے والوں کا کوئی مستقبل نہیں۔ ایک وفاق کے بارے

Marfat.com

میں عرض کروں کہ اس کے تحت دس لاکھ بچے پڑھ رہے ہیں اور یہ لٹریسی کی حیثیت حاصل کر کے خواندگی کی شرح میں اضافہ کر رہے ہیں۔ یہ ادارے ایسی جگہوں میں تعلیم دے رہے ہیں جہاں حکومت کا کوئی آدمی نہیں جاتا۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی مدرسے قائم ہیں اور صحراؤں اور جھگیوں میں بھی یہ موجود ہیں۔ گویا مدارس ایک قومی فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ دوسرا مدارس اتنے بچوں کی کفالت بھی کر رہے ہیں۔ اُن کو وظائف، خوراک، رہائش اور تعلیم مفت فراہم کی جاتی ہے۔ گویا یہ اتنی بڑی این جی او ہے کہ آپ کو دنیا میں کہیں بھی نظر نہیں آئے گی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ مفت کر رہے ہیں۔ یعنی اس سب کے باوجود قومی خزانے پر ایک پیسے کا بار نہیں ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

مدارس کا ایک حسن یہ بھی ہے کہ ان میں جو بچے پڑھ رہے ہیں الحمدللہ وہ بالعموم کسی غیر شرعی، غیر اخلاقی یا غیر شریفانہ حرکت میں ملوث نہیں ہیں۔ تقابل کر کے دیکھ لیا جائے کہ ہمارے ملک کی تمام تر ضروریات دیگر تعلیمی ادارے پورے کر رہے ہیں لیکن ان تعلیمی اداروں سے نکل کر آنے والی پولیس سے کسی کو تحفظ نہیں، ہسپتالوں سے علاج کی سہولیات میسر نہیں، عدالتوں سے انصاف دستیاب نہیں اور یہ سب ان قومی اداروں سے نکلے ہوئے رجال کار ہیں (الا ماشاءاللہ وہ افراد ہو جو انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں)۔

آپ کی معلومات کے لئے عرض کروں کہ گزشتہ کئی برسوں میں مدارس کا نظام اتنا مستحکم ہو گیا ہے کہ ہر طالب علم کے لئے میٹرک تک جنرل ایجوکیشن لازمی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ترقی کی کوئی حد نہیں ہے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ اس کو مزید بہتر بنائیں لیکن یہ کہنا ناانصافی پر مبنی ہے کہ مدارس قومی دھارے سے ہٹے ہوئے ہیں۔ درحقیقت یہ بے خبری کی علامت ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۱۱﴾

مولانا مقصود الحسن ڈومکی

کوئٹہ، بلوچستان

مورخین کے مطابق اسلامی لشکر کے ہاتھوں توران اور مکران کی فتح عہد فاروقی میں ہوئی۔ اس اعتبار سے بلوچستان کا معاشرہ قدیم زمانے سے ہی اسلامی اخلاق اور تہذیب وتمدن سے آشنا چلا آ رہا ہے۔ یہاں مضبوط قبائلی نظام موجود ہے جسے اگر چہ اسلامی نظام تو نہیں کہا جا سکتا مگر یہ اسلامی قوانین اور قبائلی روایات کی آمیزش کا مظہر ضرور ہے۔ یہ ایک مسلمان معاشرہ ضرور ہے اگر چہ اسے اسلامی معاشرہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

بلوچستان میں بلوچ، براہوی، دھوار، جاموٹ، پشتون اور ہزارہ قومیتیں آباد ہیں۔ اول الذکر چاروں اقوام بلوچ ہیں۔ بلوچستان کے اس قبائلی نظام میں سردار یا نواب کا مرکزی کردار ہے۔ یہ ایک موروثی عہدہ ہے جس میں لیاقت، قابلیت اور اہلیت کی شرط نہیں ہوتی، نہ ہی اس عہدے کے حامل افراد کا اپنی قوم کا ہمدرد اور عدل وانصاف کا داعی ہونا لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تدریجی طور پر ان کا اثر ورسوخ کم ہو رہا ہے۔ اس کے مقابلے میں دینی مدارس اور ان سے متعلق علماء کرام رفتہ رفتہ صوبہ کی سیاست میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ پشتو بیلٹ میں دینی مدارس کا کردار کہیں زیادہ ہے۔ قلات کے خوانین کے دربار میں بھی اگر چہ علماء اور قاضی موجود تھے لیکن ان کا

Marfat.com

اجتماعی اور سیاسی کردار محدود تھا۔ گزشتہ دہائیوں میں جہاں تیزی کے ساتھ اس صوبے میں مدارس کی تعداد میں اضافہ ہوا، اسی انداز میں ان کا مضبوط اور موثر سیاسی کردار سامنے آیا۔ اسّی کی دہائی میں جب امام خمینی کی قیادت میں ایران کا اسلامی انقلاب آیا تو اس نے یہاں کے مدارس اور علماء خصوصاً اہل تشیع کے مدارس پر گہرے انقلابی اثرات مرتب کیے۔ وہ علماء بھی جو کل تک سیاست کو شجر ممنوعہ بلکہ گناہ کبیرہ سمجھتے تھے اس وادی میں کود پڑے۔

ہمسایہ اور ہم عقیدہ ہونے کے باعث افغانستان میں طالبان کی تحریک اور اس کے قائم کردہ اسلامی نظام حکومت نے بھی ماضی قریب میں اس صوبے پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ افغان جہاد جس میں امریکی سرمائے اور پاکستانی ایجنسیوں کا اشتراک بھی تھا، اس میں بھی ان مدارس کو اہمیت حاصل ہوئی۔ سردار اور نواب کے آمرانہ اور جابرانہ رویہ کے مقابلے میں علماء صالح کردار کے مالک ہوتے ہیں۔ عوام سے محبت اور ہمدردی سے پیش آتے اور ان کے مسائل حل کرنا جانتے ہیں۔ ناز ونعم اور آسائشوں میں پلے اور عوام سے بے نیاز سردار کے مقابلے میں علماء غریب یا متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے جفاکش لوگ ہیں جن کا مدرسہ اکثر عوام کے چندے اور تعاون سے چلتا ہے۔ نماز، جمعہ اور عیدین کی امامت سے لے کر اجتماعی مذہبی تقریبات کی بدولت مدرسہ مسلسل عوامی رابطے کا مرکز رہتا ہے۔ مدارس کے علماء ہر فرد کے لیے بہ آسانی دستیاب ہیں جبکہ نواب سے ملنے کے لیے کئی گھنٹے بلکہ بعض صورتوں میں کئی کئی دن انتظار کرنا پڑتا ہے اور اس کے باوجود ملاقات یقینی نہیں ہوتی۔ بہت سے بڑے جاگیرداروں، سرمایہ داروں، نوابوں اور سرداروں کو اس پس منظر میں متعدد بار انتخابات میں سیاسی شکست دے کر مدارس سے وابستہ علمائے کرام نے معاشرے میں اپنے موثر کردار کو ثابت کر دیا ہے۔

تاہم اس تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی ہے جس کے منفی اثرات معاشرے میں ہر طرف نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہ تنگ نظری، شدت پسندی اور اسلام کا فرقہ وارانہ تصور ہے، جس کے باعث دینی مدارس سے کفر و شرک کے فتوے صادر ہوئے اور فرقہ وارانہ منافرت کو ہوا دی گئی۔ جبکہ حقیقت یہ

Marfat.com

ہے کہ اسلام امن و سلامتی اور اتحاد و اخوت جیسے آفاقی اصولوں پر قائم ہے۔ اور محسن انسانیتؐ نے مضبوط منطق و استدلال اور اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار سے آئین اسلام کی تبلیغ و ترویج کی۔ تمام انبیائے کرام انسانیت کی حریت و آزادی کا درس دینے کے لیے امن کے پیامبر بن کر آئے۔ انہوں نے کبھی جنگ، تشدد اور جارحیت کا راستہ اختیار نہ کیا۔ ان کی تلوار سلطنتوں کو فتح کرنے کے لیے نہیں بلکہ دفاع کے لیے اُٹھی۔

کفر و شرک کے قابل نفرت فتووں، منافرت اور قتل و غارت کی فضا میں بلاشبہ دینی مدارس کی اکثریت نے اتحاد بین المسلمین، اخوت اور بھائی چارے کا درس دیا لیکن بہر حال اس منفی پہلو کا سدباب از حد ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے دینی مدارس کے نصاب میں مختلف مکاتب فکر کو قریب لانے کے لیے ایک دوسرے کے عقائد سے تعارف کو شامل کیا جائے اور اختلافی نکات سے زیادہ متفق علیہ مسائل پر زور دیا جائے۔ صبر و تحمل اور برداشت و اتحاد کی تعلیم دی جائے۔

دینی مدارس سے وابستہ علمائے کرام کے معاشرتی کردار کا دوسرا منفی پہلو ان کا انتہائی محدود تصور اسلام ہے۔ ایسا اسلام جو ٹیلی وژن کا مخالف ہے، جہاں تصویر حرام ہے۔ عورتوں کی تعلیم ممنوع ہے، خواتین کا کوئی اجتماعی اور سیاسی کردار نہیں۔ جدید دور کے تقاضوں کو سمجھنا اور عالمی مسائل کے علاوہ غیر مسلموں کی اجتماعی، اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی تعلیمات سے عدم واقفیت مدارس کا عمومی مسئلہ ہے۔ جدید مفکرین، مصنفین اور دوسرے مکاتب فکر کے بزرگوں کی کتب کے مطالعہ سے ان مدارس میں وسعت نظر پیدا کی جا سکتی ہے۔ انبیائے کرامؑ جو عدل و انصاف کے علمبردار اور حریت و آزادی اور انقلاب کے داعی تھے ان کی وراثت کے مدعی علماء جمود اور غلامی کا شکار ہیں۔ جدید ترقی یافتہ زندگی سے ہم آہنگ ہونے کے لیے مدارس میں اجتہادی سوچ پیدا کرنا ہوگی۔ تیسرا پہلو اخلاقی ہے۔ وہ علماء جو تنگ دست تھے عام سیاست دان کی طرح اقتدار میں آنے کے بعد کروڑ پتی بن گئے۔ اسلام سے محبت رکھنے کے باوجود ایک بڑے طبقہ کی علماء سے دوری کا اہم سبب علماء کا کردار ہے۔ زہد و تقویٰ اور دنیاوی آسائشوں سے بے نیازی کا درس دینے والے

Marfat.com

علماء محلات اور گاڑیوں کے دلدادہ ہو گئے، جس کا اثر عام آدمی کی سوچ پر مرتب ہونا لازم ہے۔

بلوچستان جو تعلیمی حوالے سے پسماندہ صوبہ ہے یہاں دینی مدارس نے تعلیم کے فروغ کے لیے مثبت کردار ادا کیا ہے۔ مدارس میں میٹرک پاس طلبہ کو داخلہ دیا جاتا ہے جبکہ کئی مدارس میں ابتدائی تعلیم کا بندوبست بھی ہے۔ غریب، یتیم اور نادار طلبہ کی بھی ایک کثیر تعداد ان مدارس میں پڑھتی ہے۔ تاہم مدارس کے تعلیمی کردار پر تنقیدی نظر ڈالنے سے پہلے یہ بات مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ حکومت کی سرپرستی میں چلنے والے سکولوں اور کالجوں کا تعلیمی نظام بھی انتہائی بگڑا ہوا ہے جہاں نقل کا کلچر عام ہے۔ اکثر طلبہ کا مقصد علم حاصل کرنا نہیں بلکہ ڈگری لینا ہوتا ہے۔ علم جو بذات خود ایک فضیلت ہے فقط نوکری کے لیے حاصل کیا جاتا ہے۔ علم اور استاد کا تقدس ان اداروں میں ناپید ہے۔ ان اداروں میں تعمیر کردار پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ جس طرح دینی مدارس میں مروجہ جدید علوم حاصل کرنے کی اہمیت پر زور دیا جا رہا ہے اس سے کہیں بڑھ کر سرکاری تعلیمی اداروں میں اسلامی تعلیم رائج کرنا ضروری ہے۔ اسلامیات کا مضمون تو ان اداروں میں ہے مگر یہاں کالج تک پڑھے طلبہ قرآن کریم کی تلاوت تک نہیں سیکھ پاتے۔

جہاں تک دینی مدارس کے تعلیمی کردار کا تعلق ہے۔ ان مدارس میں طلبہ اپنے ابتدائی چار سال عربی گرائمر یعنی صرف ونحو پر صرف کر دیتے ہیں مگر افسوس کہ اس کے بعد ۱۰ سال عربی پڑھنے کے باوجود عربی بولنا ان کے لیے ناممکن ہوتا ہے۔ بہت سے طلبہ اس مدت میں گھریلو پریشانیوں کے باعث تعلیم چھوڑ کر کسی مسجد میں لگ جاتے ہیں۔ جس کے باعث وہ عربی گرامر سے تو کسی حد تک آشنا ہوتے ہیں مگر اسلام سے نہیں۔ ان کا پورا تصور اسلام فقہ کی کتاب ''توضیح المسائل'' تک ہی محدود ہوتا ہے۔ مدارس میں پڑھائے جانے والے نصاب کا کوئی خریدار نہیں اور نہ ہی یہ نصاب معاشرتی ضروریات سے ہم آہنگ ہے۔ دنیا کی کسی یونیورسٹی، کالج یا اسکول میں ایک ہی نصاب ۵۰ سال یا ایک صدی تک نہیں پڑھایا جاتا مگر ہمارے دینی مدارس میں یہی روایت جاری وساری

Marfat.com

ہے۔ان مدارس کے طلبہ تقریر کی تو صلاحیت بہ امر مجبوری حاصل کر لیتے ہیں مگر تصنیف وتحریر اور ترجمے کی مہارت حاصل نہیں کر پاتے۔

بلاشبہ مدارس کا موجودہ نصاب اب تجدید نظر کا متقاضی ہے مگر مدارس کے نظام یا نصاب میں کسی ترمیم یا اصلاح کی کوشش سرکاری سطح پر کرنا بے سود ہوگا یہ کام علمائے کرام، اصحاب مدرسہ یا ان کے وفاق خود انجام دیں تو نتیجہ خیز ہوگا اس کے لیے حکومت انہیں مواقع اور آسانیاں فراہم کرے۔ خصوصاً موجودہ سیکولر حکومت جو امریکہ کی دوست ہے اور اسکے ایجنڈے پر عمل پیرا ہونے کی دعویدار ہے، اس کے حوالے سے علمائے کرام کو تحفظات ہیں۔مدارس کے تعلیمی نظام اور نصاب کی اصلاح میں مندرجہ ذیل نکات قابل ذکر ہیں:

۱- مدارس کی ایک اہم ذمہ داری معاشرے کو خطیب، امام جماعت، مبلغ اور قرآن کریم کی تعلیم دینے کے لے استاد کی فراہمی ہے۔اس شعبہ سے وابستہ طلبہ کو متعلقہ دینی کورس پڑھانے کے ساتھ ساتھ دعوت وتبلیغ کے نئے طریقے اور جدید تکنیک اور تعلقات عامہ (Public Relation) کا کورس کرایا جائے۔

۲-حکومت اگر چاہے تو معاشرے میں دینی مدارس کے کردار کو وسعت دے سکتی ہے۔عدالتوں میں قاضی کا تقرر ہو یا اسکولوں اور کالجوں میں عربی، فارسی اور اسلامیات کی تعلیم، یہاں ایسے افراد کو ذمہ داری دی جاسکتی ہے۔البتہ ہر شعبہ کے لیے مخصوص نصاب ہونا چاہیے۔مدارس کے اساتذہ کی تربیت بھی انتہائی ضروری ہے۔حکومت کے تعاون یا اس کے بغیر علماء ملک میں بعض ایسے مدارس قائم کریں جہاں شیعہ سنی دیوبندی بریلوی اور اہلحدیث مکاتب فکر کی اکٹھے تعلیم دی جائے اور ایک دوسرے کی فکر کو پڑھا جائے تا کہ اتحاد واتفاق کے لیے کام آسان ہو۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۱۲﴾

مولانا عبدالرشید غازی

جامعۃ العلوم الاسلامیہ الفریدیہ۔ اسلام آباد

[مولانا عبدالرشید غازی کا یہ مقالہ خصوصیت سے خواتین کی دینی تعلیم اور ان کے مدارس کے بارے میں ہے جو انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کے سیمینار منعقدہ ۶ مئی ۲۰۰۴ء میں پڑھا گیا۔]

نحمده و نصلي على رسوله الكريم. أعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم ط بسم الله الرحمٰن الرحيم ط قل هل يستوي الذين يعلمون والذين لايعلمون. انما يتذكر أولوا الألباب. صدق الله العظيم

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کی جانب سے ایک ایسے موقع پر راؤنڈ ٹیبل کا اہتمام جب مدارس دینیہ کے خلاف منفی پروپیگنڈہ اپنے عروج پر ہے، قابل تحسین ہے۔

حق تعالیٰ کو اپنی مخلوق بہت پیاری ہے، محبت و شفقت خداوندی اور اس کے دین کی قدر و عظمت کا اندازہ علمِ دین سیکھے بغیر نہیں ہوسکتا اور حقیقت یہ ہے کہ علم ہی کی بدولت پروردگار عالم نے انسان کو اپنی خلافت کا تاج پہنایا اور مسجودِ ملائکہ بھی بنایا۔ وگرنہ عبادت و اطاعت کے لحاظ سے انسان ملائکہ سے بہت پیچھے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر غور فرمائیں جس میں ملائکہ کے بارے میں فرمایا۔ ---لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَايُؤْمَرُوْنَ ۝ (۶۶:۶) (جو کبھی اللہ کے ذکر کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے بجالاتے ہیں)۔

Marfat.com

قرآن وحدیث میں بیسیوں مقامات پر فضائل علم کو بڑے زوردار الفاظ میں بیان کیا گیا ہے مثلاً یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُو الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ط (۵۸:۱۱) (تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے، اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا)۔ دوسری جگہ فرمایا کہ قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ط(۳۹:۹) (ان سے پوچھو، کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں کبھی یکساں ہو سکتے ہیں؟)۔

پھر سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ آپ علم میں اضافے کی دعا مانگا کیجئے۔ فرمایا قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۔ یوں متعدد احادیث نبویہ میں فضیلت علم اور اس کی تحصیل و تعلیم کے متعلق ترغیب و تاکید موجود ہے مثلاً تعلموا العلم و علموه الناس (''علم سیکھو اور اسے لوگوں کو سکھاؤ'')۔ اسی طرح طلب العلم فریضة علی کل مسلم (علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے)۔ پھر ارشاد ہوا من سلک طریقاً یلتمس فیه علما، سهل الله له طریقا الی الجنة ۔ کہ جو شخص علم دین حاصل کرنے کے راستہ پر چلے گا حق تعالیٰ ایسے شخص کیلئے جنت کی راہ آسان کر دیتے ہیں، ارشاد فرمایا من خرج فی طلب العم فهو فی سبیل الله حتیٰ یرجع ۔ (جو شخص طلب علم کیلئے نکلا، وہ خدا تعالیٰ کے راستے میں ہے یہاں تک کہ واپس لوٹے)۔

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ بے شک فرشتے طالب علم کیلئے اپنے بازو (پر) بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لیے آسمانوں اور زمین کی مخلوق اور مچھلیاں پانی میں استغفار کرتی ہیں۔ فرمایا من یرد الله به خیراً ایفقهه فی الدین ۔ کہ حق تعالیٰ جس شخص سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں، اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما دیتے ہیں۔

علم کے حوالے سے دینی مدارس کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود اسلام کی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہوا وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ج

Marfat.com

(۱۶۴:۳) (اوران کو کتاب اوردانائی کی تعلیم دیتا ہے)۔آپ ؐ کا اپنا ارشاد انما بعثت معلما (مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے)،تعلیم وتعلم کی اہمیت بتانے کے لئے کافی ہے۔

قرون اولیٰ سے لے کر آج تک مسلمانوں نے دینی علوم کی جذبہ ولگن کے ساتھ نہ صرف حفاظت کی ہے بلکہ اس کی ایسی تدریسی، تصنیفی وتالیفی،تحقیقی اوراشاعتی خدمت انجام دی ہے کہ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصراور عاجز ہے۔ جملہ علوم دینیہ واسلامیہ کی خدمت کا یہ سہرا دینی مدارس اور علماء اسلام کے سر پر سجا ہوا نظر آتا ہے، چودہ سو برس سے تسلسل کے ساتھ یہ خدمت انجام دی جارہی ہے۔

اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ پاکستان کے مطالبہ کی بنیاد یہ تھی کہ ایک ایسے ملک کا قیام عمل میں لایا جائے جہاں اسلامی نظام نافذ کیا جا سکے اور جہاں مسلمان آزادی کے ساتھ اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگیاں گزاریں۔ دوسری جانب یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلامی معاشرہ کے قیام اوراس کی بقاء قرآن وحدیث کی تعلیمات کے بغیر ممکن نہیں ہے۔اس تناظر میں پاکستان میں مدارسِ دینیہ کا مقصد معاشرے کیلئے ایسے رجال کار پیدا کرنا ہے جو اسلامی تعلیمات کے ماہر ہوں اور مسلمان معاشرے کا اسلام سے ناطہ جوڑنے، اور مسلمانوں میں اسلام کی بنیادی اور ضروری تعلیم عام کرنے کے علاوہ معاشرے میں اسلامی تہذیب وتمدن کی ابدی صداقتوں کو اجاگر کرنے کا عظیم فریضہ سرانجام دے سکیں۔حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے میں بنیادی کردار مدارس دینیہ کا ہے۔اسلام کے ساتھ سچی وابستگی اور والہانہ محبت قائم کرنے میں بڑا کردار علماء نے ہی ادا کیا ہے۔اور یہ علماء کرام انہی دینی مدارس کے تیار کردہ لوگ ہیں جنہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں روکھی سوکھی پر قناعت کر کے اسلام کی شمع روشن رکھی۔

رسول اللہ ؐ کا ارشادگرامی ہے۔ کل مولودٍ یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ أو ینصرانہ أو یمجسانہ ٥ (ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر اسے اس کے ماں باپ، یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں)۔مطلب یہ ہے کہ پیدائش کے بعد بچے کو ابتدأ میں جو ماحول

Marfat.com

ملتا ہے وہ اسی میں رنگ جاتا ہے۔ اس حدیث مبارکہ کے اندر اولاد کے عقائد کو بنانے یا بگاڑنے کی اصل کو ماں باپ دونوں کی طرف منسوب فرمایا گیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اولاد کی تربیت میں ماں کا دخل باپ سے زیادہ ہی ہوتا ہے کیوں کہ باپ عام طور پر بیرونِ خانہ مصروف رہتا ہے اور ماں درونِ خانہ، جس کی وجہ سے اولاد کا سابقہ ماں سے زیادہ پڑتا ہے (بلکہ مغربی ماہرین بھی یہی کہتے ہیں کہ ماں بچے کا پہلا استاد ہے)۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ماں کی تربیت کا اثر بھی نسبتاً زیادہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ماں کی گود کو اولاد کیلئے پہلا مدرسہ کہا گیا ہے جس میں وہ تربیت حاصل کرتی ہے اور یہ بھی تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ''العلم فی الصغر کاالنقش فی الحجر'' یعنی بچپن کی تعلیم و تربیت کا اثر دل پر ایسا منقش ہوتا ہے کہ پتھر پر لکیر ثابت ہوتا ہے۔

ارشادِ نبویؐ ہے ''بلغوا عنی ولو آیة'' (مجھ سے جتنا علم حاصل کرو، وہ دوسروں تک پہنچاؤ اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو)، یعنی جس کو دین کی جو بات معلوم ہو وہ دوسروں تک پہنچائے۔ یہ خطاب بھی مرد اور عورت دونوں کو ہے لہٰذا دین کی تبلیغ کا فریضہ ہر مسلمان مرد اور عورت پر ہے۔

ایک اچھے معاشرے کی تشکیل کیلئے ماں کے صاف ذہن اور پختہ سوچ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ میڈیکل سائنس نے بھی یہ ثابت کر دیا ہے کہ عورت کی جسمانی اور ذہنی صحت اور سوچ کے مطابق بچے کی نصف سے زیادہ شخصیت پیدائش کے وقت تشکیل پا چکی ہوتی ہے۔ گویا بچہ اپنی ذہنی نشو و نما کا پچاس فیصد حصہ اپنی ماں کے پیٹ ہی میں حاصل کر لیتا ہے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے لکھا ہے کہ ایک شخص ایک بچے کو میرے پاس لایا اور کہا کہ حضرت! اس کو قرآن پڑھائیں۔ میں نے بچے کو بٹھایا اور کہا کہ پڑھو الحمد للہ۔ بچے نے بسم اللہ سے الحمد للہ شروع کیا اور پڑھتا رہا حتیٰ کہ قرآن مجید کا بہت سا حصہ زبانی سنا دیا۔ میں نے بچے سے پوچھا کہ بیٹے! آپ نے کہاں سے پڑھا ہے؟ بچے نے عرض کیا کہ میں نے اپنی ماں کی گود میں

Marfat.com

پڑھا ہے جب وہ مجھے سلانے کیلئے لوری دیتی تھی تو قرآن پڑھتی تھی اور اس طرح مجھے قرآن کا اتنا حصہ یاد ہو گیا۔ اس پر میں نے اس شخص سے کہا کہ بچے کو اسی مدرسے میں داخل کرو جہاں سے اس نے اتنا قرآن یاد کیا ہے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ماں ہی گھر کی مصلح ہوتی ہے۔

ماؤں کی سیرت و کردار، علم و فضل اور معمولات بچے کی شخصیت و ذات پر اس کی ولادت سے پہلے یعنی دوران حمل ہی سے اثر انداز ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور بچے کی شخصیت کی تعمیر پر گہرے نقوش چھوڑتے ہیں۔ اس بات سے ماں کی تعلیم کی اہمیت کا مزید اندازہ ہوتا ہے کہ ماں کا کام محض بنی نوع انسان کی بقاء کیلئے بچے کو جنم دینا ہی نہیں بلکہ انسانیت کی بقاء کے لیے اس بچے کو انسان بنانا بھی ہے۔ بلاشبہ ماں کسی بھی معاشرے کی بالواسطہ حکمران ہے جس کے ہاتھوں معاشرے کے معمار تیار ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان مائیں عظیم انسان تیار کرتی ہیں جو بڑے اور عظیم مقاصد کے حصول کیلئے کام کرتے ہیں۔ اور جو زندگی کا ایک ایک لمحہ اور کل سرمایہ حیات ان مقاصد کے حصول کی کوششوں میں صرف کرتے ہیں، جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلیفہ بنا کر دنیا میں بھیجا ہے۔

معلم اعظمؐ نے اپنی تعلیم کو صرف مردوں کے طبقے تک محدود نہیں رکھا بلکہ آپؐ نے خواتین کے طبقے کو بھی استفادے کا موقع دیا۔ خواتین نے مطالبہ کیا کہ ہمیں بھی وقت ملنا چاہئے تو آپؐ نے ان کے لئے علیحدہ وقت مقرر فرمایا جس میں ان کے مسائل کو بغور سنتے اور جواب دیتے۔ حضور اکرمؐ نے ہفتے میں ایک دن خواتین کیلئے خصوصی طور پر مقرر فرمایا تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ خواتین نے حضورؐ سے مطالبہ کیا تو آپؐ نے ایک جگہ کا تعین فرمایا اور وہاں انہیں تعلیم دی۔ خواتین آپؐ سے سوال کرتیں اور آپؐ انہیں جواب عطا فرماتے۔ خاص اوقات میں مجلس منعقد ہوتی اور آپؐ خواتین کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرتے۔

حضورؐ کے اس طرز عمل سے دو نتیجے نکلتے ہیں:-

(۱) اسلامی نظام تعلیم میں عورتوں کی تعلیم کا انتظام علیحدہ ہونا چاہیے۔

Marfat.com

(۲) عورتوں کا نصاب کچھ مختلف ہونا چاہئے کیونکہ ان کی عملی زندگی مردوں سے مختلف ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان عورتوں میں تدریس کا آغاز سیدہ عائشہؓ سے ہوتا ہے۔ بعد میں تابعیات میں بڑے پیمانے پر یہ سلسلہ چل نکلا۔ چوتھی صدی تک خواتین نے گھروں کو ہی تعلیم و تربیت کا مرکز بنائے رکھا۔

اسی طرح اشاعتِ دین یعنی قرآن و حدیث کو امت تک پہنچانے کا فریضہ صحابہ کرامؓ کی طرح صحابیاتؓ نے بھی انجام دیا۔ چنانچہ صحابیاتؓ کی روایت کردہ احادیث سے حدیث کی کوئی معتبر کتاب خالی نہیں ہے، بلکہ بعض صحابیاتؓ کی روایات بہت سے صحابہ کرامؓ سے زیادہ ہیں۔ یہ بات کتنی اہم ہے کہ حضرت ابوھریرہؓ کے بعد جس ہستی کی مرویات کی تعداد سب سے زیادہ ہے وہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ہیں۔ آپ نے نبی اکرمؐ کی گھریلو زندگی کے حوالے سے دین کا بہت بڑا حصہ ہم تک پہنچا کر بہت عظیم دینی فریضہ سرانجام دیا ہے۔ غرضیکہ تاریخ شاہد ہے کہ صحابیاتؓ نے دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جن میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ حصہ نہ لیا اور معاشرہ میں مؤثر کردار ادا نہ کیا ہو۔

مشکوٰۃ شریف سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد عمر دمشق کے جامعہ میں 500 طالبات مقیم رہ کر علم حاصل کرتی تھیں۔ حکیم ترمذی اپنے حالات زندگی میں لکھتے ہیں کہ میں نے لڑکپن میں سات معلمات سے علمِ حدیث حاصل کیا۔

بی بی مریم اندلسیہ نے چوتھی صدی ہجری میں اشبیلیہ میں درسگاہ قائم کی جس میں علم کا شوق رکھنے والی خواتین دور دور سے آ کر ان سے تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ وہ ان کو بڑی محنت اور توجہ سے دینی علوم کے علاوہ علمِ بیان و بدیع، شعر و ادب کی تعلیم بھی دیا کرتی تھیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کی درسگاہ کے معیار کی بناء پر جو خواتین ان کی درسگاہ سے فارغ التحصیل ہوتیں اکثر بڑے اور معزز خاندان انکے رشتے کے خواہش مند ہوتے۔

اندلس کی عالمہ فاضلہ بنت محمد نے اپنا بہت بڑا مدرسہ کھولا جس میں عورتوں کو ہر قسم کی تعلیم دی

Marfat.com

جاتی تھی۔ بنت محمد اپنے وقت میں المعلمہ کے نام سے مشہور تھیں۔ مجاہد اعظم صلاح الدین ایوبیؒ کی ایک بہن ایک عالمہ فاضلہ خاتون تھیں۔ انہوں نے دمشق کے مقام جبل قاسیون میں ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کروایا جو مدرسہ خاتونیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ انہوں نے مدرسہ کے اخراجات کو پورا کرنے کیلئے ایک بڑی جائداد اس کے لیے وقف کی۔ ان کی وفات کے بعد اسی مدرسہ میں انہیں دفن کیا گیا۔

ابن حجر نے اپنی تصنیف الاصابه فی تمییز الصحابه، میں اسلام کے قرون اولیٰ کی پندرہ سو تینتالیس محدث خواتین کے سوانح حیات جمع کیے ہیں۔ النووی نے اپنی کتاب، تہذیب الاسماء میں، الخطیب البغدادی نے تاریخ بغداد میں اور السخاوی نے الضوء اللامع میں بہت سا حصہ اُن خواتین کے حالات کے لیے وقف کیا ہے جنہوں نے علم و فضل میں کمال حاصل کیا۔ (اسلامی عہد میں تعلیم نسواں (مقالہ) صفحہ ۱۰۹)

لہٰذا تاریخ اسلامی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرون اولیٰ اور قرون وسطیٰ کے دور میں بچیوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی جاتی اور انہیں علم و ادب کے جوہر سے آراستہ کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت کی خواتین نہ صرف علوم دینیہ کے مختلف شعبوں پر کامل عبور رکھتی تھیں بلکہ طاعت و عمل کے میدان میں بھی ان کا کردار قابل رشک تھا۔ ان کے اسی کردار کی برکت تھی کہ انہوں نے ایسی ایسی مشاہیر شخصیات کو جنم دیا جن کی تاریخ پڑھتے وقت آج کے قارئین کی عقلیں ورطہء حیرت میں پڑ جاتی ہیں۔

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ آج ہم نے اپنی خواتین کو مادہ پرستی کی ایسی دوڑ میں لگا دیا ہے کہ وہ اپنا اصل کردار اور مقام بھول گئی ہیں۔ اکثر خواتین نے تو چراغِ محفل بننے کو زندگی کا مقصد سمجھ لیا ہے۔ لہٰذا ان کا زیادہ وقت یا تو زیب و زینت میں گزرتا ہے یا آرائش و زیبائش کا سامان مہیا کرنے میں۔ جو شریف یا قدرے دیندار گھرانے ہیں، ان کی خواتین فقط گھر اور بچوں کی دیکھ بھال کو ہی مقصدِ زندگی سمجھتی ہیں۔ آج خواتین میں دینی مسائل کو سیکھنے اور اعمالِ صالحہ کا شوق

Marfat.com

رخصت ہو چکا۔ جب کوئی خاتون ان اعمال اور ان طور طریقوں سے ہی نا آشنا رہے گی جن سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا حاصل ہوتی ہے تو پھر نہ صرف وہ خود غفلت بھری زندگی گزارے گی بلکہ وہ پورے خاندان کیلئے تباہی کا موجب بنے گی۔ آج کل دنیا میں تعلیم نسواں کا راگ بھی بڑی شدومد سے الاپا جاتا ہے لیکن تعلیم نسواں کے نام پر ایسی تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ ان میں مادیت پرستی کے سوا کوئی فکری اور روحانی تبدیلی پیدا نہیں کرتی۔ لہٰذا طالبات ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر جاتی ہیں لیکن صحیح طرح سے کلمہ طیبہ نہیں پڑھ سکتیں۔

یورپ پروپیگنڈہ کے فن میں خوب ماہر ہے۔ اس نے اپنی خواتین کی بے حیائی و بے راہ روی کا نام آزادی رکھا ہوا ہے۔ اور ہماری خواتین کی حیا و عصمت کو غلامی سے تعبیر کیا ہے۔ اس کج اندیشی کا کیا علاج کہ وہ اپنی عورت کی بے حیائی کو معراجِ نسوانیت سمجھتا ہے اور ہماری عورتوں کے تقدس کو پستی قرار دیتا ہے۔ بہرحال یورپ کو اس کج اندیشی کی خوفناک سزا مل رہی ہے۔ اس کا خانگی سکون درہم برہم ہو چکا ہے۔ اس کی خواتین متاعِ بازار بن چکی ہیں۔ طلاقوں اور خودکشیوں کی کثرت سے اس کی زندگی لعنت بن گئی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یورپ کو جلد ہی اسلام کی روشن ہدایات کے سامنے جھکنا پڑے گا۔

تہذیبی کشمکش کے تناظر میں جب یہ دیکھا گیا کہ مسلمان کسی طرح بھی قابو میں نہیں آتے اور جبر و تشدد اور قوت و طاقت سے ان کا مقابلہ مشکل تو کیا بلکہ ناممکن ہے تو مخلوط طرز تعلیم کا زہرِ قاتل مسلمانوں کی طرف منتقل کرنا شروع کر دیا گیا۔ اس طرح مسلمانوں کی دینی و ایمانی غیرت و حمیت کو پگھلا کر نیست و نابود کرنا آسان و سہل ہو گیا۔ کیونکہ مرد و عورت کے اختلاط سے معاشرہ میں وہ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، جس سے پورا معاشرہ متعفن و بدبودار ہو کر رہ جاتا ہے۔ شرم و حیاء جو ایک قیمتی انسانی جوہر ہے، زمانہ طالب علمی بلکہ نوعمری ہی میں ختم ہو جاتا ہے۔ امریکہ کے ہائی سکولوں میں طالبات کی تعداد کم ہو رہی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دورانِ تعلیم ہی حاملہ ہو جاتی ہیں۔ کچھ لڑکیاں ہائی کلاسوں میں پہنچنے سے پہلے ہی اس مصیبت میں پھنس جاتی ہیں۔

Marfat.com

بدقسمتی سے یورپ کی دیکھا دیکھی ہم بھی آزادی کے نام پر عورت کو اسکے اصل مقاصد سے بہت دور لے جا رہے ہیں جسکا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہمارے ملک کا نصف سے بھی زیادہ آبادی پر مشتمل خواتین کا طبقہ، قوم کی فکری بالیدگی میں اپنا تعمیری کردار ادا کرنے سے قاصر ہے۔ ماضی کے جس دور میں عورت خاندان کی تعمیر میں اپنے کردار کو سمجھتی تھی، وہ دور دنیا میں اسلام کا سنہری دور کہلاتا ہے اور اب جبکہ یہ طبقہ اپنے کردار سے غافل ہے قوم ٹھوکریں کھا رہی ہے۔

مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ علماء کرام، خواتین کی تعلیم پر بوجوہ ایک عرصہ تک کما حقہ توجہ نہ دے سکے۔ لیکن اب ایک عرصہ سے علماء کرام نے خواتین کی تعلیم پر بھرپور توجہ دینی شروع کی ہے۔ خواتین کے لئے مدارس قائم کرنے اور چلانے میں بہت سے مسائل اور رکاوٹیں ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑی پریشانی کا سبب تو ہماری حکومتوں کا رویہ ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ عصری علوم کے لیے قائم کیے جانے والے خواتین کے کالج اور یونیورسٹیوں کے ساتھ ساتھ حکومت خود خواتین کی دینی تعلیم کے لئے مدارس کا قیام عمل میں لاتی۔ لیکن افسوس اور دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اسلام کے نام پر قائم ملک کے پبلک سیکٹر میں خواتین کیلئے کوئی معیاری دینی درسگاہ نہیں ہے۔ دوسری طرف ہمارے وہ علماء جن کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ وہ خواتین کے حقوق میں دلچسپی نہیں رکھتے انہوں نے اس میدان میں قدم رکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے پاکستان میں خواتین کے سینکڑوں مدارس قائم کر دیئے۔ صرف وفاق المدارس کے ساتھ منسلک مدارس کی تعداد سینکڑوں سے تجاوز کر چکی ہے۔ واضح رہے کہ خواتین کے دیگر مدارس کی تعداد بھی کم نہیں۔

مدارس چلانا اگر چہ ایک انتہائی مشکل اور کٹھن کام ہے لیکن خواتین کے مدارس چلانے میں اضافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً

ا۔ ایک عرصہ تک خواتین کی دینی تعلیم وتربیت پر توجہ نہ ہونے کی بناء پر قابل اور اچھی معلمات کا ملنا ایک انتہائی مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

۲۔ ہاسٹل میں رہائشی بچیوں کے لیے غیر معمولی حفاظتی انتظامات کرنے پڑتے ہیں جس کے دوران ذہنی پریشانی کے علاوہ اچھے خاصے اضافی اخراجات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۳۔ بچیوں کو ان کے والدین سے ملاقات کرانے کے لیے خواتین اور دوسری طرف مرد نگران عملہ کا بندوبست کرنا پڑتا ہے۔

۴۔ بیماری کی صورت میں انہیں ہسپتال لے جانے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ سپیشل گاڑی کا بندوبست ہو اور دو یا تین معلمات ان کے ساتھ ہوں۔

خواتین کے مدارس چلانے میں اس کے علاوہ دیگر چھوٹے چھوٹے بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کے ذکر کے لیے طویل وقت کی ضرورت ہے۔ لہٰذا میں اپنی معروضات کو انہی گزارشات تک محدود رکھتا ہوں۔

☆☆☆☆

Marfat.com

دینی تعلیم اور تحقیق وصحافت

روایت، عصری تناظر اور معیار

- حافظ حسن مدنی
- ڈاکٹر قبلہ ایاز
- ابوعمار زاہد الراشدی
- پروفیسر عبدالجبار شاکر
- ڈاکٹر محمد امین
- ڈاکٹر احسن اختر ناز
- مولانا عبدالرحمٰن مدنی
- ڈاکٹر مغیث الدین شیخ
- ڈاکٹر مسکین علی حجازی
- ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
- مرزا محمد الیاس
- عاطف وحید
- ڈاکٹر نعیم قریشی

Marfat.com

Marfat.com

﴿۱﴾

حافظ حسن مدنی

مدیر ماہنامہ ''محدث'' (لاہور)، رکن مجلس تحقیق الاسلامی-لاہور

سب سے پہلے تو مجوزہ موضوع کے بارے میں چند گزارشات پیش خدمت ہیں۔

تحقیق وصحافت دونوں کے دائرہ ہائے کار اور تقاضے جداگانہ ہیں۔ صحافت ابلاغ کا اہم ترین ذریعہ ہے اور سادہ ترین الفاظ میں اس کا بنیادی اصول عوام الناس تک اپنی بات پہنچانا ہے، جس میں قاری کی دلچسپی کا عنصر بطور خاص ملحوظ رکھنا پڑتا ہے جبکہ فن تحقیق سنجیدہ اسلوب اور معروف نظام کے تحت حقائق تک پہنچنے کی کوشش کا نام ہے۔ اس لحاظ سے تحقیق کے ساتھ تصنیف وتالیف کو تو زیر بحث لایا جاسکتا ہے کیونکہ مختلف دینی اداروں میں شعبہ ہائے تحقیق وتصنیف کام بھی کر رہے ہیں، لیکن تحقیق وصحافت کی ترکیب موزوں نہیں ہے۔

جدید استعمار نے فکری کوششوں سے بڑھ کر اپنے ابلاغی تسلط کے ذریعے عام پڑھے لکھے لوگوں میں یہ تاثر قائم کرنے کی بڑی کوشش کی ہے کہ دینی مدارس کو علم وتحقیق سے کیا واسطہ! بلکہ دینی حلقوں کو وہ اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ یہاں صرف تعصب اور فرقہ وارایت کا دور دورہ ہے۔ گویا ایسی فضا میں علم وتحقیق پروان چڑھ ہی نہیں سکتی۔ مدارس کے بارے میں یہ عام تصور غیروں کا پیدا کردہ ہے جس کی وضاحت کے لیے ہماری گزارشات حسب ذیل ہیں:

Marfat.com

مسلمانوں کا روایتی نظام تعلیم: دینی مدارس

بلاشبہ دینی مدارس مسلمانوں کے اس تاریخی اور روایتی نظام تعلیم کا تسلسل ہیں، جس سے مسلمانوں کی درخشندہ علمی روایات وابستہ ہیں۔ مدرسہ نظامیہ بغدادیہ (قیام ۴۵۹ھ/۱۰۶۶ء، جسے معروف مؤرخ فلپ ہٹی نے ''عظیم اسلامی یونیورسٹی'' قرار دیا ہے) سے باضابطہ ''درس گاہ'' کی شکل میں یہ نظام تعلیم جاری ہوا اور اس کو مروج ہوئے کم وبیش ۹ صدیاں ہو چلی ہیں۔

مدرسہ نظامیہ پہلا ایسا مستقل مدرسہ ہے جو خالصتاً تعلیم کے فروغ کی غرض سے ادارہ جاتی سطح پر قائم کیا گیا، اس سے قبل قائم ہونے والی درسگاہیں زیادہ تر مساجد کے ساتھ ہوتی تھیں جن میں درس گاہ مسجد نبویؐ (۱ھ)، مسجد کوفہ (۱۷ھ)، جامع عمرو بن العاص قاہرہ (۲۰ھ)، جامع منصور بغداد (۱۴۵ھ) اور جامعہ قرویین مراکش (۲۴۵ھ) وغیرہ بطور خاص نمایاں ہیں۔

مصر، بغداد اور دمشق کے علاوہ قرطبہ وغرناطہ میں یہی نظام تعلیم مسلمانوں میں رائج رہا جو بعد ازاں مشرقی پھیلاؤ سے وسط ایشیا پھر غور، غزنی اور خراسان کے راستے لاہور، دہلی، آگرہ، لکھنؤ اور اجمیر میں بھی پہنچا۔ برصغیر پاک و ہند کے قدیم نظام تعلیم کی تحقیق پیش کرتے ہوئے مولانا عبدالحیؒ (والد مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ) نے ۱۹۰۹ء میں مجلّہ ''الندوہ'' میں اور اس سے کچھ عرصے بعد مولانا ابوالحسنات ندوی نے اس نظام تعلیم کے تاریخی خدوخال کو تحقیقی اسلوب میں پیش کیا، جس کی رو سے انہوں نے برصغیر کے نظام تعلیم کو چار اور پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ واضح رہے کہ اسی نظام تعلیم کے تحت اندلس کی درس گاہوں میں شریعت وزبان کے علوم کے علاوہ کیمیا، فلکیات، ہندسہ، طب، نباتیات، حیوانیات، فلکیات اور فلسفہ ومنطق (سائنسی علوم) کی تعلیم بھی دی جاتی تھی جبکہ ہندوستان کے نصاب تعلیم کے تیسرے دور (دورِ اکبری جو ۱۵۸۳ء سے شروع ہوتا ہے) میں درسِ نظامی میں ہی علم طب، علم ہیئت اور علم ریاضی جیسے سائنسی علوم کا بھی اضافہ کیا گیا۔ انہی علوم میں سے موجودہ دینی مدارس میں آج بھی علم ہیئت کی کتاب شرح چغمینی (فلکیات) اور علم ہندسہ

Marfat.com

(اقلیدس) درس نظامی میں شامل نصاب ہے۔

مسلمانوں کے نظام تعلیم کی یہ مختصر تاریخ پیش کرنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ شریعت کے ساتھ ساتھ سماجی، سائنسی اور لسانی علوم کا جامع امتزاجی نصاب ہمیشہ سے مسلمانوں میں رائج رہا ہے، جو ان کے علمی افتخار و اعزاز کا باعث بھی بنا، لیکن لارڈ میکالے کے استعماری تصور علم اور نصاب تعلیم کو ۱۸۳۵ء میں لاگو کرنے کے بعد اس جامع روایتی نظام تعلیم کو نہ صرف کلی طور پر نظر انداز کیا گیا بلکہ اسے پامال کرنے کے لیے ۱۸۳۸ء میں اس کا اہم ترین ذریعہ آمدن * مسلم اوقاف بھی بحق سرکارِ برطانیہ ضبط کر لیے گئے اور ان مدارس سے ادنیٰ تعلق ہی برطانوی سرکار کے ہاں بغاوت کا مجرم ہونے کا کافی ثبوت سمجھا جانے لگا۔

یہ فرنگی حکومت کے مدارس کے خلاف اس متعصبانہ پروپیگنڈے کا ہی نتیجہ ہے کہ آج جدید تعلیم یافتہ طبقے کے ہاں اس نظام تعلیم کا کوئی قابل ذکر مقام نہیں ہے جو مسلمانوں کا ہمیشہ سے اصل

---

* دینی مدارس کے اخراجات اسلامی حکومتیں اور متمول مسلمان خود ادا کیا کرتے تھے۔ مغل شہنشاہوں کا بھی یہی معمول تھا۔ شہنشاہ جہانگیر نے دینی تعلیم کے فروغ اور دینی مدارس کی بہبود کے لیے یہ قانون وضع کیا ہوا تھا کہ ''حدود مملکت میں جہاں بھی کوئی مالدار رئیس یا بیرونی تاجر کسی جانشین یا وارث کے بغیر مر جائے تو اس کی تمام جائیداد اور املاک بنام سلطنت منتقل ہو کر مدرسوں پر صرف کی جائے''۔ (منتخب اللباب از خوافی خاں)
ایسے ہی مدرسہ فیروز شاہی دہلی کا تذکرہ کرتے ہوئے مشہور مؤرخ ضیاء برنی لکھتے ہیں کہ ''یہ مدرسہ اپنے معیار تعلیم اور حسن انتظام میں تمام مدارس ہند میں سب سے بہتر ہے۔ اس کے مصارف کے لیے شاہی وظائف مقرر ہیں''۔
مشہور مدرسہ نظامیہ بغدادیہ کے اخراجات کے لیے خواجہ نظام الملک نے ۱۵ ہزار دینار سالانہ کی آمدن والا ایک وقف اس کے نام کیا ہوا تھا۔ مشہور زمانہ لارڈ میکالے کی رپورٹ میں بھی مدارس کے اوقاف کو قبضے میں لینے کا متنازعہ فیصلہ کیا گیا ہے جو ان کے اخراجات کی تکمیل کے لیے ہی وقف کیے گئے تھے۔ ایسے ہی بنگال میں مسلمانوں کے اوقاف ضبط کیے گئے جن کی آمدنی ۸۰ ہزار روپے سالانہ کے لگ بھگ تھی۔ مشہور انگریز مصنف ڈاکٹر ہنٹر اپنی انگریزی تالیف ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' میں لکھتا ہے: ''اس حقیقت کو چھپانے سے کیا فائدہ کہ اگر ہم انگریز مسلمانوں کی تعلیم کے لیے دی گئی جائیدادیں ٹھیک ٹھیک صرف کرتے تو بنگال میں ان مسلمانوں کے پاس آج بھی نہایت اعلیٰ اور شاندار تعلیمی ادارے موجود ہوتے''۔

Marfat.com

نظام تعلیم رہا ہے *۔ بلکہ ہر دم یہ مدارس اور اس سے وابستہ طلبا اور علماء جدید حلقوں کے سوقیانہ اعتراضات اور الزامات کی زد میں رہتے ہیں۔

---

* یوں تو یہ بات دلائل کی محتاج نہیں لیکن آج اس اہم نکتہ کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے، جس کا نتیجہ ایک طرف مدارس کی کسمپرسی اور بدحالی کی صورت میں نکلا ہے تو دوسری طرف مسلمان اپنے اصلی علمی و ایمانی جوہر سے محروم ہو کر اپنے شاندار ماضی سے بھی کٹ گئے ہیں۔ مسلمانوں کا تعلیمی نظام انہی مدارس سے وابستہ تھا۔

مؤرخ ''تاریخ فرشتہ'' اور صاحب ''تاج المآثر'' کے مطابق برصغیر میں دینی مدارس سلطان محمود غزنویؒ اور سلطان محمد غوریؒ کے ساتھ ہی قائم ہو گئے تھے۔ سلاطین دہلی اور شہنشاہان مغلیہ نے پورے برصغیر میں جگہ جگہ عظیم الشان درسگاہیں قائم کیں۔ ایسے ہی سلاطین ہند کے حالات میں بکثرت مذکور ''عمارات و بقاع خیر'' سے مراد دینی مدارس، مکاتب، مسجدیں اور خانقاہیں ہی ہیں۔ (ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں از ابوالحسنات ندوی، ص ۱۰)

صاحب تاریخ فرشتہ نے سلطان غزنوی کے جانشین شہاب الدین مسعود کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے حدود سلطنت میں بکثرت مدارس قائم کیے۔ مشہور مصری مصنف قلقشندی کے بقول سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں ''صرف ہند کے پایۂ تخت دہلی میں ہزار کے قریب مدارس تھے، ایک شافعی مکتب فکر اور باقی حنفی مکتب فکر کے''۔ (صبح الاعشیٰ، ۶۹/۵، طبع مصر) سلطان اورنگزیب عالمگیر کے زمانے میں سندھ کے صرف ایک شہر ٹھٹھہ میں مختلف علوم وفنون کے ۴ سو مدارس تھے۔ (ہندوستان میں عہد عالمگیر از مرزا سمیع اللہ بیگ) برصغیر کے قدیم اسلامی شہروں دلی، آگرہ، لاہور، پشاور، ٹھٹھہ، جونپور، احمد آباد اور گجرات وغیرہ میں قدیم مساجد کے ساتھ چھوٹے حجروں کا وسیع سلسلہ انہی مدارس کی یادگار ہے۔ اس نظام تعلیم کے بارے میں ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے:

''مسلمان اس طریقہ تعلیم سے اعلیٰ قابلیت اور دنیوی تربیت بھی حاصل کرتے تھے۔ ہم اپنے دور حکومت کے پچھلے ۷۵ سال میں انتظام ملک کی خاطر اس طریقہ تعلیم سے متواتر فائدہ اٹھاتے رہے۔ اس دوران ہم نے اپنا طریقہ تعلیم بھی رائج کرنا شروع کر دیا۔ پھر جونہی ایک نسل اس نئے طریقے کے تحت پیدا ہو گئی، ہم نے مسلمانوں کے پرانے طریقے کو خیرباد کہہ دیا، جس سے مسلمان نوجوانوں پر ہر قسم کی سرکاری زندگی کا دروازہ بند ہو گیا''۔ وہ مزید لکھتا ہے: ''اس سے ہزاروں پرانے خاندان تباہ ہو گئے اور مسلمانوں کا پرانا نظام جس کا دار و مدار اوقاف و معافیات پر تھا [وسائل لے لینے سے] تہ و بالا ہو گیا، مسلمانوں کے تعلیمی ادارے ۱۸ سال کی مسلسل لوٹ کھسوٹ کے بعد بیک قلم مٹ گئے''۔ اس سے قبل محکمہ تعلیم میں سو فیصد مسلمان ہوتے تھے کیونکہ وہ اس معلّمی کو عبادت سمجھ کر کرتے تھے، لیکن بعد میں بقول ہنٹر کلکتہ میں کوئی ایسا دفتر نہ رہا جہاں مسلمانوں کو معمولی سے معمولی نوکری مل سکے۔ (رپورٹ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس، حکومت پاکستان ۱۹۷۹ء)

Marfat.com

تعلیمی ادارے اور تحقیق و تالیف

کسی تعلیمی ادارے کے ساتھ جب تحقیق کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب عموماً یہ ہوتا ہے کہ اس ادارے سے وابستہ اور فیض یافتہ اہل علم نے تحقیق کے میدان میں کیا کارنامے انجام دیے ہیں۔ اس مفہوم کے مطابق دینی مدارس کے فضلا اور فیض یافتہ طلبہ کئی عصری یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تحقیقی کام کر چکے ہیں اور اب بھی کر رہے ہیں۔ اکثر جامعات میں اسلامی شعبوں میں کام کرنے والے حضرات کا تعلق کسی نہ کسی واسطے سے مدارس کے ساتھ رہا ہے۔

ایسے ہی مدارس کے ان فضلاء نے، بعد از فراغت، میدان تحقیق میں مختلف موضوعات پر داد تحقیق دی ہے اور موجودہ دینی لٹریچر زیادہ تر انہی کی کاوشوں کا مرہون منت ہے۔ لیکن تحقیق کا یہ تصور غالباً اس وقت زیر بحث نہیں۔ ہمارے پیش نظر اس وقت تحقیق کا وہ سفر ہے جو تعلیمی ادارے کے اندر رہتے ہوئے دوران طالب علمی اپنے اساتذہ کی نگرانی میں طے کیا جاتا ہے۔ اس نظام کی رو سے تعلیم کی اعلیٰ ترین ڈگری اسی تحقیق کی بنیاد پر دی جاتی ہے۔ ''تحقیق اور اصول تحقیق'' پر پاکستانی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جانے والی کتاب کے مصنف ڈاکٹر گیان سنگھ کے بقول:

''تحقیق کی دو قسمیں بیان کی جا سکتی ہیں جو کسی بھی علم و فن کے لیے درست ہیں: سندی اور غیر سندی تحقیق --- سندی تحقیق کی پہلی ڈگری پی ایچ ڈی ہے جو آکسفورڈ، الٰہ آباد اور بعض دوسری یونیورسٹیوں میں ڈی فل بھی کہلاتی ہے، اس سے آگے کی ڈگری ہیومینیٹیز اور سوشل سائنسز میں ڈی لٹ (ڈاکٹر آف لٹریچر) ہے اور سائنس میں ڈی ایس سی کا چلن پی ایچ ڈی کے بعد ہوا ہے۔ امریکی یونیورسٹیوں میں پی ایچ ڈی کے اوپر کوئی ریسرچ ڈگری نہیں ہوتی۔ دلی اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں بھی یہ چند برسوں سے رائج ہوئی ہے۔ ہندوستان میں اب بھی کئی یونیورسٹیوں مثلاً عثمانیہ، جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دلی اور مرکزی یونیورسٹی حیدر آباد میں یہ ڈگری نہیں ہے۔ ایم اے اور پی ایچ ڈی کے بیچ ایک ڈگری ایم فل کے نام سے وضع کی گئی ہے''۔ (ص ۱۴-۱۵)

Marfat.com

یہ تمام اعلیٰ تحقیقی ڈگریاں دراصل ''تحقیق علم'' کی بنیاد پر ہوتی ہیں۔ دوسری طرف ان یونیورسٹیوں میں اساتذہ کو تحقیقی مقالات لکھنے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور ان کی ترقی اس سے مشروط ہوتی ہے۔ جدید یونیورسٹیوں نے علم و تحقیق کے مادی تصور کے بموجب ان علمی و تحقیقی کاوشوں پر مالی ترغیبات اور وظائف بھی مقرر کر رکھے ہیں۔

جدید یونیورسٹیوں کے بنیادی مقاصد میں اب ''حدود علم کی توسیع اور غیر موجود حقائق کی دریافت'' بھی شامل ہے جس کا ایک باقاعدہ نظام یہاں تشکیل دیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے سب سے پہلے اس سوال کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ کسی تعلیمی ادارے کے بنیادی وظیفے (function) یعنی ''تعلیم'' کے بعد کیا تحقیق اور تصنیف و تالیف کو بھی اس کے مقاصد میں شامل کیا جائے اور تحقیق کو اس قدر اہمیت دی جائے کہ اس کی بنیاد پر تعلیم کی آخری ڈگری عطا کی جائے۔ مزید برآں یہ تصور کیا دینی تعلیمی اداروں میں بھی پایا جاتا ہے؟

اگرچہ یہ سوال جدید یونیورسٹیوں کا قائم کردہ ہے اور انہوں نے اپنے مقاصد میں تحقیق و تصنیف کو شامل کر کے نہ صرف اس کے لیے ایک باقاعدہ نظام وضع کیا ہے بلکہ اس کے لیے ایک مستقل فن تحقیق بھی تشکیل دے رکھا ہے جس کی رو سے پروفیسر، ایسوسی ایٹ پروفیسر، اسسٹنٹ پروفیسر اور لیکچرار جیسے تعلیمی کیڈر قائم کرنے کے بالمقابل پروفیسر، ریڈر اور ریسرچ سکالر وغیرہ کے مختلف مدارج بھی تحقیق و تصنیف کے میدان میں متعارف کرائے گئے ہیں۔ لیکن دینی تعلیمی اداروں میں تعلیم کے اعلیٰ مراحل کو اس انداز کی تحقیق سے وابستہ نہیں کیا گیا بلکہ ان کے ہاں تحقیق و تصنیف کا اپنا علیحدہ اسلوب اور نظام ہے جس کا مرحلہ حصول تعلیم کے بعد مستقل فن تالیف کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ ۶۷۰ھ میں ہلاکو خان کے وزیر اعظم معروف محقق اور علامہ، خواجہ نصیر الدین طوسی نے تعلیم اور تصنیف میں یہ توازن قائم کیا کہ تعلیم و تعلم سے وابستہ لوگوں کو ۲۵ سال کی عمر تک صرف تحصیل علم میں مشغول رہنا چاہیے۔ ۲۵ سے ۴۰ سال تدریس میں صرف کرنا چاہییں، ۴۰ سے ۵۰ سال تک تصنیفی کام بھی شروع کر دینا چاہیے جبکہ ۵۰ سے ۶۰ سال تک تمام اوقات

Marfat.com

تصنیف و تحقیق میں صرف کرنا چاہییں۔

اس اعتبار سے طلبہ سے تحقیق کرانے کا یہ تصور جدید * ہے جو دراصل طلبہ کو طریقِ تحقیق سے روشناس کرانے کے لیے ہوتی ہے۔ حقیقی تحقیق کا مرحلہ عملی زندگی میں آتا ہے، جس کا اشارہ ڈاکٹر گیان سنگھ نے بھی کیا ہے۔ بلکہ انہوں نے یہ بھی قرار دیا ہے کہ طلبہ کی ایسی تحقیق اپنے معیار کے لحاظ سے اس درجہ کی حامل نہیں جو ماہرین فن یا اساتذہ علمی رسوخ اور تجربہ کے بعد خالص اپنے علمی ذوق کی تشفی کے لیے کرتے ہیں۔ (اصول تحقیق، ص۱۶)

طلبہ کی یہ تحقیق فن تحقیق کے ضابطوں، موضوع کے فنی تقاضوں اور حسن ترتیب کا جمال اگر رکھتی ہے تو فضلا کی تحقیق اپنے موضوع پر گیرائی اور گہرائی، جامعیت اور علم و فضل کا شاہکار ہوتی ہے۔ ''اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار'' کے مصنف ڈاکٹر رفیع الدین نے مغرب سے درآمدہ اس تصور تحقیق کو میکانیکی تحقیق قرار دیا ہے (جس کا اثر انسان کے intellect پر مرتب نہیں ہوتا) اور اسے اسلامی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ لیکن اس امر کو تسلیم نہ کرنا بخل ہوگا کہ تحقیق کو اس طرح تعلیمی اداروں سے وابستہ کرنے سے تحقیقی عمل میں نہ صرف بہت تیزی آئی ہے بلکہ یہ انداز تحقیق مختلف موضوعات سے متعلقہ مواد جمع کرنے کا ایک اہم ذریعہ ثابت ہوا ہے۔ اس تحقیق کے نتائج گو بہت ثقاہت کے حامل نہیں لیکن ماہر اساتذہ کا حقیقی اشراف اگر حاصل ہو جائے تو یہ کمی بھی پوری ہو سکتی ہے۔

---

* ادارہ جاتی تحقیق، جس میں یونیورسٹی کی اعلیٰ مجلس علمی (ایڈوانس سٹڈیز بورڈ) کے علاوہ مشرف (سپروائزر) اور انتظامیہ اجتماعی نظام اور سہولتوں کی مدد سے تحقیقی عمل میں شامل ہوتے ہیں، داخلی اور خارجی ممتحن اس تحقیق کے علمی معیار کی پرکھ کرتے ہیں۔ اس کا تصور نہ صرف یہ کہ مدارس میں نوآمدہ ہے بلکہ ہماری جدید یونیورسٹیاں بھی اس میدان میں نووارد ہیں۔ چنانچہ پاکستان کی قدیم اور اہم ترین یونیورسٹی جامعہ پنجاب کے شعبۂ اسلامیات میں آج سے ۱۵ سال قبل تک صرف ۳۹ پی ایچ ڈی کی ڈگریاں جاری کی گئی تھیں، جبکہ ۱۹۷۶ء تک کراچی یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات اور عربی میں صرف چار چار پی ایچ ڈی اور ایک ایم فل کی ڈگری جاری کی گئی تھی۔ (پاکستانی جامعات میں عربی زبان وادب اور علوم اسلامیہ میں تحقیق از ڈاکٹر سفیر اختر مجلہ فکر و نظر: اکتوبر ۱۹۹۸ء، ص ۷۹

Marfat.com

جدید تعلیمی اداروں کے ارتقا میں یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ ادارہ جاتی سطح پر نہ صرف تحقیق و تصنیف کا یہ تصور نیا ہے بلکہ تعلیم کا علمی شخصیات کی بجائے کسی تعلیمی ادارے پر انحصار کا رجحان بھی زیادہ پرانا نہیں۔ چند دہائیاں قبل ہی تعلیمی اداروں کا یہ تصور زیادہ راسخ ہوا ہے وگرنہ برصغیر کی ابتدائی درس گاہیں نہ صرف مختلف شخصیات کے وجود سے تقویت پکڑتی رہیں بلکہ ان کے ہاں ''اجازہ'' (سند) کا تصور بھی کسی معروف استاد سے وابستہ رہا ہے۔ سب سے پہلے برصغیر میں انگریزوں کے قائم کردہ دینی علوم کے ادارہ مدرسہ عالیہ کلکتہ نے ۱۷۸۰ء میں اجازہ کی بجائے ''ادارہ جاتی سند'' دینے کی طرح ڈالی* جسے آج کل ڈگری کہا جاتا ہے اور اس کے ادنیٰ مراحل کی اسناد سرٹیفکیٹ کہلاتی ہیں۔ اجازہ (درجہ فضیلت Degree) سے آگے کی سندات مابعد الجامعاتی (Post graduate) کہلاتی ہیں۔ آج کل درجۂ اجازہ کو بھی برطانیہ اور فرانس کی پیروی میں B.A یا امریکہ کی پیروی میں Licenciate کہا جاتا ہے۔ عرب ممالک نے انہی الفاظ کو معرب بنا کر بکالوریا/ بکالوریوس (بیچلرز) یا لیسانس کا نام دے دیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جدید یونیورسٹیاں اپنے ادارہ جاتی نظم کی بنیاد پر علم کی دنیا میں ایک مقام حاصل کرتی ہیں جبکہ ماضی میں اسلامی تعلیمی ادارے نامور شخصیات کے وجود سے پہچانے جاتے رہے ہیں۔ اب ادارہ جاتی تعلیم کا یہ جدید تصور مسلمانوں میں بھی قبول عام حاصل کر گیا ہے۔

نئے انسانی تجربات اور نظاموں کا اسلام مخالف نہیں بلکہ ان کو بنظر تحسین دیکھتا ہے لیکن غیر مسلموں سے درآمدہ تصور ہماری اسلامی روایات کی اس طرح حفاظت نہیں کر سکتے جیسے ہمارے نظام تعلیم کا فطری ارتقا اس کا محافظ بنتا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ مسلمان اپنے نظاموں میں اپنے اقدار و روایات کی رعایت سے خود ارتقا کرتے لیکن افسوس کہ اس ارتقا میں ہمیں غیروں کا محتاج بننا پڑا اور علم و تحقیق کے اصل وارث غیروں کے دست نگر بن کر رہ گئے ہیں۔

---

* دیکھیے عبدالستار خان، تاریخ مدرسہ عالیہ کلکتہ، طبع ڈھاکہ ۱۹۵۷ء

Marfat.com

دینی مدارس سے مسلم حکومت کی بے اعتنائی

سابقہ صفحات میں ہم ذکر کر آئے ہیں کہ تحقیق کا یہ تصور اسناد سے وابستہ ہے۔ جہاں تک سندی تحقیق کا تعلق ہے، مقام افسوس ہے کہ قیام پاکستان کو کم وبیش چھ عشرے گزر جانے کے بعد بھی کسی ایک بھی دینی مدرسے کو اعلیٰ تعلیمی اسناد دینے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ یہ صورت حال المیہ سے کم نہیں کہ بہت سے جدید تعلیمی ادارے جو چند سالوں میں علمی افق پر نمودار ہوئے اور کسی علمی اعزاز یا اعلیٰ کارنامے کے حامل بھی نہیں، حکومتی ادارے یونیورسٹی کا چارٹر عطا کرنے کے لیے ان کی درخواستیں منظور کرنے میں تو دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ایسی بیسیوں یونیورسٹیاں چند سالوں میں پرائیویٹ سیکٹر میں کھمبیوں کی طرح اگ آئی ہیں جو صرف مادی منفعت بخش علوم کا کاروبار کرتی ہیں، لیکن کئی دہائیوں سے قائم عظیم دینی جامعات جن کے فضلا کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے اور وہ دنیا بھر میں ممتاز علمی خدمات بھی انجام دے رہے ہیں، جید اہل علم ان میں سرگرم ہیں، اس کے باوجود دینی ادارہ ہونے کے ناطے سند دینے کے اختیار سے محروم ہیں۔

اسلام کے نام پر حاصل کی جانے والی مملکت میں اسلامی تعلیم دینے والے اداروں کو دینی تعلیم کے نام پر مستند درجہ ملنا ممکن نظر نہیں آتا، نہ ہی ان اداروں کے لیے کوئی تعلیمی بجٹ ہے یا انہیں ملکی تعلیمی پالیسی میں شریک سمجھا جاتا ہے بلکہ ان اداروں کے مسائل یا تو وزارت داخلہ کے سپرد ہیں جو امن وامان کی ذمہ دار ہے یا مشرف دور سے قبل زکوٰۃ کی مد سے انہیں چند لاکھ روپے مل جاتے تھے بلکہ اس اشک شوئی میں بھی بہت سے حضرات نام نہاد دینی اداروں کے نام پر اپنا حصہ بٹورتے رہے۔ تعلیم کے نام پر یہ دینی مدارس وزارت تعلیم میں کوئی استحقاق نہیں رکھتے۔ انگریز سامراج نے مدارس سے اوقاف چھین کر جس طرح انہیں بے دست و پا کیا تھا، اسلامی حکومت نے سامراج کی اتباع میں ان اوقاف کو قبضے میں لے کر ان کی آمدنی پر تو اپنا اختیار قائم کر رکھا ہے لیکن اس مد سے دینی مدارس کو پھوٹی کوڑی نہیں دی جاتی۔ یہ اوقاف مزاروں اور مجاوروں کی خدمت تو

Marfat.com

کرتے ہیں، دینی تعلیم کی سرپرستی کی کوئی ذمہ داری ان پر عائد نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود ہر عوامی یا سرکاری مجلس میں مدارس سے یہ تقاضا کیا جاتا ہے کہ وہ انگریز کے دور غلامی سے نکل آئیں اور اپنا دفاعی انداز ترک کر کے، تعلیم کے اصل دھارے میں شمولیت اختیار کر لیں یا بالفاظ دیگر جدید معاشرہ میں زندہ حیثیت اختیار کر کے جدید معاشرتی مسائل حل کرنے کا چیلنج قبول کریں مگر کیسے؟ جبکہ کام کرنے کی فضا مسموم ہے اور وسائل معدوم!!

سرکار اور بیوروکریسی کے منفی رویہ کی موجودگی میں تو یہ ادارے اگر آسمان سے براہ راست وسائل بھی اتار لائیں تو پھر بھی سپر قوتوں کے ذرائع ابلاغ کی اجارہ داری کے ماحول میں پنپ نہیں سکتے۔ مغربی مقاصد کے لیے کام کرنے والی این جی اوز کی آمدنی پر تو یہاں کوئی روک ٹوک نہیں ہے، البتہ مدارس کا اسلام کے نام پر بیرونی ممالک میں مقیم پاکستانی حضرات کی طرف سے ہونے والا معمولی تعاون بھی حکومت وقت بند کرنے کو بے چین رہتی ہے!!

وفاق المدارس (آخری سند) کے لیے تحقیق

دینی مدارس کی واحد سند شهادة العالمية فی العلوم العربية والاسلامية جسے معتبر ہونے کا اعزاز جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے بخشا، وفاق المدارس کی وہ آخری سند تھی جسے مختلف مکاتب فکر کے پانچ امتحانی بورڈ بنا کر انہیں ایم اے کے برابر سند دینے کی اہلیت دی گئی لیکن اس سند سے بھی گزشتہ بائیس برسوں میں جو سلوک ہوتا آیا ہے، وہ الگ داستان الم ہے۔ حال ہی میں سرحد حکومت اور ایم ایم اے کو اس سند کے حوالے سے جس آزمائش سے گزرنا پڑا، اس سے اخبارات پڑھنے والے سب حضرات بخوبی واقف ہیں۔

جدید یونیورسٹیوں کے معیار اور مادی مقاصد کو دیکھا جائے تو ان وفاقوں (دینی امتحانات بورڈز) پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا لیکن کار پردازان حکومت ان کی انتظامی کمزوریاں خوردبین سے تلاش کر کے ان کو ہدف تنقید بناتے رہتے ہیں تا کہ مدارس میں مداخلت کا جواز نکالا جا سکے۔ یہ بھی

Marfat.com

واضح رہے کہ ایسے اداروں یا وفاقوں کی سرکاری منظوری حادثاتی ہے، جنہیں دل سے جدید یونیورسٹیاں یا تعلیمی بیوروکریسی تسلیم کرنے پر تیار نہیں۔

اس کے باوجود مدارس نے نہ صرف اپنی واحد سند کے لیے سندی تحقیق کو فروغ دیا ہے بلکہ مختلف مدارس میں ان کی اپنی جاری کردہ اسناد کے حصول کے لیے بھی اس نوعیت کا تحقیقی کام لازمی قرار دیا گیا ہے۔ وفاق کے پانچوں بورڈز نے لازمی اور اختیاری طور پر اس سند کے حصول کے لیے تحقیقی مقالہ کو پذیرائی بخشی۔ ہمارے پیش نظر اس وقت دو نمائندہ وفاقوں کے مقالات کے وہ مجوزہ عنوانات ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے ہر سال طلبہ کو کسی موضوع کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ وفاق المدارس السّلفیہ (اہل حدیث مکتب فکر) ۱۵۰ کے قریب موضوعات اور تنظیم المدارس (بریلوی مکتب فکر) ہر سال ۱۵ سے ۲۰ موضوعات کا اعلان کرتا ہے۔ یہ تحقیقی کام وفاق ہائے مدارس کے قیام (کم و بیش ۲۵ سال) سے جاری و ساری ہے اور ایک محتاط اندازے کے مطابق ایسے مقالات کی تعداد ۹ ہزار سے متجاوز ہے۔ صرف اہل حدیث مکتب فکر کے وفاق میں ۳ ہزار کے قریب مقالات لکھوائے جا چکے ہیں۔ یاد رہے کہ ان وفاقوں کی سندات کو ایم اے عربی و اسلامیات کے مساوی قرار دیا گیا ہے۔

اس تحقیقی کام کی فہرستیں مختلف دینی امتحانی بورڈز سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

مدارس کی اپنی اسناد کے لیے تحقیق

دینی مدارس نے ہمیشہ مادی تصورات سے بالاتر ہو کر علم کے نبوی ورثہ کے تحفظ اور الٰہی ارشادات کی تعمیل میں ہر دور میں تعلیم جاری و ساری رکھی ہے اور برصغیر کے یہ مدارس پرائیویٹ سیکٹر میں تعلیم کی نہ صرف درخشندہ مثال ہیں بلکہ مسلمانان برصغیر کا پورے عالم اسلام سے سرمایۂ امتیاز بھی ہیں۔ ان مدارس نے اپنی جاری کردہ سندوں کے لیے بھی مقالات کو بڑی اہمیت دے رکھی ہے۔

بعض ممتاز مدارس مثلاً جامعہ لاہور الاسلامیہ، جامعہ اشرفیہ اور جامعہ نعیمیہ میں آخری کلاسوں

Marfat.com

کے لیے مقالہ لکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح دینی مدارس میں درجہ تخصص (specialization) میں بھی مقالہ لکھنا لازمی تصور ہوتا ہے اور یہ درجہ ہائے تخصص مذکورہ جامعات کے علاوہ ممتاز مدارس مثلاً دارالعلوم کراچی، جامعہ سلفیہ فیصل آباد، جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک اور جامعہ ابی بکر الاسلامیہ وغیرہ میں کام کر رہے ہیں۔

اہل حدیث مدارس میں بالخصوص مرکز التربیہ الاسلامیہ فیصل آباد میں علوم حدیث اور مرکز الامام بخاری صادق آباد میں اصول فقہ کی کتابوں کی ایڈیٹنگ یا تحقیقی مقالہ پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ جامعہ لاہور الاسلامیہ (جو مجلس التحقیق الاسلامی سے ملحق ادارہ ہے) میں ابتدائی چند سالوں کا ریکارڈ تیار کیا گیا تو ۱۹۸۵ء تک ایسے ۸۲ مقالہ جات لکھے جا چکے تھے۔

مدارس پر اکثر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہاں فرقہ وارانہ موضوعات پر اور فروعی مباحث میں تحقیق ہوتی ہے، اس الزام کے ازالے کے لیے ان ۸۵ مقالہ جات میں صرف ۸ مقالہ جات کے موضوعات ملاحظہ فرمایئے جو جسٹس (ر) منیر احمد مغل، حافظ عبدالرحمٰن مدنی اور مولانا متین ہاشمی جیسے کہنہ مشق اساتذہ اور محققین کی زیرنگرانی تیار ہوئے۔

(۱) حدود آرڈیننس کا جائزہ از عبداللہ سلیم (۲) اتحاد بین المسلمین از غلام نبی زاہد
(۳) اسلام میں جیل کا نظام از میاں اختر علی (۴) انقلاب ایران: ایک جائزہ از جمیل اعوان
(۵) بلاسود بینکاری از منور اقبال (۶) اجتہاد اور جدید مفکرین از جلیل الرحمٰن
(۷) اسلام اور سائنس از خالد حسین انصاری (۸) اسلام میں بٹائی اور ٹھیکہ از ذکاء اللہ

وفاق المدارس السّلفیہ نے سال ۲۰۰۳ء میں تحقیقی مقالہ کے لیے جن موضوعات کا اعلان کیا، ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

- انکم ٹیکس و دیگر ٹیکسوں کی شرعی حیثیت
- طب نبویؐ اور جدید سائنس
- اسلام، اشتراکیت اور سرمایہ داری
- اسلام کا نظام احتساب
- اسلام کا نظام عدل
- اسلامی نظام تعلیم کے خدوخال

Marfat.com

- اسلام کا اقتصادی نظام
- عربی زبان پر قرآن مجید کے اثرات

تنظیم المدارس (بریلوی مکتب فکر) نے سال ۲۰۰۳ء میں تحقیقی مقالہ کے لیے ۱۵ موضوعات کا اعلان کیا، ان میں حسب ذیل موضوعات شامل ہیں:

- ویزہ کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت
- عورت کی ملازمت کی شرعی حیثیت وحدود
- وصیت بالاعضاء کی شرعی حیثیت
- جدید میڈیا سے تبلیغ میں تصویر کا مسئلہ
- تصوف اور تعمیر سیرت
- جہاد اور دہشت گردی
- غیر مسلم حکومتوں سے تعاون کا شرعی حکم اور حدود
- حدود وقصاص آرڈی ننس پر اعتراضات کا علمی و تحقیقی جائزہ

بعض مدارس میں آخری کلاسوں میں بحث لکھنے کا فن بھی پڑھایا جاتا ہے اور عربی زبان میں اس موضوع پر کئی کتب اساتذہ اور طلباء کے زیر مطالعہ رہتی ہیں جن پر کہنہ مشق اساتذہ محاضرات (presentations) بھی دیتے ہیں۔

جہاں تک مدارس پر فرقہ وارانہ موضوعات میں خصوصی توجہ دینے کے اعتراض کا تعلق ہے، اس ضمن میں مدارس کی پالیسی اور منظور شدہ موضوعات سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ان میں ایسے موضوعات کی بالکل حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی، لیکن عملاً اس صورت حال میں مزید بہتری اور اصلاح کی کافی گنجائش موجود ہے۔ البتہ لکھے جانے والے مقالات میں فرقہ وارانہ موضوعات اور فروعی مسائل پر مقالات کی تعداد ۸ تا ۱۰ فیصد سے زیادہ نہیں۔

یہاں اس امر کا تذکرہ بھی مناسب ہوگا کہ دینی مدارس میں وفاق کے امتحانات منظور ہونے سے قبل سندی تحقیق کا تصور کیسے پیدا ہوا؟

۱۹۶۱ء میں مدینہ منورہ یونیورسٹی کے قیام اور دیگر سعودی جامعات میں پاکستانی اہل علم کے تعلیم پانے کے بعد ان مدارس میں یونیورسٹی کے مختلف لوازامات پورا کرنے کا احساس پیدا ہوا۔ اس سے قبل اور بعد جامعہ ازہر، مصر اور بغداد کی یونیورسٹیوں میں بھی پاکستانی علماء اعلیٰ تعلیم کے لیے

Marfat.com

جاتے رہے۔ مدینہ منورہ یونیورسٹی میں بحث و تحقیق کی صورت حال یہ ہے کہ پہلے تو ۱۲ سالہ ثانوی کے بعد لیسانس (ایم اے) کی سطح پر چار سالہ کورس میں آخری سال میں تحقیقی مقالہ لکھنا ضروری ہوتا تھا لیکن چند سالوں سے ہر تعلیمی سال کے دوران ایک مقالہ لکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے جبکہ ہر سمسٹر میں مختلف Assignments اس کے علاوہ ہیں۔

اس لحاظ سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ باوجود اس امر کے کہ مدارس کو آج تک اعلیٰ سندیں دینے کی سرکاری اہلیت (چارٹر) حاصل نہیں، انہوں نے نہ صرف وفاق المدارس کی واحد سند پر وسیع تحقیقی کام کیا ہے بلکہ اس سے قبل وہ اپنی دیگر اسناد پر بھی تحقیقی کام کرتے آئے ہیں اور ان کے ہاں سندی تحقیق کی یہ روایت جدید یونیورسٹیوں سے کسی طرح متاخر یا فروتر نہیں۔ انہوں نے اس سلسلے میں ملکی یونیورسٹیوں کے بجائے عالمی اسلامی یونیورسٹیوں سے تحقیق کا یہ جدید تصور لیا ہے۔

تحقیقی کام کی فہارس

مجلس التحقیق الاسلامی میں عالم عرب کے تمام ممالک کی اسلامی یونیورسٹیوں کے ڈگری سطح کے تمام مقالہ جات کی فہرستیں موجود ہیں۔ ۱۵ ہزار کے قریب صرف اسلامی موضوعات پر یہ مقالہ جات، بی اے، ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریوں کے لیے لکھے گئے ہیں۔ یہ فہرستیں کمپیوٹر سی ڈیز کے علاوہ کتابی شکل میں بھی موجود ہیں جس میں سال تکمیل، سپروائزر کا نام، تعداد صفحات اور مقالہ کا مختصر تعارف موجود ہے۔ بعض تحقیقی اداروں کی یہ کوشش ہے کہ ان تمام مقالہ جات کے مکمل متن کو بھی سی ڈیز کی شکل میں ریلیز کر دیا جائے جو عظیم اسلامی و علمی خدمت ہوگی۔ اس کے لیے ریاض کے بعض تحقیقی اداروں میں کام جاری ہے۔

مزید براں سعودی عرب کی ''ہائر ایجوکیشن منسٹری'' نے اپنے ملک کے ۱۰۰۰ اہم ترین مقالہ جات کی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا ہے جن میں سے ۱۰۰ کے لگ بھگ شائع ہو چکے ہیں اور ان کا تحقیقی معیار غیر معمولی حد تک ممتاز ہے۔

Marfat.com

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے تو پاکستان میں ۲۰۰۱ء میں ریگولر ایم فل اور Ph.D کا آغاز ہونے کے بعد اس نوعیت کی تحقیق میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے اور اس وقت ہر یونیورسٹی میں سینکڑوں طلبہ پی ایچ ڈی کر رہے ہیں، ظاہر ہے کہ اس کے نتائج چند سال بعد سامنے آئیں گے۔ لیکن جہاں تک فہارس کا تعلق ہے تو ۲۰۰۰ء تک پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ کے علاوہ کسی یونیورسٹی نے اپنے مقالات کی فہرست شائع نہ کی تھی۔ اگر چہ دیکھا دیکھی اب دیگر یونیورسٹیوں کی فہرستیں بھی سامنے آ رہی ہیں۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے پروفیسر سجاد تنتر الوی نے ذاتی کوشش سے ایسی فہرستیں جمع کرنے کی کوششیں کئی سال قبل شروع کی تھیں، لیکن اس کی اشاعت کے بارے میں علم نہیں ہو سکا۔

جامعہ لاہور الاسلامیہ سے ملحق مجلس التحقیق الاسلامی، کی طرف سے ایسی فہرستیں جمع کرنے کے منصوبے پر بھی کام کیا گیا اور اس کے لیے متعدد سرکاری اداروں کو خطوط بھی لکھے گئے لیکن ابھی تک اس میں بھی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ جدید یونیورسٹیوں بالخصوص مشرقی علوم کے شعبوں کے تحقیق میں درپیش مسائل و مشکلات بے حساب ہیں جن کا ایک مختصر جائزہ حسب ذیل مقالات میں لیا گیا ہے، تفصیل کے شائقین ان کی طرف رجوع کر سکتے ہیں:

''جامعات میں ادبی تحقیق: مسائل اور تجاویز از ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اور ''تحقیقی پیش رفت میں جامعات کا کردار: چند عمومی مسائل اور تجاویز از ڈاکٹر معین الدین عقیل --- یہ دونوں مقالات انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کی ''پاکستان میں جامعات کا کردار'' نامی کتاب میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے بقول: ''تکلیف دہ امر یہ ہے کہ بعض جامعات میں کئی مقالات ملازمین کی ملی بھگت سے خرد برد کر لیے گئے اور یونیورسٹی کے پاس ان کا ایک بھی نسخہ موجود نہیں ہے''۔ (ایضاً، ص ۱۳۰)

غیر سندی تحقیق

غیر سندی تحقیق وہ ہے جو روایتی طور پر ہمیشہ سے چلی آتی ہے اور ہمارا آج تک کا تحقیقی

Marfat.com

ذخیرہ غیر سندی تحقیق پر مشتمل ہے۔ سندی تحقیق کے لیے ایک باقاعدہ فن تحقیق تشکیل دیا گیا ہے جس میں معلومات کو جمع کرنے، پیش کرنے اور مرتب کرنے کے متعین ضوابط موجود ہیں۔ لیکن تحقیق صرف اسی کو قرار دینا جو فن تحقیق کے نو وضع ضابطوں پر پوری اترتی ہو، جبر اور فکری محکومی کا غماز ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو سابقہ تحقیقی کام ان ضوابط پر نہیں ہوا اسے دائرہ تحقیق سے خارج قرار دیا جائے۔ ایسی صورت میں ائمہ اسلاف کی تمام علمی کتب، بنیادی مصادر اسلام حتیٰ کہ سائنس وفنون کی تمام سابقہ کتب بھی غیر تحقیقی قرار پا جائیں گی۔ اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوگا کہ آج تک کسی موضوع پر تحقیق کی ہی نہیں گئی۔ لہٰذا تحقیق کا دائرہ اس قدر محدود کر دینا صریح ناانصافی ہوگی۔ اس اعتبار سے فن تحقیق اس سے زیادہ جامع تر مفہوم رکھتا ہے۔ ڈاکٹر گیان سنگھ کے بقول:

''تحقیق سچ یا حقیقت کی دریافت کا عمل ہے''۔ (اصول تحقیق، ص ۹)

بقول قاضی عبدالودود ''تحقیق کسی امر کو اس کی اصل شکل میں دیکھنے کی کوشش ہے''۔ مولانا کلب عابد کا کہنا ہے کہ ''تحقیق حق کا اثبات ہے یا حق کی دریافت ---'' (ایضاً)

مدارس میں اس موضوع پر پڑھائی جانے والی کتاب میں تحقیق کی تعریف یوں کی گئی ہے:

في التنظيم الصحيح لسلسلة من الأفكار العديدة اما من أجل الكشف عن حقيقة مجهولة لدنى أو من أجل البرهنة على حقيقة لايعرفها الآخرون (البحث العلمي مناهجه و تقنياته از محمد زیان عمر، ص ۴۸)

''یہ متعدد افکار و نظریات کو اس انداز پر خوبصورتی سے ترتیب دینے کا فن ہے جس کا مقصد کسی حقیقت سے پردہ اٹھانا ہو جو ہماری نظروں سے اوجھل ہو یا ایسی حقیقت پر برہان قائم کرنا مقصود ہو جسے دوسرے لوگ نہ جانتے ہوں''۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ تحقیق ایک مستقل فن ہے جس کے طے شدہ اصول وضوابط ہیں۔ تحقیق کی ایک اور جامع تعریف ڈاکٹر عجاج الخطیب نے یوں کی ہے:

''كل دراسة موضوعية الأحكام التي تتصل بجناب من جوانب الحياة

Marfat.com

بیانا و اضحاً أو تعالج مشكلة اجتماعية أو اقتصادية أو سياسية من خلال قيم الاسلام و أحكامه تستند الى فهم سديد و فحص عميق و ادراک صحيح و منهج سليم"(لمحات فی المكتبة و البحث المصادر،ص۱۰)

"کسی موضوع پر ایسا مطالعہ جو زندگی کے کسی پہلو کا نکھار کرتا ہو یا وہ کسی معاشرتی، اقتصادی یا سیاسی مشکل کا حل پیش کرتا ہو۔ یہ مطالعہ اسلامی اقدار اور اس کے احکام پر استوار ہو جس کی بنیاد راست فکری، گہرے تجزیے، درست ادراک اور موزوں منہج پر قائم ہو"۔

کیا تصنیف بھی تحقیق کا لازمہ ہے؟

تحقیق کے بارے میں ہمارے ہاں اکثر یہ مغالطہ پایا جاتا ہے کہ تحقیق اسے ہی تصور کیا جاتا ہے جو طے شدہ اصول وضوابط کے مطابق حیطۂ تحریر میں لائی گئی ہو، پیش نظر سیمینار کا موضوع "تحقیق وصحافت" بھی اسی مناسبت سے رکھا گیا ہے۔ جبکہ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ صحافت کا لفظ صرف تحریر کے بجائے ایسے معانی کے لیے زیادہ بولا جاتا ہے جس میں ابلاغ کا عنصر زیادہ ہو۔ اس لحاظ سے تحقیقی شعبہ جات کو "شعبۂ تحقیق وتصنیف" کا نام بھی دیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہاں نہ صرف تحقیق بلکہ اس کو احاطۂ تحریر میں لانے کے انتظامات بھی موجود ہیں۔ جہاں تک عمل تحقیق یا نفس تحقیق کی بات ہے تو اس کے مفہوم میں اصلاً تصنیف وتالیف شامل نہیں۔ جدید فن تحقیق کے لیے کی جانے والی سابقہ تعریفات کی رو سے بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ تحقیق کو احاطۂ تحریر میں لانا بھی اس کا لازمہ ہونا چاہیے۔

اس کی مثال بالکل ایسے ہی ہے جیسے ہمارے ہاں علم کا تصور لکھنے پڑھنے کی [رسمی] صلاحیت کے ساتھ ہی مشروط ہے۔ بلکہ صاحب علم شخص کو ہماری زبان میں پڑھا لکھا آدمی ہی کہا جاتا ہے۔ لیکن ذرا گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو علم کی تکمیل اور اس میں توسیع تو لکھنے پڑھنے سے ہوتی ہے، نفس علم کا وجود یا اس کا حصول صرف لکھنے پڑھنے کا محتاج نہیں، یہی وجہ ہے کہ نبی کریمؐ جو معلم

Marfat.com

کائنات کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہیں اور علم کو دنیا میں حقیقی بنیادیں آپؐ نے فراہم کی ہیں، باوجود علم و فضل میں اشرف المخلوقات ہونے کے لکھنے پڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ ایسے ہی صحابہ کرامؓ کے بہترین طبقہ کا حال ہے کہ ان میں سے کئی حضرات اس صلاحیت سے محروم تھے لیکن ان کے علم و کمال پر بحث کرنا گویا سورج کو چراغ دیکھانے کے مترادف ہے۔ ایسے ہی نابینا شخص لکھنے پڑھنے دونوں کی صلاحیت سے محروم ہوتا ہے، کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ کوئی نابینا شخص صاحبِ علم نہیں ہوتا؟ سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن باز نہ صرف علم کے بلند ترین درجے پر فائز تھے بلکہ انہیں دسیوں جلدوں پر مشتمل کتب (مثلاً فتح الباری شرح صحیح بخاری) کی تحقیق و تعلیق کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

علم تحقیق کا تصنیف و تالیف میں محدود تصور جدید تمدنی ارتقاء کا عطا کردہ وہ تصور ہے جو نہ صرف حقیقت سے عاری ہے بلکہ ہمیں اپنے شاندار ماضی سے منقطع کر دیتا ہے۔ کسی شخص کا غضب کا مقرر ہونا، خوبصورت الفاظ میں اپنے مافی الضمیر کو بیان کرنا یا اعلیٰ درجے کے مدرس ہونے کا یہ لازمی مطلب نہیں ہے کہ وہ اپنے اماثل واقران میں زیادہ برتر اور ممتاز علمی حیثیت کا بھی حامل ہے کیونکہ تقریر، تحریر اور تدریس تینوں کا تعلق ایسے فنون سے تو ہے جو علم کے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں اور عموماً اہل علم کے علم کا ثمر ان فنون میں سے کسی صورت میں ظاہر ہوتا ہے لیکن انہیں اس طرح علم کا لازمہ قرار نہیں دیا جاسکتا کہ علم کی پیمائش یا علم کا میزان ان کے ذریعے ہی قائم کیا جائے۔ علم کی مثال اس قلب کی سی ہے جو انسان کی بنیادی طاقت اور صلاحیت کا مرکز ہے، اس طاقت کا اظہار کبھی ہاتھ سے ہوتا ہے، کبھی زبان سے اور کبھی کسی اور ذریعہ سے۔ ظاہر ہے کہ انسان کا قلب قوی ہوگا تو اس کے اعضاء و جوارح میں بھی وہ قوت نظر آئے گی۔ لیکن اگر کوئی انسان قوت کے کسی مظہر سے وقتی یا دائمی طور پر محروم ہو تو اس سے اس کی اصل قوت ختم نہیں ہو جاتی۔

آج ہم ان اہل علم کو تو جانتے ہیں جنہوں نے انسانیت کے لیے اعلیٰ تصانیف کا ورثہ چھوڑا ہے لیکن جو لوگ اپنے علم کا اظہار خطابت یا تدریس کے ذریعے کرتے تھے، کئی صدیاں گزرنے

Marfat.com

کے بعد ان کے نام سے بھی ہمیں آ گاہی نہیں۔ لیکن ان کے وہ نامور شاگرد جنہوں نے ان سے کسب فیض کر کے امت کے لیے تحریری ورثہ چھوڑا، آج ان سے زیادہ قد آور حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں ایک نمایاں مثال امام بخاریؒ کے استاد شیخ علی بن مدنی کی ہے۔ ایسی ہی ایک مثال امام ابو حنیفہ بھی ہیں جنہوں نے عقائد میں الفقه الأكبر تصنیف کی ہے یا بعض چند صفحات کے پمفلٹ لیکن ان کی طول طویل فقہ کی تدوین ان کے شاگردوں کے ہاتھوں ہوئی اور انہی کے نام سے شائع بھی ہو رہی ہے۔ دینیات کے طلبہ صحیح بخاری کا تذکرہ تو دن میں کئی بار کرتے ہیں اور اس کو پڑھانے والے کو شیخ الحدیث (صدر مدرس) کا منصب حاصل ہوتا ہے گویا امام بخاریؒ کی تالیف صحیح بخاری سے ان کا امیر المومنین فی الحدیث کا منصب قائم و دائم ہے، لیکن ان کے استاد علی بن مدنی کو عام طلبا میں وہ تعارف نہیں ملا، حالانکہ امام بخاریؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ میں نے ان کے سامنے اپنے علم کو ہمیشہ انتہائی کمتر پایا۔ ایسے ہی لوگوں میں سے نامور ائمہ اسلاف ہیں جن کے تذکرے کتب سلف میں تو ملتے ہیں لیکن علمی حلقوں میں ان کا تذکرہ زبان پر بہت کم آتا ہے، کیونکہ ان کا علمی ذخیرہ صفحہ قرطاس پر محفوظ نہیں ہے۔

علم و تحقیق ایک ادراک ہے جبکہ فن اسے پیش کرنے کا ایک اسلوب ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر فن کے ایسے خواص ہیں جو دوسروں میں نہیں پائے جاتے، اسی بنا پر فنون کے فوائد و ثمرات بھی مختلف ہیں۔ چنانچہ تصنیف کے بارے میں عربی زبان کا مشہور شعر ہے:

يلوح الخط في القرطاس دهرا
وكاتبه رميم في التراب

''تحریر صفحہ قرطاس پر کئی زمانے ثبت رہتی ہے، جبکہ اس کو لکھنے والا مٹی میں مل کر قصہ پارینہ بن چکا ہوتا ہے''۔

دوسری طرف خطابت کی بعض ایسی ممتاز خصوصیات ہیں، جن سے تحریر و تصنیف عاری ہے۔ فرمان نبویؐ ہے: ان من البيان لسحرا (مسند احمد، ۱/۲۶۹) ''انسان کے بیان میں سحر (جادو کا

Marfat.com

اثر) پایا جاتا ہے''۔فوری طور پر لوگوں کو متاثر کرنے میں تحریر وہ کام نہیں کر سکتی جو انسان اپنے لب و لہجے، الفاظ کے زیر و بم اور حرکات وسکنات سے کر لیتا ہے۔غرض ابلاغ کے مختلف ذرائع کے مقاصد اور فوائد وثمرات مختلف ہیں، جن میں ہر ایک کی خصوصیات اپنی جگہ پر امتیاز رکھتی ہیں،لیکن لوگوں میں عرصہ دراز تک باقی رہنے کے اعتبار سے تحریر کو دیگر ذرائع ابلاغ پر ایک فوقیت حاصل ہے۔ایسے ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان جس شے کو خود دیکھتا اور محسوس کرتا ہے، اسی کا اثر زیادہ قبول کرتا ہے۔ وگرنہ بہت سے خطیب،خوش الحان اور باصلاحیت لوگ پچھلی صدیوں میں گزر گئے اور آج ہم ان کے نام تک نہیں جانتے!!

اس بحث کا مدعا یہ ہے کہ عمل تحقیق کو فن تحریر وتصنیف سے جداگانہ طور پر سمجھنا چاہیے۔علم و تحقیق کا لازمہ تصنیف وتالیف نہیں ہے البتہ تصنیف وتالیف، جو اس کی حفاظت کی ایک صورت ہے، کا لازمہ تحقیق ہے اور یہ حفاظت دیگر ذرائع سے بھی ہوسکتی ہے، بلکہ مختلف نوعیت کے کاموں کی حفاظت اور پیش کش کے ذرائع مختلف ہوسکتے ہیں۔

موجودہ دور کا المیہ یہ ہے کہ یہاں تحقیق کے عمل کی بجائے اس پر ایک طرف صحافیانہ رنگ غالب ہے،تو دوسری طرف ہر تحریر کو تحقیق قرار دینے کی کوشش ہوتی ہے، جبکہ جس چیز کو ضبط تحریر میں نہ لایا جائے، اس کو تحقیق ہی تصور نہیں کیا جاتا۔ یہ افراط وتفریط پر مبنی رویہ ہے جس کا ایک مظہر موجودہ سیمینار کا عنوان بھی ہے، جس میں غالباً تحقیق کو صحافت کے ساتھ اسی لیے نتھی کیا گیا ہے، جبکہ صحافت کا درجہ تو تصنیف وتالیف کے بھی بعد آتا ہے۔کیونکہ آج کل صحافت سے مراد وہ پرنٹ میڈیا ہے جو ذرائع ابلاغ کا ایک حصہ ہے جبکہ تحقیق کے تقاضے بالکل جداگانہ ہیں۔

تحقیق کی ایک اہم قسم ''معاشرتی تحقیق'' بھی ہے جس میں معاشرے میں مختلف رجحانات کا اندازہ لگانے کے لیے مختلف نوعیت کے اعداد وشمار جمع کر کے بعض نتائج تک پہنچا جاتا ہے۔یہاں معاشرے میں اعداد وشمار کے ذریعے نتائج تک پہنچنا تو تحقیقی عمل ہے لیکن اس کی بحفاظت دوسروں تک منتقلی کے لیے اس کی رپورٹ تیار کی جاتی ہے۔آیا رپورٹ کی تیاری تحقیق کہلائے گی

Marfat.com

یا اس کام کے پہلے حصے کو تحقیق کا نام دیا جائے گا اور دوسرے کو تصنیف؟ اسی طرح تحقیق کی ایک قسم اجتماعی تحقیق بھی ہے جسے عموماً زبانی تبادلہ خیال سے پروان چڑھایا جاتا ہے۔ اجتماعی تحقیق کی مختلف صورتوں میں مذاکرے، مباحثے اور مشاورت کی مجالس شامل ہیں۔ ان کی موزوں حفاظت کا اس دور میں اہم ترین ذریعہ تحریر کی بجائے آڈیو یا ویڈیو ریکارڈنگ اور تصاویر کی شکل میں سامنے آیا ہے۔ ایسی صورت میں کیا تحریر یا رپورٹ مذاکروں کے تحقیقی عمل کا لازمہ کہلا سکتی ہے؟

جوں جوں انسان ترقی کی منازل طے کرتا جا رہا ہے، توں توں سادہ تحریر کی بجائے مختلف علامتوں کی مدد سے نتائج تحقیق کو محفوظ کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ مختلف اعداد و شمار کو پیش کرنے کے لیے موجودہ دور میں گراف کی مختلف شکلوں کو استعمال کیا جاتا ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ گراف صفحۂ قرطاس کی بجائے کمپیوٹر سکرین پر دکھائے جاتے ہیں۔ چند برس قبل آنے والے کمپیوٹر نے علم و تحقیق اور ذرائع ابلاغ میں اس تیزی سے پیش رفت کی ہے کہ قلم و قرطاس پر کئی اعتبار سے اس نے اپنی برتری ثابت کر دی ہے۔ چنانچہ عوامی ابلاغ کے میدان میں پردۂ سیمیں (ٹی وی سکرین) کی اہمیت اس دور میں کاغذ (پرنٹ میڈیا) سے بہت بڑھ گئی ہے اور اطلاعات و معلومات، کاروبار اور خرید و فروخت میں کمپیوٹر سکرین نے دیگر روایتی ذرائع کو واضح طور پر پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ تاریخی طور پر دیکھا جائے تو اسلام کے ابتدائی دور میں فن کے اظہار کا بڑا ذریعہ زبان تھا جو دورِ تدریس میں قلم کے ذریعے تحریر میں ڈھل گیا لیکن اسے بھی عروج اس وقت ملا جب پریس جیسی صنعت کو فروغ حاصل ہوا اور آج کل پرنٹ میڈیا پر الیکٹرانک میڈیا چھا رہا ہے۔ چنانچہ علم و تحقیق فن کے اس ارتقا سے فیض یاب ضرور ہوتا ہے لیکن فی الحقیقت یہ اس معرفت و ہدایت کا نام ہے جسے حالات کے تحت کسی بھی ذریعہ ابلاغ (Medium) کے وسیلے سے عام کیا جا سکتا ہے، اس کے لیے زبان و قلم کا رواج ماضی میں زیادہ رہا تو مستقبل شاید برقی ذریعہ ابلاغ (Electronic Medium) کی صورت میں بام عروج تک پہنچے گا۔

آسان الفاظ میں انسانی تاریخ میں پڑھنے اور بولنے سے شروع ہونے والی صلاحیت بعد

Marfat.com

میں کئی صدیوں تک تحریر کی مرہون منت رہی، لیکن آئندہ دور میں تحریر کی جگہ کئی میدانوں میں انفارمیشن ٹیکنالوجی برتری حاصل کرتے ہوئے نظر آ رہی ہے۔ پرنٹنگ اور پریس کی ایجاد سے علم و تحقیق میں جو تیزی آئی تھی، کمپیوٹر کی ایجاد سے اس میں ایک نیا اور اہم سنگ میل سامنے آ گیا ہے۔ اس اعتبار سے علم و تحقیق کو صرف تحریر کے پیمانے سے ماپنا تنگ نظری اور فکری جبر کا اسلوب ہی ہوسکتا ہے۔

اس بحث کا خاتمہ اس نتیجے پر ہوتا ہے کہ سندی تحقیق (جو فن تحقیق کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے) میں تو فی الحال تحریر و تصنیف ایک لازمہ کی حیثیت رکھتی ہے لیکن اسے عمل تحقیق کا لازمہ قرار دینا زیادتی ہوگی۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے علم کی پیائش ڈگریوں سے شروع کردی جائے اور جو فاضل ترین شخصیات بذات خود سند ہوتی ہیں، ان کی علمی صلاحیت کو اس لیے درجۂ اعتبار سے گرادیا جائے کہ ان کے پاس مروّجہ ڈگریاں نہیں ہیں!

دینی مدارس میں غیر سندی تحقیق ہمیشہ سے جاری ہے اور اپنے موجودہ دور زوال میں بھی یہ ادارے اس بنیادی وصف سے محروم نہیں۔ اس کی بنیادی وجہ دینی مدارس کا ٹھوس طرز تدریس ہے۔ چونکہ دینی علوم کے طلبہ اپنی مستند دینی معلومات کے لیے بنیادی انحصار قرآن و حدیث پر کرتے ہیں۔ اس لیے ان میں سے معانی کا استخراج، مفہوم کی گہرائی تک پہنچنے کے علاوہ، الفاظ اور اسلوب بیان سے بہت کچھ نکالنے کی مشق ان کی تعلیم و تربیت کا لازمی حصہ ہوتی ہے۔ اسی طرح مدارس میں لسانی علوم اور اصول شریعت بھی اس دقّتِ نظر اور محنت سے پڑھائے جاتے ہیں کہ ایک دینی مدرسے کا طالب علم، سکول و کالج کے طالب علم کے مقابلے میں (اپنے اپنے موضوع کی مناسبت سے) زیادہ رسوخ اور اعتماد رکھتا ہے۔

علوم شریعت کی تحصیل کے دوران ان طالب علموں کو اس قدر ذہنی مشق کرادی جاتی ہے کہ وہ بعد میں کسی بھی میدان حیات میں معمولی محنت سے کامیاب ہو سکتے ہیں۔ مختلف تجزیوں میں دینی مدارس کے طلبہ کی یہ لیاقت خوب نمایاں ہوتی ہے، لیکن اس امر کا اعتراف بھی ضروری ہے کہ مدارس

Marfat.com

کے طلبہ میں معلومات اور مطالعہ کی وسعت اور پھیلاؤ کا رجحان جدید یونیورسٹیوں کے طلبہ کے مقابلے میں کم ہوتا ہے۔ البتہ یہ امر درست ہے کہ دینی مدارس کے طلبہ کی اپنے موضوع پر گرفت کے مظاہر کئی بار سامنے آئے ہیں۔ ایسا تو اکثر ہوتا ہے کہ یونیورسٹی کے ایم اے عربی یا اسلامیات کا امتحان دینے والے طلبہ مدارس کے ثانوی کلاسوں کے طلبہ سے اپنے امتحان کی تیاری کرتے نظر آتے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک تازہ واقعہ کا حوالہ دینا بھی مناسب ہوگا۔ ۲۰۰۱ء میں جب پنجاب یونیورسٹی نے ریگولر Ph.D کلاسز کا آغاز کیا تو اس میں داخلہ ٹیسٹ بہت مشکل بنایا گیا۔ شعبۂ اسلامیات کے فاضل اساتذہ کے بنائے گئے اس مشکل ٹیسٹ میں تین صد سے زائد طلبہ نے شرکت کی لیکن کامیاب ہونے والوں میں تمام طلبہ دینی مدارس کے فارغ التحصیل تھے۔ یونیورسٹیوں کا اپنا کوئی بھی ایم اے کا سند یافتہ طالب علم اس امتحان میں کامیاب نہ ہو سکا۔ یہی صورت حال ۲۰۰۲ء میں پنجاب یونیورسٹی کے شیخ زاید سنٹر میں پی ایچ ڈی کے ٹیسٹ میں پیش آئی۔ اس امتیاز کی بنیادی وجہ دینی مدارس کے طلبہ کی مخصوص نوعیت کی تعلیم ہے۔ دینی مدارس میں پڑھائے جانے والے درس نظامی کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی کا یہ تبصرہ اہم ہے کہ:

''اس نصاب کی اس کے مرتب کے پیش نظر مقدم خصوصیت یہ تھی کہ نصاب کی تکمیل کے بعد طالب علم جس فن کی جو کتاب چاہے سمجھ سکے''۔

برصغیر کے نظام تعلیم پر تحقیق کرنے والے مولانا ابوالحسنات ندویؒ کی اس نصاب کے بارے میں رائے یہ ہے:

''طالب علموں میں وسعتِ نظر اور قوت مطالعہ پیدا کرنے کا اس میں بہت لحاظ رکھا گیا ہے اور جس کسی نے تحقیق سے پڑھا ہو، گو اس کو ختم تعلیم کے معاً بعد کسی مخصوص فن میں کمال حاصل نہیں ہو جاتا لیکن یہ صلاحیت ضرور پیدا ہو جاتی ہے کہ آئندہ محض اپنی محنت سے جس فن میں چاہے، کمال پیدا کر لے''۔ (برصغیر کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم از پروفیسر بختیار حسین صدیقی، ص ۲۳)

Marfat.com

دینی مدارس کے اساتذہ اپنے اسباق کی تیاری کے لیے علم کے باقاعدہ بنیادی مصادر و مراجع سے رجوع کرتے ہیں اور طلبہ میں دوران سبق مختلف سوالات پوچھنے اور ان کی وضاحت کی بطور خاص حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ ایسے ہی دوران تدریس پیدا ہونے والے کئی سوالات کا جواب تلاش کرنا اور دیگر کتب سے ان کا مطالعہ کر کے ان کی وضاحت کرنا طلبہ کے ذمے لگایا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے دینی مدارس کے اسباق کی نہ صرف تیاری بلکہ عمل تدریس میں بھی تحقیقی رجحانات کا غلبہ ہے۔ اس استاد کو مدارس میں ہدف تنقید بنایا جاتا ہے جو بنیادی مراجع سے رجوع یا تیاری کے بغیر تدریس کرتا ہو یا ترجموں اور معاون کتب کی مدد سے پڑھاتا ہو۔ یوں بھی استاد طلبہ کے اکثر سوالات کا جواب دینے کا پابند ہوتا ہے اور دورانِ سبق اس کی گرفت اور اصل ماخذ تک رسائی کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

دینی مدارس کے اساتذہ اپنے فرائض کی تکمیل کے لیے جن بنیادی کتب کا مطالعہ کر کے اپنے سبق کی تیاری کرتے ہیں، ان کو وہ بعض اوقات مستقل مضمون کی شکل میں تحریر کر کے مختلف دینی رسائل میں شائع کرا دیتے ہیں۔ چنانچہ دینی رسائل میں اکثر علما کی تحریریں اسی نوعیت کی ہیں جو دوران تدریس مسائل کو حل کرتے ہوئے انہوں نے تحقیق کے نتیجے میں ترتیب دی ہوتی ہیں۔ بعض اساتذہ کتاب کی تدریس کے دوران اپنے وضاحتی نوٹس باقاعدہ طلبہ کو لکھواتے ہیں اور حسب ضرورت ایسے حواشی کی باقاعدہ اشاعت بھی ہو جاتی ہے۔

دینی مدارس کی روایات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک فاضل استاد جو عموماً صدر مدرس یا شیخ الحدیث ہوتا ہے، مختلف پیش آمدہ مسائل پر اساتذہ کی مجلس میں تبادلہ خیال کرتا ہے اور اس بحث مباحثہ کے نتیجے میں نکھرنے والے نکات کو اصل مصادر سے نکال کر ضبط تحریر میں لانے کی ذمہ داری کسی موزوں استاد کے سپرد کرتا ہے۔ ہر دینی مدرسے میں چند اساتذہ ضرور ایسے ہوتے ہیں جو تصنیفی مشاغل اپناتے ہیں۔ دینی مدارس کے ترجمان رسائل و جرائد عموماً یہی اساتذہ نکالتے ہیں، جس کے ذریعے اس مدرسہ کی تحقیقات منصۂ شہود پر آتی رہتی ہیں۔

Marfat.com

ایسے ہی مدارس کے یہ اساتذہ کسی نہ کسی اہم کتاب کی شرح وحواشی کا شغل بھی جاری رکھتے ہیں۔ کسی ماہر استاد کی معیت میں کسی اہم دینی کتاب کی شرح کا کام کرنا مدارس کا ایسا معمول ہے جس سے کوئی بھی قابل ذکر مدرسہ مستثنیٰ نہیں۔ مدارس کے سینئر اساتذہ عموماً تدریس میں مہارت اور تجربے کے بعد ادھیڑ عمری میں مختلف دینی موضوعات پر تصنیف وتالیف کا کام شروع کر دیتے ہیں اور ایسی ہی تصنیف سے دینی مکتبوں اور دینی لٹریچر کی دنیا آباد ہے۔

عوام الناس کو درپیش مختلف مسائل، مختلف موضوعات پر مناظرے اور مباحثے، جمعۃ المبارک کے خطبے اور عوامی اجتماعات میں خطابات کے تمام مواقع ایسے ہیں جہاں بیان سے قبل کافی کچھ تحقیق کرنا پڑتی ہے، اس کے بعد ہی کوئی عالم دین اپنے موضوع سے انصاف کر سکتا ہے۔ ایسی سرگرمیوں کو سندی تحقیق ایسی باضابطہ تحقیقی سرگرمی تو نہیں کہا جا سکتا، لیکن انہیں عمل تحقیق سے خارج کرنا بھی مناسب نہیں ہے۔

مدارس میں تحقیقی عناصر

تمام دینی مدارس کو یوں تو ایک جامع لفظ ''دینی مدرسہ'' سے بیان کر دیا جاتا ہے لیکن اس سے مراد دراصل ''مدرسہ سسٹم'' ہے جس کے کئی مراحل ہیں: مثال کے طور پر تحتانی، فوقانی اور دورۂ حدیث جنہیں اب تمہیدی (کے جی)، ابتدائیہ (پرائمری)، متوسطہ (مڈل)، ثانویہ (سکینڈری سکول)، اور اعلیٰ تعلیم کے مدارس (کالج و یونیورسٹی) بھی کہا جاتا ہے۔ جہاں تک تحقیقی سرگرمیوں کا سوال ہے وہ صرف اعلیٰ سطحی مدارس میں ہی ہوتی ہے۔ اس نوعیت کے مدارس لاہور شہر میں آٹھ، دس سے زیادہ نہیں لیکن انہیں مدارس کہنے کے بجائے جامعات (Universities) کہنا زیادہ مناسب ہے۔ ایسے دینی مدارس میں عموماً چار نوعیت کے تحقیقی ادارے سرگرم ہوتے ہیں:

(۱) لائبریری (۲) دارالافتاء (۳) شعبۂ تصنیف وتالیف اور (۴) دینی مجلّہ

لاہور شہر کے جن جامعات میں یہ چاروں کام کافی حد تک بہتر شکل میں پائے جاتے ہیں،

Marfat.com

ان میں اہل حدیث مکتب فکر کے (۱) جامعہ لاہور الاسلامیہ اور (۲) دیوبندی مکتب فکر کے جامعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، (۳) جامعہ اشرفیہ، (۴) دارالعلوم اسلامیہ اور (۵) جامعہ مدنیہ، بریلوی مکتب فکر کے (۶) جامعہ نعیمیہ اور (۷) منہاج القرآن جبکہ شیعہ مکتب فکر کا (۸) جامعۃ المنتظر قابل ذکر ہیں۔

- ان مدارس سے شائع ہونے والے دینی مجلّات میں بالترتیب (۱) ماہنامہ ''محدث'' (۲) مجلّہ ''نداء الجامعہ'' (۳) ماہنامہ ''الحسن'' (۴) ماہنامہ ''الامداد'' (۵) ماہنامہ ''انوار مدینہ'' (۶) ماہنامہ ''عرفات'' (۷) ماہنامہ ''منہاج القرآن'' اور (۸) ماہنامہ ''المنتظر'' شامل ہیں۔
- دینی مدارس کی لائبریریاں دینی لٹریچر کی فراہمی اور فروغ میں نمایاں کردار ادا کرتی ہیں۔ ایسی غیر معمولی لائبریریوں میں جامعہ سلفیہ فیصل آباد، جامعہ اثریہ جہلم، دارالعلوم کراچی، جامعہ فاروقیہ کراچی، جامعہ ابی ہریرہ (نوشہرہ)، جامعہ خیر المدارس ملتان، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، جامعہ منظور الاسلامیہ کینٹ لاہور، جامعہ اشرفیہ لاہور، جامعہ نعیمیہ لاہور، جامعہ لاہور الاسلامیہ، جامعہ الکوثر اسلام آباد اور جامعہ اہلبیت اسلام آباد کی لائبریریاں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔
- دینی مدارس کے دارالافتاء ہمیشہ سے شرعی مسائل میں عوام الناس کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے آئے ہیں۔ عوام الناس آج تک اپنے فتاویٰ کے سلسلے میں کسی بڑے سے بڑے اسلامی دانشور یا کسی یونیورسٹی کے اسلامیات کے پروفیسر کی بجائے مدارس دینیہ کے دارالافتاء اور ان کے فضلاء بلکہ ائمہ مساجد سے ہی رجوع کرتے ہیں۔ دارالافتاء نے اپنے فتاویٰ شائع کرنے کا بھی ایک وسیع سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ گزشتہ چند برسوں میں فتاویٰ لٹریچر میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ دینی مدارس کے فتاویٰ میں سے ممتاز فتاویٰ کے مجموعے بطور مثال حسب ذیل ہیں: دارالعلوم حقانیہ کا فتاویٰ حقانیہ، جامعہ اہل حدیث لاہور کا فتاویٰ اہل حدیث، جامعہ تفہیم القرآن مردان کا تفہیم المسائل، جامعہ محمدیہ اہل حدیث گوجرانوالہ کا ''احکام و مسائل'' از مولانا شیخ الحدیث عبدالمنان نور پوری، درس گاہ حضرت میاں صاحب کا ''فتاویٰ نذیریہ'' از میاں سید نذیر حسین دہلوی، جامعہ بنوریہ کراچی کا ''احکام و مسائل'' از مولانا یوسف لدھیانوی، فتاویٰ سلفیہ از مولانا محمد

Marfat.com

اسماعیل سلفی، فتاویٰ ثنائیہ از مولانا ثناء اللہ امرتسری، اور فتاویٰ عزیزی از شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی وغیرہ۔

- **شعبہ ہائے تصنیف و تالیف:** تمام بڑے دینی مدارس میں شعبہ ہائے تصنیف و تالیف بھی سالہا سال سے سرگرم عمل ہیں۔ دینی مدارس کے معروف شعبہ ہائے تصنیف و تالیف میں دارالعلوم کراچی کا شعبۂ تصنیف و تالیف، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا مؤتمر المصنفین، جامعہ لاہور الاسلامیہ کا مجلس التحقیق الاسلامی، جامعہ اثریہ جہلم کا مجلس التحقیق الاثری، جامعہ ابی ہریرہ نوشہرہ کا شعبۂ تصنیف و تالیف، جامعہ سلفیہ فیصل آباد کا ادارۃ البحوث العلمیہ کے علاوہ جامعہ فاروقیہ کراچی اور جامعیہ بنوریہ کراچی کے شعبہ ہائے تحقیق وغیرہ شامل ہیں۔

بعض دینی مدارس نے اس کے ساتھ اپنی کتب کی اشاعت بھی خود شروع کر رکھی ہے، ان میں بعض اشاعت کتب کا کام اسی نام سے کرتے ہیں جبکہ بعض کے مکتبے مستقل ناموں سے ہیں مثلاً دارالعلوم کراچی کا مکتبہ دارالعلوم، جامعہ ابی ہریرہ نوشہرہ کا ''القاسم اکیڈمی'' اور جامعہ اہل حدیث لاہور کی ''محدث روپڑی اکیڈمی'' وغیرہ۔

- **دینی رسائل و مجلات:** ہر نمایاں دینی مدرسہ اپنا ماہوار دینی رسالہ شائع کرتا ہے۔ دینی مدارس سے شائع ہونے والے رسائل میں پہلے درج کردہ رسائل کے علاوہ ماہنامہ الحق (جامعہ حقانیہ، اکوڑہ خٹک)، ماہنامہ الشریعہ (الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ)، ماہنامہ ترجمان الحدیث (جامعہ سلفیہ، فیصل آباد)، ماہنامہ البلاغ (دارالعلوم کراچی)، ماہنامہ حرمین (جامعہ اثریہ جہلم)، ماہنامہ بینات (جامعہ بنوریہ کراچی)، ماہنامہ الفاروق عربی، انگریزی، اردو (جامعہ فاروقیہ، کراچی)، مجلّہ التراث (جامعہ سلفیہ بلتستان)، ماہنامہ ضیاءِ حرم (جامعہ غوثیہ بھیرہ)، ماہنامہ دارالعلوم (دارالعلوم، دیوبند)، ماہنامہ محدث (جامعہ سلفیہ، بنارس) اور ماہنامہ ''السراج'' ماہنامہ نور الحبیب بصیر پور، ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ اور پندرہ روزہ صحیفہ اہل حدیث کراچی وغیرہ شامل ہیں۔ ان رسائل میں تحقیقی نوعیت کے مضامین بھی شائع ہوتے ہیں۔

Marfat.com

مذکورہ بالا تفصیلات صرف ان شعبہ ہائے تصنیف و تحقیق، لائبریریوں اور مجلّات کی ہیں جو دینی مدارس سے شائع ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ملک بھر میں دینی صحافت، دینی لائبریریوں یا اشاعتی ادارے ان میں شامل نہیں ہیں۔ اگر اس نوعیت کا ایک مطالعہ بھی کیا جائے کہ دینی مدارس کے فضلا نے دینی مدارس سے سند فراغت کے بعد کس طرح انہی میدانوں میں اپنا کام جاری رکھا تو یہ معلوم ہوگا کہ ان کے کام کا حجم بہت زیادہ ہے لیکن چونکہ یہ ہمارے موضوع سے متعلق نہیں، اس لیے مندرجہ بالا حقائق پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ملک کے نامور دینی جرائد کو، جو دینی مدارس کے ترجمان کے طور پر شائع نہیں ہوتے، اس میں شامل نہیں کیا گیا۔ مثلاً ترجمان القرآن، مجلّہ الدعوۃ، میثاق، ایشیا، بیدار ڈائجسٹ، بیداری حیدر آباد، خواتین میگزین، السیرہ العالمی، تعمیر افکار، افکار معلم، الاعتصام اور ''فقہ اسلامی'' کراچی وغیرہ۔

ایسے نشریاتی یا تحقیقی ادارے بھی موجود ہیں جو دینی مدارس سے ملحق نہیں لیکن مدارس کے فضلا ہی وہاں سرگرمی سے مصروف عمل ہیں۔ ان میں مکتبہ دارالسلام، ادارۂ اسلامیات، مکتبہ قدوسیہ، مکتبہ ضیاء القرآن، دارالاندلس، مکتبہ سید احمد شہید، مکتبہ سلفیہ، دارالاشاعت کراچی اور صدیق ٹرسٹ وغیرہ شامل ہیں۔ مدارس کے فضلا کے زیرنگرانی کام کرنے والے ایسے ہی مکتبے اور تحقیقی اداروں کی فہرست بھی بہت طویل ہے جن کے لیے مستقل جائزہ کی ضرورت ہے۔

دینی مدارس میں عمل تحقیق کا ایک جائزہ

گزشتہ صفحات میں دینی مدارس میں تحقیق کی جو تفصیلات پیش کی گئی ہیں، ان کی نوعیت اور معیار کے علاوہ موضوعات اور افادیت کے اعتبار سے بھی ایک تفصیلی بحث کی ضرورت ہے۔ زیرنظر مضمون میں ہماری پیش کردہ تفصیلات سے جہاں ان مدارس میں نفس تحقیق کا وجود ثابت ہوتا ہے، وہاں مدارس کی صحافت کا ایک مختصر جائزہ بھی سامنے آتا ہے۔ جہاں تک ان کے معیار اور موضوعات کی بات ہے تو ہم چند نکات کی صورت میں اپنا مختصر جائزہ پیش کیے دیتے ہیں، لیکن ان

Marfat.com

کا جائزہ اس حوالے سے بھی لینے کی ضرورت ہے کہ ملک عزیز میں تحقیق یا اسلامی موضوعات پر مطالعے کے رجحان کی مجموعی صورت حال کیا ہے؟ یا ایسے ادارے جو اسلامی موضوعات پر تحقیق کے لیے حکومت کے فنڈ سے کام کر رہے ہیں، انہوں نے تحقیق کے میدان میں کیا کردار ادا کیا ہے؟

بعض حضرات جن کی نظر صرف دینی صحافت کی عیب جوئی پر رہتی ہے، وہ بعض دینی جرائد و رسائل پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں بعض عوامی درجے کے اشتہار یا ضرورت رشتہ کی خبریں بھی آتی ہیں۔ دوسری طرف ملک کے مایہ ناز روزنامے اپنے سنڈے میگزین میں جس طرح عطائی حکیموں کے فحش اشتہارات کو جگہ دیتے ہیں، اس کو یہ لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ایک قوم کے رجحانات اس کے تمام افراد پر یکساں طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ملکی حالات اور زمینی حقائق سے بالاتر ہو کر مثالی تصورات پیش کر دینا تو بڑا آسان ہے لیکن دینی مدارس کو درپیش مشکلات اور دستیاب وسائل کی روشنی میں ان کی کاوشوں کا اعتراف نہ کرنا صریح زیادتی ہے۔

تحقیق کے معیار اور موضوعات کی کسوٹی پر اگر یونیورسٹیوں کے مقالات کو پرکھا جائے تو بہت سے عجوبہ روزگار نمونہ ہائے تحقیق دیکھنے کو ملیں گے۔ یونیورسٹی پروفیسروں کے تحقیقی مقالات کا سراغ لگایا جائے تو ان میں بھی حقیقی ریسرچ کے بارے میں بھی بہت کچھ بحث کی جاسکتی ہے۔ ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے دینی مدارس کے پیش کردہ موضوعات اور تحقیق کے معیار پر چند نکاتی تبصرہ نذر قارئین ہے:

۱۔ مدارس میں ان موضوعات کو زیادہ تر موضوع بحث بنایا جاتا ہے جن پر پہلے سے تحقیق اور دلائل کے انبار موجود ہیں اور چند موضوعات پر جواب در جواب کا طویل سلسلہ ہے۔

۲۔ مصادر شریعت پر کام کرنے کی بجائے شخصیات اور ان کے ملفوظات پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔

۳۔ اتحاد و اتفاق کی بجائے اس لٹریچر میں افتراق و انتشار کا رجحان پایا جاتا ہے۔ حق کو واضح کرنے کی بجائے اپنے مؤقف کی تائید میں دلائل کو جمع کیا جاتا ہے۔

۴۔ درپیش مسائل اور سلگتے سوالات کے بجائے گڑے مردے اکھاڑے جاتے ہیں۔ وسیع النظری

Marfat.com

کی بجائے تنگ خیالی غالب ہے۔عبادات والٰہیات پر بیش بہالٹریچر کے بعد سیاست واقتصاد اور معاملات و معاشرت پر تحقیق کا رجحاں مفقود ہے۔البتہ گزشتہ برسوں میں اقتصادیات پر کچھ کام سامنے آیا ہے۔

۵۔ دیگر مذاہب اور اسلام کو درپیش عالمی چیلنجز کے حوالے سے کام ہونا باقی ہے۔

۶۔ عبارت سلیس اور عام فہم ہونے کی بجائے عربی اسلوب میں لکھی جاتی ہے۔خصوصاً جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لیے یہ اصطلاحات مشکل اور نا قابل فہم جبکہ اسلوب دقیق اور مبہم ہوتا ہے۔

۷۔ کام کی مقدار زیادہ لیکن افادیت اور اشاعت کا دائرہ محدود ہے۔

لیکن یہ امر قابل تعریف ہے کہ دینی مدارس کے فضلاء کی تحریریں قرآن و حدیث سے بکثرت استشہاد اور ائمہ اسلاف کے اقوال سے جابجا استناد سے مزین ہوتی ہیں اور ان میں عقل پرستی کی بجائے نصوص شرعیہ کی بناء پر مؤقف قائم کیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ تبصرہ دینی مدارس میں علم و تحقیق کے بجائے اس خرابی کا عکاس ہے جو سامراجی غلبہ کے بعد دینی حلقوں میں سرایت کر گئی ہے جس میں ایک طرف دینی حلقے علمی مکاتب فکر کے بجائے فرقوں اور ان کے تنظیمی یونٹوں کی شکل اختیار کرتے گئے تو دوسری طرف سامراج کے جبر کے مقابلہ میں دینی ذہن کو مسجد اور خانقاہوں میں بند ہونے پر مجبور ہونا پڑا جس کے نتیجے میں وہ اجتماعی میدانوں یعنی معاشرت، معیشت اور سیاست میں جولانی نہ دکھا سکے۔ اسی دوران سامراجی کوششوں سے جب مسیحی، آریائی، سناتن، دہری، شدھی وغیرہ مذہبی تحریکوں کو اپنے پر پرزے نکالنے کا موقع ملا تو میدان مناظرہ گرم ہو گیا، جو بعد میں بڑھتا ہوا خود اسلامی مکاتب فکر میں باہمی تناؤ کا باعث بنا اور اس طرح شیعہ کے تین امامی فرقوں آغا خانی، جعفری اور زیدی کے بعد اہل سنت کو حنفی (دیوبندی) حنفی (بریلوی) اور اہل حدیث میں تقسیم کرنے پر منتج ہوا۔الغرض اس تبصرہ کا تعلق نفس تحقیق کے بجائے ان تحقیقی رجحانات سے ہے جو سوئے اتفاق سے مذہبی حلقوں کی نفسیات میں جڑ پکڑ گئے اور اس سے ان کے کردار اور اثر اندازی کی صلاحیت کو خاطر خواہ نقصان ہوا۔

Marfat.com

تجاویز

چونکہ ہمارا موضوع تحقیق و تصنیف ہے، لہٰذا ان مذہبی رجحانات پر زیادہ طویل گفتگو کے بجائے آخر میں دو تجاویز پر بات کو ختم کیا جاتا ہے جس میں ایک جدید جامعات میں ہونے والی تحقیق کے بارے میں ہے اور دوسری ارباب دینی مدارس کے لیے:

۱۔ تحقیق کو حقیقت آشنا کیا جائے: یونیورسٹیوں میں پی ایچ ڈی ریگولر شروع ہونے کے بعد امیدواروں کا ایک تانتا بندھا ہوا ہے، دوسری طرف تحقیق طلب موضوعات کی یونیورسٹیوں میں ہمیشہ سے قلت رہی ہے۔ ادھر یہ بھی حقیقت ہے کہ پاکستان میں اسلام کے حوالے سے نہ صرف ہزاروں موضوعات پر کام ہونا باقی ہے بلکہ دنیا بھر میں اسلام کو درپیش مسائل کے حوالے سے بے شمار موضوعات تحقیق طلب ہیں۔ ایسی صورت حال میں فرضی موضوع پر تحقیق کرنے یا کسی سابقہ کوشش میں عنوان کی معمولی سی تبدیلی کر کے تحقیق کرنے کے بجائے مناسب ہوگا کہ مختلف جامعات میں مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ کی ایک معقول تعداد پی ایچ ڈی کے لیے امیدوار بنے۔ تاہم ان جامعات میں خود بھی موضوع کے انتخاب سے لے کر آخر تک کے مراحل میں سنجیدہ تحقیق کا فقدان نظر آتا ہے۔ اس تناظر میں تجویز دی گئی ہے کہ ماہرین اجتماعیات کے علاوہ استشراق اور تقابل ادیان و ثقافت کے مختلف شعبہ ہائے حیات کے ماہرین کو موضوع کے تعین اور تجویز کرنے میں شامل کیا جائے۔ اس سلسلے میں پاکستان میں مصروف عمل اسلامی اداروں مثلاً اسلامی نظریاتی کونسل، وفاقی شرعی عدالت، بینکنگ کونسل، محکمہ زکوٰۃ اور بیت المال وغیرہ کے نمائندوں کو ایڈوانس سٹڈیز بورڈ کے اجلاس میں بھی شریک کیا جانا چاہیے اور ان کو درپیش مسائل پر طلبہ سے تحقیق کرائی جائے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تحقیق حقیقی مسائل پر ہوگی اور محقق کو دوران تحقیق سرپرستی اور درکار وسائل بھی حاصل رہیں گے۔ نیز تحقیق کی تکمیل کے بعد انہی اداروں میں اس کو کام کے مواقع ملنے کے علاوہ تحقیق جلد

Marfat.com

از جلد شائع ہو کر اپنا مقصد بھی پورا کرے گی۔

مغرب کی بہت سی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کے اداروں کو تجارتی و اجتماعی ادارے اسی بنیاد پر مالی اعانت فراہم کر کے اپنے مطلوبہ موضوعات پر ان سے تحقیق کراتے ہیں۔ اس سلسلے میں توجہ دینے اور پالیسی وضع کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

۲۔ تحقیق کے ذریعے مسائل کو حل کیا جائے نہ کہ مسائل پیدا کیے جائیں: اس تجویز کا روئے سخن بالخصوص دینی مدارس کی طرف ہے۔ تحقیق کسی موضوع پر درپیش مشکل کے حل کے لیے ہوتی ہے۔ کسی موضوع پر منہج تحقیق میں درپیش مشکل اور مسئلہ کا تعین کرنا اسی لیے ضروری ہوتا ہے کہ تحقیق کے ذریعے اس کا حل نکالا جا سکے۔ ہمارے ہاں ایسی تحقیقات بھی سامنے آتی ہیں جن سے نہ صرف مسائل جنم لیتے ہیں بلکہ انتشار و افتراق بھی پیدا ہوتا ہے، بلکہ کئی ایسے نو افلاطون پیدا کیے جاتے ہیں جو اسلامی مسلّمات کے خلاف مسلسل تشکیک کا کام کرتے ہیں یا معروف اصطلاحات کو نئے معانی پہناتے ہیں، بلکہ تعبیر نو کے نام پر اسلام کی تشکیل نو کا نعرہ تو اب فیشن بنتا جا رہا ہے*۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ تحقیق کے ذریعے ایسی مشکلات کا خاتمہ کیا جائے اور ترقی کے زعم میں ماضی سے کٹنے کی بجائے اسی کا ارتقاء اور اس سے قرب کے راستے دریافت کیے جائیں۔ ایسے موضوعات میں وہ تمام عنوانات شامل ہو سکتے ہیں جن میں مختلف مکاتب فکر کے مابین حساس موضوعات پر مبنی برانصاف تحقیق کے ذریعے ہر دو فریق کے لیے معتدلانہ مؤقف کی نشاندہی کی کوشش کی جا سکتی ہے۔

آخر میں ہم اپنی بات کو اس تبصرے پر ختم کرتے ہیں کہ بحیثیت مجموعی دینی مدارس اور شعبہ ہائے اسلامیات میں تحقیقی رجحانات روبہ زوال ہیں۔ قبولیت اسلام کے رجحانات میں جوں جوں

---

* جدید سائنس کو درپیش مسائل سے متعلق اسلامی شریعت کی راہنمائی حاصل کرنے کے لیے اس کی تعلیمات میں استشہاد کی ضرورت سے انکار نہیں، مگر اس کے لیے اصولی ڈھانچے میں تحریف کی جسارت کی بجائے اسے سمجھنے اور نیک نیتی سے تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

اضافہ ہو رہا ہے توں توں اسلام کو نئے مسائل سے بھی واسطہ پڑ رہا ہے۔ ان حالات میں اسلام سے وابستہ حضرات کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں۔

دیگر علوم میں مختلف حوالوں سے جو تحقیقی کام ہو رہا ہے، اس لحاظ سے بھی اسلامی علوم کی تعلیم اور تحقیق کی صورت حال کسی طور تسلی بخش نہیں ہے اور اس کے لیے سب کو اجتماعی جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔ دینی مدارس ہوں یا یونیورسٹیوں کے شعبہ ہائے اسلامیات وعربی، دراصل وہ ایک ہی منزل کے راہی ہیں۔ آپس میں معلومات اور تجربوں کے تبادلے سے منزل کی طرف بہتر طور پر قدم اٹھائے جاسکتے ہیں۔

ملک بھر میں قائم حقیقی اسلامی تحقیقی مراکز کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے، اس کے باوجود تحقیقی کام سے اہل علم کا ناطہ ابھی تک ٹوٹا نہیں ہے۔ اگر احساس بیدار ہو جائے تو یہیں سے اسلام کی درخشندہ تحقیقی روایات کا احیاء کیا جاسکتا ہے۔ اقدام سے قبل تحقیق کسی بھی کام میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور زندہ قومیں اپنے تحقیقی کام کی بدولت ہی مسائل کی حقیقی وجوہ تک پہنچ کر ان کا حل تلاش کرتی ہیں۔ اس لحاظ سے ہمیں اسلامی موضوعات پر تحقیقی رجحانات کی بطور خاص حوصلہ افزائی کرنی چاہیے اور اس عمل میں اپنا حصہ ڈالتے رہنا چاہیے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۲﴾

ڈاکٹر قبلہ ایاز

چیئرمین اسلامک اسٹڈیز و ڈین فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز اینڈ عربک، پشاور یونیورسٹی

گزشتہ کئی ہفتوں کے دوران امریکی اداروں اور تنظیموں کے ساتھ ہمارا تبادلہ خیال ایک لحاظ سے بنیادی مأخذ کی صورت میں تھا۔ چونکہ دینی مدارس کے ساتھ نہ صرف میرا بہت قدیم تعلق رہا ہے بلکہ اب بھی ایک پراجیکٹ کے حوالے سے ہم اس پر کام کر رہے ہیں اور اس ضمن میں گزشتہ دو ماہ کے دوران کوئی دوسو سے زائد علماء سے ہماری ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ ڈیرہ اسماعیل خان سے لے کر کوہستان تک کے علاقے پر محیط ان ملاقاتوں میں ہم نے نصاب، نظام تعلیم، انتظام تعلیم، امتحانات اور مالیات کے نظام کے بارے میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اس تناظر میں ہم براہ راست علماء کے نقطۂ نظر سے واقفیت کی بدولت ان کے سامنے اپنا نقطۂ نظر بہتر طور پر پیش کر سکتے تھے۔

درحقیقت اب امریکی جس طرح اس بات کے قائل ہیں کہ ۱۱ ستمبر کی ذمہ دار تنظیم القاعدہ اور مسلمان ہیں۔ اسی طرح وہ اس یقین کا اظہار بھی کرتے رہتے ہیں کہ بالخصوص افغانستان، صوبہ سرحد اور بلوچستان میں دینی مدارس، تشدد، دہشت گردی، خون بہانے اور مغرب بالخصوص امریکہ کے خلاف لڑنے کے لیے Breeding Ground اور نرسریاں ہیں۔ ظاہر ہے ان کے اس یقین کی روشنی میں انہیں اس بات پر قائل کرنا کہ ان کی معلومات اور ان کے نتائج صحیح نہیں ہیں، اس

Marfat.com

وقت بہت مشکل کام ہے۔ ہماری ملاقات سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے لوگوں سے ہوئی اور ہمیں اخبارات کے دفاتر میں بھی لے جایا گیا جہاں پاکستان اور دینی مدارس کی رپورٹنگ کے ذمہ دار لوگوں سے ہماری گفتگو ہوئی۔ انہوں نے ہمیں واضح طور پر کہا کہ عام طور پر مغربی اور بالخصوص امریکی ۱۱ ستمبر سے پہلے باہر کی دنیا کے بارے میں بہت کم جانتے تھے۔ لیکن اس وقت صورت حال یہ ہے کہ امریکہ میں لفظ ''مدرسہ'' ایک ہاؤس ہولڈ قسم کا نام بن گیا ہے۔ کوئی امریکی جسے حالات سے ذرا سی بھی دلچسپی ہے، مدرسہ کا لفظ اس کے لیے مانوس ہے اور وہ باقاعدہ اس کا ذکر کرتا ہے۔ کسی بھی ایسی محفل میں جہاں یونیورسٹی کے صاحب علم لوگ موجود ہوں اور کسی حد تک انہیں ان معاملات میں دلچسپی ہو تو وہ Muslim religious institutions کے نام کی بجائے ''مدارس'' یا ''مدرسہ'' کا لفظ استعمال کرتے نظر آئیں گے۔ وہ بتائیں گے کہ یہ دہشت گردی اور تشدد کے اڈے ہیں جو مغرب اور امریکہ کے خلاف سوچ کو پروان چڑھانے کے ذمہ دار ہیں۔ ہم نے ان پر یہ واضح کرنے کی بہت کوشش کی کہ مذہبی تعلیم ہر معاشرے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے کسی نہ کسی نظام کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے حالات میں مدارس اس ذمہ داری کو ادا کر رہے ہیں اور یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ان کے معاشرے میں عیسائی مذہبی ادارے ہیں۔

یہ بات کسی حد تک ان کے لیے قابل فہم بھی تھی کیونکہ دورے کے دوران ہمیں ایسے کئی اداروں میں لے جایا بھی گیا۔ یہ ادارے بہت ترقی یافتہ ہیں۔ ایک مدرسے میں ہم گئے جو عیسائی فرقے نارمنز کا مدرسہ ہے۔ ان کے کانفرنس ہال میں ۲۱ ہزار لوگوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ ہمیں دکھایا گیا کہ کس طرح ان کی تبشیری مشنریز، دعوت دینے والوں کی تربیت کرتی ہیں۔ ان جگہوں پر بھی ہمیں لے جایا گیا جہاں دنیا بھر سے آئی ہوئی خواتین زیر تربیت تھیں جو واپس جا کر اپنے علاقوں میں نارمنز کی تبلیغ کریں گی۔ اسی طرح ہمیں جارڈن سکول کے ساتھ ایک اور ادارے میں لے جایا گیا۔ جارڈن دراصل پبلک سکول ہے جس میں مذہب کی تعلیم دینے کی اجازت نہیں اس لیے مختلف گرجوں نے ایسے سکولوں کے ساتھ اپنے ادارے قائم کیے ہوئے ہیں اور پھر ایک گنجائش

Marfat.com

یہ رکھی ہے کہ جو طلبہ مذہبی تعلیم کی طرف جانا چاہیں وہ ان پبلک اداروں میں جائیں۔ ہم نے وہ ادارہ بھی دیکھا جہاں وہ انجیل کی دعوت دیتے ہیں اور اس کے مضامین سمجھانے کی کوشش کرتے اور شرکائے کورس کی تربیت کرتے ہیں کہ اس پیغام کو باقی لوگوں تک پہنچائیں۔

اسی طرح ہمیں بتایا گیا کہ وہاں یہودیوں کے مذہبی ادارے بھی ہیں جنہیں یشیوا کہا جاتا ہے اور وہاں عبرانی، جدید اسرائیلی زبان یڈیش، تورات اور زبور کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ایسے کچھ ادارے لبرل ہیں لیکن عام طور پر قدامت پسندانہ (Conservative) سوچ رکھتے ہیں یشیوا جیسے اداروں میں طلبہ کو جدید علوم کی طرف نہیں لایا جاتا بلکہ ان کو قدیم اور روایتی علوم کے ساتھ منسلک کیا جاتا ہے۔

ہم نے ان سے دریافت کیا کہ کیا وہ کسی ایسے فرد کی نشاندہی کر سکتے ہیں جو ان کے بقول دہشت گرد ہو اور وہ مدرسے میں پڑھتا ہو؟ ان کی جانب سے جواب میں طالبان کے حوالے پر ہم نے انہیں بتایا کہ طالبان کے عنوان سے ان کے خلاف مزاحمت اس بناء پر نہیں کہ وہ مدارس کے تربیت یافتہ ہیں بلکہ یہ اس خطے میں حالیہ صورت حال کا شاخسانہ ہیں، جس میں روس کے خلاف مزاحمت کی ایک بہت بڑی تحریک اٹھی تھی جس کی پوری آزاد دنیا اور خود امریکیوں نے حمایت کی تھی۔ یہ اسی کا تسلسل ہے۔ ان میں سے بلاشبہ بہت سے دینی مدارس میں بھی تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں اور امریکہ کے مفادات کے خلاف ان کے بقول جنگ لڑ رہے ہیں۔ مگر یہ تمام لوگ دینی مدارس کے تربیت یافتہ نہیں ہیں۔ چنانچہ ہم نے اپنے طریقے سے انہیں اس طرح قائل کرنے کی کوشش کی، لیکن ظاہر ہے ان کی ایک سوچ بن گئی ہے۔ اس کو اتنی آسانی کے ساتھ تبدیل کرنا کوئی آسان کام نہیں، خصوصاً اس وقت تک جب تک ان کے اپنے مفادات کے تحت ان کی پالیسوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

ان کی گفتگو سے ہمیں اندازہ ہوا کہ وہ ہمیں مالی امداد کی فراہمی کے بدلے میں مدارس کے نصاب کی تبدیلی کے خواہش مند ہیں۔ اور اس کے اشارے ہمیں یہاں حکومتی پروگراموں میں بھی

Marfat.com

ملے ہیں؛ خصوصاً جب حکومت کو مالی امداد کی پیشکش ان شرائط پر کی جاتی ہے کہ کون کون سے مضامین شروع کیے جائیں اور کون سے عنوانات خارج از نصاب کیے جائیں۔ہم نے انہیں بتایا کہ نصاب کی تبدیلی سے آپ کے بارے میں ان کے رویے میں کوئی ذہنی تبدیلی نہیں آئے گی۔کیونکہ اس کی وجہ مدرسوں کا نصاب نہیں بلکہ آپ کی پالیسیاں ہیں۔ہم نے انہیں یاد دلایا کہ جب ۲۰ لاکھ عیسائی لندن کی سڑکوں پر آ گئے تھے تو وہ دینی مدارس کے فارغ التحصیل نہیں تھے۔وہ اس لیے آئے تھے کہ انہیں آپ کی پالیسیوں کے ساتھ اتفاق نہیں تھا۔

ان کے اس الزام کے جواب میں، کہ یہ نفرت کے اڈے ہیں، ہم نے ان پر واضح کیا کہ ایسی کوئی بات نہیں، دراصل یہ شکایات کے اڈے ہیں۔انہیں آپ کی پالیسیوں سے شکایات ہیں، اور وہ ان کی بناء پر آپ سے ناراض ہیں۔ان کی نفرت کسی سے اس کے رنگ یا نسل کی بناء پر نہیں ہے۔اگر ایسا ہوتا تو انہیں ناروے، سویڈن اور فن لینڈ کے لوگوں سے بھی نفرت ہوتی کیونکہ وہ گورے بھی ہیں اور امریکہ کی طرح خوشحال بھی؛ مگر کبھی مرگ بر سویڈن یا مرگ بر ناروے کا نعرہ بلند نہیں ہوا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ممالک کی پالیسیوں میں استعماری عنصر نہیں ہم نے ان لوگوں سے کہا، ''آپ کی پالیسیوں میں ظاہر ہے کہ استعماری عنصر ہے۔اس کی وجہ سے لوگ آپ سے شکایات کر رہے ہیں۔اور یہ ایک ردعمل ہے جو آپ تک پہنچتا ہے۔''

امریکی میڈیا کی صورت حال بھی کم خوفناک نہیں۔عبدالحمید کوسٹیلو نے جو مراکش میں مسلمان ہو گئے تھے اور اب نیویارک میں ان کا ایک بہت بڑا پراجیکٹ Muslims in Newyork چل رہا ہے۔نیز اسلامک کونسل آف ایجوکیشن کے شبیر منصوری نے ہمیں امریکیوں کے مسلسل منفی رویہ کے بارے میں بہت سی مثالیں دیں۔اپنے قیام کے دوران ہم نے خود بھی دیکھا، جب ابوحمزہ المصری کو برطانیہ میں گرفتار کیا گیا تو چند سنجیدہ اخبارات کو چھوڑ کر باقی تمام امریکی اخباروں مثلاً میٹرو اور سن وغیرہ نے اس کی تصویر اس طرح شائع کی گویا اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہیں۔اور نیچے درج تھا ''نفرت کا امام برطانیہ میں گرفتار کر لیا گیا''۔ظاہر ہے اتنی

Marfat.com

بڑی سرخی سے ایک عام قاری کے ذہن پر بُرا ہی اثر پڑے گا۔ اسی طرح Times وغیرہ میں ہمارے قیام کے دوران ایک مسلمان امریکی خاتون کی تصویر شائع ہوئی جس نے حجاب پہنا ہوا ہے اور اس کے نیچے لکھا گیا "American wives supportive of Terrorism"۔ ظاہر ہے جب اس قسم کی خاتون امریکہ میں منظر عام پر آئے گی اور میڈیا کے بنائے ہوئے ذہن کے ساتھ لوگ اسے دیکھیں گے تو عام طور پر اسی طرح تاثر بنے گا۔ اس تناظر میں یہ سوال بہت اہم ہے کہ کیا ان کے رویوں میں کسی تبدیلی یا بہتری کی گنجائش ہے؟ دینی مدارس کے نصاب کے حوالے سے مغرب اور بالخصوص امریکہ میں نظامِ مدارس پر حملہ آور ہونے کا ایک عجیب نسخہ تجویز کیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ مرکزی حکومت کو پس پردہ کردار دیتے ہوئے صوبوں کے ذریعے بھاری رقوم تقسیم کی جائیں اور اس کا واحد مقصد مدارس میں ان کی مرضی کے مطابق تبدیلیاں لانا ہو۔

تبدیلی کا عمل بذاتِ خود قابل اعتراض نہیں ہے۔ جناب عبداللہ نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس سیمینار میں واضح کیا ہے کہ دینی مدارس کے نصاب میں ابتداء ہی سے ازخود ہمارے علماء اور مہتممین مختلف ادوار میں وقت کی ضرورت کے مطابق تبدیلیاں لاتے رہے ہیں۔ اور اس وقت بھی دیوبند میں بڑی تبدیلیاں آئی ہیں جبکہ حال ہی میں وفاق المدارس کے اجلاس میں بھی چند بڑی تبدیلیاں تجویز کی گئی ہیں، جن پر وقت کے ساتھ ساتھ عمل درآمد ہوگا۔ یوں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ خود ہمارے علماء میں احساس اور ادراک ہے کہ حالات کے تناظر میں تبدیلیاں ناگزیر ہیں۔ اس پس منظر میں امریکی حکومتی اہلکاروں، دانشوروں، اسکالروں اور خود اپنے علماء سے رابطوں کے دوران جو کچھ ہم نے محسوس کیا ہے اس حوالے سے میں اصلاح احوال کے لیے کچھ تجاویز پیش کرتا ہوں۔

تمام مدارس اور طلبہ کے لیے اگرچہ یہ ممکن نہ ہو مگر یہ لازم ہے کہ زیادہ تر مدارس میں تخصص کا کچھ سلسلہ شروع ہونا چاہیے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ کچھ علماء حضرات اور خواتین عالمات کو جدید موضوعات کے بارے میں اس نقطۂ نظر سے باقاعدہ تربیت دی جائے کہ عالمی مسائل، مطالبات اور تقاضوں کی روشنی میں وہ اپنے مؤقف کو مضبوط دلائل کے ساتھ اور مؤثر انداز میں

Marfat.com

پیش کرنے کے قابل ہوں۔ بلاشبہ دینی مدارس، قرآن مجید اور حدیث کی تفہیم کا اہتمام بھی کرتے ہیں اور انہی کی وجہ سے ہماری نسل اور دین کا تعلق برقرار ہے۔ جن علاقوں سے علماء اور مدارس کو ختم کر دیا گیا ہے وہاں کی نسل کا دین سے تعلق بھی ختم ہو گیا ہے۔ بہت سے افریقی ممالک اور وسطی ایشیا میں ایسی مثالیں نظر آ جاتی ہیں۔ تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن کریم اور علومِ اسلامیہ کو اصل عربی ماٰخذ کے ذریعے سمجھا جائے اور پھر علماء میں سے کچھ ایسے باصلاحیت لوگ ہوں جو انگریزی اور دوسری بین الاقوامی زبانوں میں یہ پیغام غیر مسلموں تک پہنچا سکیں۔ اس ابلاغ میں عصری اور بین الاقوامی زبانوں کا محاورہ موجود ہونا وقت کا ایک اہم تقاضا ہے۔

اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ جس طرح مغرب کے اندر استشراق ہے، ہمارے مدارس اور یونیورسٹیوں میں ایک چھوٹا سا مگر سنجیدہ گروپ استغراب کا ہو، جس میں مغربی افکار، سوچ، مغربی تاریخ اور مغربی انسان کی نفسیات کا ناقدانہ مطالعہ کیا جاتا ہو۔ اگرچہ اس وقت بھی ہم میں کچھ لوگ موجود ہیں جو اس نوعیت کا کام کرنا چاہتے ہیں، مگر ان میں ایک بہت بڑی خامی یہ ہے کہ وہ مغربی علوم حاصل کرتے ہی مغرب سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ مرعوبیت کے مقابلہ میں ناقدانہ صلاحیت ہم لوگوں میں اب تک پیدا نہیں ہوئی، نہ اس طرف ہماری کوئی پیش رفت ہو رہی ہے۔ اسی لیے ضروری ہے کہ ہم اس طرف بھی متوجہ ہوں کہ مغرب نے مادی ترقی کیسے کی اور اس ضمن میں ان کے کیا افکار و حالات ہیں؟ ہمیں ان کی نفسیات اور افکار کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ میرا دعویٰ ہے کہ دینی مدارس میں اس کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ مثلاً منطق کے علوم، ہیئت اور دیگر علوم، مثلاً اقلیدس اور ریاضی کے حوالہ سے ایک دور میں مغربی علوم سے دینی مدارس نے استفادہ کیا اور ان کو سیکھا۔ امام غزالی اسی طرح علم فلسفہ کے ماہر بنے۔ گویا استغراب کی جڑیں دینی مدارس میں گہری ہیں۔ اس وقت ہمیں اس طرف متوجہ ہو جانا چاہیے۔

اسلامی تاریخ کے حوالے سے بھی ہمارے دینی مدارس میں کچھ کمی ہے۔ اسلامی تاریخ، بالخصوص سپین میں مسلمانوں کے زوال، صلیبی جنگیں، ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت اور زوال،

Marfat.com

نیز منگولوں کی آمد اور عباسی خلافت کا خاتمہ وغیرہ، سب بہت اہم موضوعات ہیں۔ جب تک ہمارے دینی سکالرز، علماء اور طلباء کو ان حالات کا پتا نہ ہو، وہ جدید دور میں اپنے لیے راستے کا انتخاب نہیں کر سکتے۔ جب تک ہم اپنے ماضی کو صحیح طریقے سے اپنے سامنے نہ رکھیں اور عروج و زوال کے اسباب کا کھوج نہ لگائیں، غیر مسلموں کی کوششوں کا تنقیدی مطالعہ نہ کریں اور خود اپنے گریبان میں نہ جھانکیں، ہم اپنے لیے درست راستے کا تعین نہیں کر سکتے۔

ایک اور اہم بات جو اس وقت ہماری ضرورت ہے وہ یہ کہ دینی مدارس میں اختلاف رائے اور تعبیری تنوع کو باقاعدہ ایک حصے کے طور پر نصاب میں شامل کیا جائے۔ دیگر فقہوں کی امہات الکتب سے ایک خاص درجے کے بعد طلباء کو متعارف کروایا جائے۔ ظاہر ہے کہ ہر ایک کے لیے یہ ممکن نہیں مگر کچھ ادارے اور افراد ایسے ہونے چاہییں۔ ایسے دلائل اور تعبیری، فقہی تنوع کی بھی ہمارے ہاں بہت گہری جڑیں ہیں۔ اختلافی اور تعبیری اختلاف امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ خود ان کے شاگرد امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر نے ان سے اختلاف کیا ہے اور نہ صرف یہ کہ اختلاف کیا ہے بلکہ بارہا امام ابوحنیفہ نے ان کی طرف رجوع کیا اور وہ رجوع ثابت ہے۔ یہ چیز ہماری بنیاد میں موجود ہے۔ ایسی صورت میں ہم ان بنیادوں کی طرف واپس کیوں نہ جائیں؟ اس طریقے سے جو سوچ سامنے آئے گی اس کا افق زیادہ وسیع ہوگا۔

مذاہب عالم کے مطالعہ کی ابتداء ہم نے کی ہے۔ امام ابن حزم کی الملل والنحل اور دیگر بہت سی کتب کی مثالیں بھی اس ضمن میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ جدید اور قدیم مذاہب اور افکار اب ختم ہو گئے ہیں۔ ان کا تاریخی طور پر تو ہم مطالعہ کر سکتے ہیں مگر یہ نئے افکار کی قیمت پر نہیں ہونا چاہیے۔

ایک اور بات جس کا پوری طرح ادراک نہیں کیا جا رہا، وہ خاندانی نظام کا تحفظ ہے۔ اس وقت یہ کوشش پوری شدومد سے ہو رہی ہے کہ امت مسلمہ میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص خاندانی یونٹ کو شکست و ریخت سے دوچار کر دیا جائے۔ ٹی وی پر اس کے مظاہر آتے ہیں۔ کیبل نیٹ ورک، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ ساری چیزوں کا استعمال دیکھا جائے تو ایک بڑا ہدف یہی نظر آتا ہے

Marfat.com

کہ ہمارے خاندانی یونٹ کو کمزور تر کیا جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم خاندانی یونٹ کس طرح بچائیں۔ اس کے لیے بنین سے زیادہ بنات کے مدارس کے قیام کے اور ان کے ذریعہ ہماری خواتین کی علمی حوالے سے تربیت ضروری ہے۔ کیونکہ خواتین تربیت یافتہ ہوں اور انہیں یہ احساس دلایا جائے کہ عالمی صورت حال کیا ہے تو اس موجودہ عالمی صورت حال میں وہ ایک زبردست کردار ادا کر سکتی ہیں۔ خاندانی یونٹ کی حفاظت کے حوالے سے یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی نیا اور بڑا بوجھ دینی مدارس کے طلبہ پر ڈال دیا جائے۔ اس کے لیے خاص تین تین مہینے کے کورسز ہو سکتے ہیں۔ اس کے لیے بہت سے ایسے افراد موجود ہیں جو دینی مدارس کے ساتھ تعاون پر تیار ہوں گے اور اس میدان میں موجود کمی کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔ البتہ ان تمام ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ نصاب میں تھوڑی بہت تخفیف کی ضرورت ہے۔ بہت ساری کتابیں ایسی ہیں جن میں تکرار اور اعادہ ہے۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ انہیں کم کر دیا جائے اور انہیں ایک مربوط طریقے سے پڑھانے کی کوشش کی جائے۔ ان کی زبان بہت مغلق ہے کیونکہ یہ دور وسطیٰ میں لکھی ہوئی کتابیں ہیں۔ ان میں بھی اصلاح اور کچھ زائد مواد شامل کرنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً ان میں کچھ چیزوں کو ہٹانا ہے اور کچھ کو شامل کرنا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۳﴾

ابوعمار زاہد الراشدی
مدیر ''الشریعہ'' گوجرانوالہ

نحمدہ تبارک و تعالیٰ و نصلی ونسلم علی رسولہ الکریم و علی آلہ و اصحابہ و اتباعہ اجمعین

''عصر حاضر میں دینی مدارس کے طریق تحقیق وتالیف کا تجزیاتی مطالعہ'' کے عنوان پر گفتگو سے قبل معاشرے میں دینی مدارس کے دائرۂ کار، اہداف اور طرزعمل کے بارے میں مجموعی صورت حال پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے کیونکہ اسے سامنے رکھ کر ہی ہم دینی مدارس کے ''طریق تحقیق و تالیف'' کا بہتر انداز میں جائزہ لے سکیں گے۔

دینی مدارس کا موجودہ نظام دور غلامی کی پیداوار ہے۔ جب جنوبی ایشیاء میں برطانوی استعمار نے تسلط جما کر صدیوں سے چلے آنے والے سیاسی، معاشی، عسکری، تعلیمی، دفتری اور قانونی نظام کو تلپٹ کر کے رکھ دیا اور معاشرتی وثقافتی نظام کی بیخ کنی کے لیے پیش رفت کا آغاز کیا تو تعلیمی، دینی، ثقافتی اور فکری محاذ سے دلچسپی رکھنے والے چند مخلصین نے اس سیلاب کے سامنے بند باندھنے کا فیصلہ کیا اور دینی تعلیم، اسلامی ثقافت، مذہبی معاشرت اور مشرقی اقدار کے تحفظ کے لیے رضا کارانہ بنیاد پر دینی مدارس کے قیام کا سلسلہ شروع کیا اور یہ ضرورت چونکہ ہمہ گیر اور ملی نوعیت

Marfat.com

کی تھی، اس لیے اس کار خیر کا سلسلہ پھیلتے پھیلتے جنوبی ایشیا کے طول وعرض تک وسعت پذیر ہو گیا۔

ان مدارس کی بنیاد تحفظات پر تھی اور ان کے اہم اہداف یہ تھے کہ مسلمانوں کا عقیدہ وایمان سلامت رہے، اسلامی معاشرتی اقدار کے ساتھ ان کا تعلق قائم ہو، قرآن وسنت اور دیگر متعلقہ علوم کی تعلیم وتدریس کا سلسلہ قائم رہے، مساجد ومکاتب آباد رہیں اور انہیں امامت وخطابت، تدریس وافتا اور دعوت واصلاح کے ضروری کاموں کے لیے افراد کار فراہم ہوتے رہیں۔ اس کے علاوہ اسلامی عقائد وتہذیب کے خلاف سامنے آنے والی کوششوں کا مقابلہ ہوتا رہے۔ دینی مدارس کی اب تک کی جدوجہد تحفظات کے اسی دائرے میں مذکورہ بالا مقاصد کے گرد گھومتی ہے اور جن خطرات، خدشات اور مخالفانہ اقدامات وتحریکات کو سامنے رکھتے ہوئے ان سے تحفظ اور دفاع کے لیے یہ نظام قائم کیا گیا تھا، وہ سب چونکہ نہ صرف بدستور موجود ہیں بلکہ ان کی گیرائی، گہرائی اور اثر انگیزی میں کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے، اس لیے مدارس دینیہ کے اہل حل وعقد ابھی تک تحفظ ودفاع کے ماحول میں ہیں اور وہ اپنے گرد خود اپنے کھینچے ہوئے دفاعی اور تحفظاتی حصار کے دائرے کو پار کرنے کا ''خطرہ'' نہیں لے رہے اور بادی النظر میں ان کی یہ حکمت عملی معروضی حالات کے تقاضوں سے کافی حد تک ہم آہنگ نظر آتی ہے۔

اس پس منظر میں دینی مدارس میں آج کے دور میں ہونے والے تحقیقی اور تصنیفی کام کا جائزہ لیا جائے تو اس کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا نقشہ کچھ اس طرح بنتا ہے۔

مثبت پہلو

- روزمرہ پیش آنے والے مسائل پر عوام کی راہنمائی کے لیے فتویٰ نویسی کا کام تسلسل کے ساتھ جاری ہے اور سینکڑوں مدارس میں مستقل طور پر دار الافتاء قائم ہیں جن سے لاکھوں مسلمان رجوع اور متعلقہ مسائل میں راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔
- اردو اور دیگر زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم اور تفاسیر، احادیث نبویہ اور فقہ کی مختلف

Marfat.com

کتابوں کی شروح لکھی جا رہی ہیں اور مختلف مکاتب فکر کی طرف سے سینکڑوں ضخیم کتابیں اس سلسلے میں سامنے آ چکی ہیں۔

- عقائد، عبادات، اخلاقیات، معاملات، معاشرت اور دیگر ضروریات پر دینی مدارس کے اساتذہ اور متعلقین کی تصانیف کو شمار کیا جائے تو ان کی تعداد ہزاروں میں بیان ہو سکتی ہے۔
- دینی مدارس کی طرف سے دینی، اصلاحی اور تحقیقی جرائد کی اشاعت کی روایت شروع سے قائم ہے اور جنوبی ایشیاء کے مجموعی ماحول کو سامنے رکھ کر دینی مدارس کے جرائد کی تعداد کا اندازہ کیا جائے تو وہ یقیناً سینکڑوں سے متجاوز ہو گی۔ ان جرائد میں اپنے اپنے مسلک اور مکاتب فکر کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ عام طور پر پیش آمدہ مسائل میں عمومی راہنمائی، تاریخی واقعات، بزرگان اسلام کا تعارف، جدید مسائل پر بحث اور فقہی مذاہب اور فکری مکاتب فکر کے مابین مناظرانہ اور مجادلانہ بحث و تمحیص کا سلسلہ بھی موجود ہوتا ہے۔
- کچھ عرصہ سے جدید فکری و علمی مسائل پر اجتماعی بحث و تمحیص اور تحقیق و مطالعہ کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ دیوبندی مکتب فکر میں اس وقت بھارت میں مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی قائم کردہ فقہ اکیڈمی، دارالعلوم کراچی کے تحقیقاتی علمی کام اور المرکز الاسلامی بنوں کی علمی مجالس، بریلوی مکتب فکر میں دارالعلوم امجدیہ کراچی، جامعہ غوثیہ بھیرہ اور جامعہ نعیمیہ لاہور، جماعت اسلامی کے مرکز علوم اسلامیہ منصورہ لاہور جبکہ اہل حدیث فکر میں مجلس التحقیق الاسلامی ماڈل ٹاؤن لاہور کی علمی مساعی کو اس سلسلے میں ایک اہم پیش رفت قرار دیا جا سکتا ہے۔ شیعہ مکتب فکر کا بھی اس جگہ مجھے ذکر کرنا چاہیے لیکن ان کے مدارس کے کام سے زیادہ واقف نہ ہونے کی وجہ سے سردست ایسا نہیں کر پا رہا۔
- قومی اخبارات میں مختلف مسائل کے حوالے سے دینی مدارس کے اساتذہ اور متعلقین کے مضامین کی اشاعت کا رجحان ترقی پذیر ہے اور اردو اخبارات میں شائع ہونے والے دینی مدارس کے متعلقین کے مضامین کا تناسب اگرچہ ضرورت سے بہت کم مگر پہلے سے بہتر ہے۔

Marfat.com

- مختلف دینی مدارس میں تخصصات کے شعبے قائم ہیں جن میں درس نظامی کے فضلا کو متعین عنوانات پر مطالعہ کرایا جاتا ہے، تحقیق و تالیف کی تربیت دی جاتی ہے، ان سے مقالات لکھوائے جاتے ہیں اور ان کی تحقیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔
- دینی مدارس کے سینکڑوں فضلاء نے اب تک ملک اور بیرون ملک کی مختلف یونیورسٹیوں میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات تحریر کیے ہیں جو اگرچہ ان یونیورسٹیوں کے نظم کے تحت اور ان کی نگرانی میں لکھے گئے ہیں لیکن ان کی اصل اساس دینی مدارس کی تعلیم وتربیت پر ہی ہے۔
- دینی مدارس سے تعلق رکھنے والی شخصیات کے مکاتیب اور خطوط اب بھی ہزاروں لوگوں کی تعلیم وتربیت اور فکری وروحانی اصلاح کا ذریعہ بنتے ہیں اور بیسیوں شخصیات کے مکاتیب وخطوط اب تک کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔
- بعض بڑے مدارس نے انٹرنیٹ کی سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی اپنی ویب سائٹس قائم کر رکھی ہیں جن کی تعداد بیسیوں میں ہے اور وہ اپنے اپنے دائرے میں محدود سطح پر ہی سہی مگر مصروف کار ہیں۔ ان ویب سائٹس کے ذریعے سے جامعات کا تعارف کرایا جاتا ہے، اپنے اپنے مسلک کی ترجمانی کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ پیش آمدہ مسائل پر عوام کی راہنمائی کے لیے خطبات وتقاریر، مضامین ومقالات اور سوالات کے جوابات کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔

یہ تو وہ چند پہلو ہیں جنہیں تحقیق وتالیف کے میدان میں دینی مدارس کی مثبت کارکردگی کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے اور جو کسی حد تک یہ اطمینان دلاتے ہیں کہ دینی مدارس تحقیق وتالیف کے تقاضوں اور اہمیت سے بالکل غافل نہیں ہیں بلکہ اپنے اپنے ذوق، ماحول، فکری دائرے اور تربیتی پس منظر کے مطابق اس شعبے میں بھی بہر حال مصروف عمل ہیں۔

منفی پہلو

اب ہم تصویر کے دوسرے رخ کی طرف آتے ہیں جسے تحقیق وتالیف کے میدان میں دینی

Marfat.com

مدارس کی کارکردگی کے منفی پہلو سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے مثلاً:

- دینی مدارس میں تحقیق و مطالعہ کے حوالے سے مسلکی وابستگی اور شخصی عقیدت کو ترجیحات میں فیصلہ کن اولیت حاصل ہے، زیادہ تر وقت اور زور انہی دو ترجیحات میں صرف ہو جاتا ہے اور ترجیحات کے ان کے بعد کے مراحل کے لیے اکثر اوقات وقت اور صلاحیت، دونوں میں کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔
- فقہی اور مسلکی مباحث کے حوالے سے باہمی مناظرہ و مباحثہ میں افہام و تفہیم اور تطبیق و مفاہمت کے بجائے ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کا ذوق غالب ہوتا ہے اور اس کے لیے طعن و تشنیع اور تحقیر و تمسّخر کی زبان استعمال کرنے سے بھی بسا اوقات گریز نہیں کیا جاتا۔
- تحقیق و مطالعہ کا جدید اسلوب، طریق کار، ذرائع اور بین الاقوامی سطح کے علمی و تحقیقی اداروں کے کام اور طرز سے استفادہ دینی مدارس کے نزدیک ابھی تک شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی وجہ صرف بین الاقوامی زبانوں سے ناواقفیت نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ ذہنی اور نفسیاتی کیفیت بھی اس کا باعث ہے کہ ہمیں دنیا کے دیگر تمام حلقوں پر علمی اور فکری برتری حاصل ہے اور ہمیں کسی دوسرے حلقہ کے علمی کام سے واقف ہونے اور اس سے استفادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔
- دینی مدارس میں عالم اسلام کے علمی حلقوں کی تحقیقات، دوسرے مسالک کے علمی کام اور غیر روایتی علمی مراکز کی تحقیقی مساعی سے استفادے کو اپنی نفسیاتی برتری کے منافی تصور کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ بُعد اور فاصلہ رکھنے کو بھی تحفظاتی حکمت عملی کا ایک ناگزیر حصہ بنا لیا گیا ہے۔
- بڑے مدارس کو دیکھتے ہوئے بھیڑ چال کے معاشرتی مزاج کے باعث اب جگہ جگہ دارالافتاء قائم ہو رہے ہیں اور ان کا دائرہ ضرورت سے زیادہ پھیلتا جا رہا ہے جس سے فتویٰ کی اہمیت

Marfat.com

اور معیار، دونوں متاثر ہو رہے ہیں۔ (حالانکہ اس کے لیے ایک مخصوص تعلیمی قابلیت مبلغ علم اور ذہنی سطح کی ضرورت کو لازمی قرار دیا جانا چاہیے)۔

- اجتماعی اور قومی مسائل میں بھی تحقیق و مطالعہ اور علمی رائے کے اظہار کے لیے مسلکی دائرے میں پابند رہنے کو ضروری سمجھا جاتا ہے اور ایسی روایت ابھی جڑ نہیں پکڑ سکی کہ کسی اہم قومی مسئلہ پر مختلف مکاتب فکر کے ذمہ دار علماء کرام مل بیٹھیں، مشترکہ طور پر مطالعہ و تحقیق کا اہتمام کریں اور باہمی مشاورت کے ساتھ اجتماعی رائے کا اظہار کریں۔ اس سلسلے میں ۳۱ علماء کرام کے ۲۲ دستوری نکات اور عقیدۂ ختم نبوت و ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناگزیر تقاضوں پر اتفاق کے سوا غیر سرکاری اور پرائیویٹ سطح پر کوئی اہم کام گزشتہ نصف صدی کے دوران میں ہماری دینی تاریخ کا حصہ نہیں بن سکا۔
- دینی مدارس میں تحقیق و تالیف کے ذوق اور صلاحیت کی آبیاری کے لیے کوئی اجتماعی اور ادارہ جاتی نظم موجود نہیں ہے۔ یہ کام زیادہ تر شخصی رجحان اور ذوق کا رہین منت ہوتا ہے اور اس کی حوصلہ افزائی، سرپرستی اور نگرانی بھی شخصی طور پر ہی ہوتی ہے۔
- دینی مدارس میں لائبریریوں کا نظام ناگفتہ بہ ہے۔ گنتی کے چند مدارس کے علاوہ اکثر مدارس میں یا تو لائبریریاں موجود نہیں ہیں اور اگر موجود ہیں تو ان میں ضرورت کی اہم کتابیں، بالخصوص مختلف موضوعات پر حوالہ کی کتابیں میسر نہیں ہیں۔ کتابوں کے انتخاب میں شخصی اور مسلکی ذوق کا غلبہ ہوتا ہے اور اگر کسی مدرسہ کی لائبریری میں کچھ کتابیں پائی جاتی ہیں تو ضرورت، وقت اور سہولت کے مطابق اساتذہ وطلبہ کی ان تک رسائی نہیں ہوتی۔
- انسانی سوسائٹی کا معاشرتی ارتقاء، تاریخ، نفسیات، تعلقاتِ عامہ، سیاسیات، معاشیات، تہذیب و ثقافت اور دیگر عمرانی علوم نہ صرف دینی مدارس کی تدریس، تحقیق اور مطالعہ سے خارج ہیں بلکہ ان کی اہمیت و ضرورت کا احساس بھی ابھی تک اجاگر نہیں ہو سکا جبکہ خود دینی مدارس کے مقصد قیام اور ان کے مذکورہ بالا اہداف کے حوالے سے یہ علوم انتہائی ضروری ہیں۔

Marfat.com

- زبانوں کا مسئلہ دینی مدارس میں سب سے زیادہ ناگفتہ بہ ہے۔ انگریزی اور دیگر بین الاقوامی زبانوں کی بات تو رہی ایک طرف، عربی زبان بھی صرف کتاب فہمی تک محدود رہتی ہے اور دینی مدارس میں سالہا سال تک پڑھائی جانے والی اس زبان میں فی البدیہہ گفتگو، خطاب اور مضمون نویسی کی صلاحیت سے فضلا کی غالب اکثریت محروم ہوتی ہے اور اس سے بھی زیادہ مظلومیت کا سامنا اردو کو کرنا پڑتا ہے کہ وہ بطور زبان نہیں پڑھائی جاتی اور زبان کی اصلاح، جدید اسلوب سے شناسائی، محاوروں، ضرب الامثال اور اشعار کے برمحل استعمال کی تربیت اور سلاست و شستگی کا ذوق بیدار کرنے کا کوئی نظم اور اہتمام موجود نہیں ہے۔ بالخصوص مروجہ صحافتی زبان اور اسلوب تو سرے سے دینی مدارس کے ماحول میں اجنبی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اچھی خاصی علمی صلاحیت رکھنے والے اساتذہ اور طلبہ بھی سادہ اردو میں مافی الضمیر کے اظہار کے لیے دو تین صفحات کا مختصر مضمون لکھنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔

اصلاح احوال کی تجاویز

اس وقت دینی مدارس میں ہونے والے تحقیقی اور تصنیفی کام کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا ایک سرسری جائزہ لینے کے بعد اصلاح احوال کے لیے کچھ گزارشات پیش کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو ذہنی اور فکری برتری کے نفسیاتی ماحول کی ہے جس نے دینی مدارس کے اساتذہ اور طلبہ کے گرد رکاوٹوں کی بہت سی بلند و بالا دیواریں کھڑی کر رکھی ہیں۔ ہمیں اس ماحول سے نکلنا ہوگا اور حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ ہمارے سوا اور لوگ بھی اس دنیا میں رہتے ہیں اور وہ بھی عقل اور علم تک رسائی کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں۔ ان کی رائے سے اختلاف ہمارا حق ہے لیکن ان کے وجود سے انکار کا ہمیں حق حاصل نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں دینی مدارس کو تین سطح کے علمی کاموں تک رسائی کو اپنے اہداف و مقاصد میں ضرور شامل کرنا چاہیے اور ان کے طریق کار سے استفادہ کرنا چاہیے:

Marfat.com

۱۔ بین الاقوامی سطح پر وہ مسلم اور غیر مسلم علمی و تحقیقاتی ادارے جو دینی مدارس کی دلچسپی کے موضوعات پر کام کر رہے ہیں اور ان کی علمی کاوشیں مختلف حوالوں سے سامنے آ رہی ہیں۔

۲۔ پاکستان اور دیگر مسلم ممالک کے علمی ادارے اور تحقیقاتی مراکز جو ان موضوعات پر کام میں مصروف ہیں۔

۳۔ دوسرے مسالک اور مکاتب فکر کی علمی تحقیقات اور مساعی جو جدید پیش آمدہ مسائل پر علمی جدوجہد کر رہے ہیں۔

دوسری بات ہم یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ دینی مدارس کے مختلف وفاقوں کو الگ الگ طور پر اور پھر مشترکہ فورم پر اجتماعی حیثیت سے بھی اس صورت حال کا جائزہ لینا چاہیے اور خود احتسابی کے جذبہ کے ساتھ ان خامیوں کو دور کرنے کے لیے مشترکہ حکمت عملی وضع کرنی چاہیے جن کے باعث آج ہمارے دینی مدارس علوم دینیہ میں گہرا رسوخ رکھنے کے باوجود تحقیقی و تصنیفی میدان میں معاصر اداروں سے بہت پیچھے دکھائی دے رہے ہیں۔

تیسرے نمبر پر اس حوالے سے ہماری گزارش ہے کہ دینی مدارس کی قیادت کو آج کے اس خوفناک چیلنج کا ادراک و احساس کرنا چاہیے جو عالمی تہذیبی کشمکش کے حوالے سے مسلم امہ کو درپیش ہے اور جس میں انسانی حقوق اور گلوبلائزیشن کے عنوان سے مسلمانوں کے عقائد و افکار، تہذیب و ثقافت، خاندانی نظام، معاشرتی اقدار اور مسلم ممالک کے اسلامی تشخص کو پامال کر دینے کی منصوبہ بندی کر لی گئی ہے۔ اس کشمکش کے علمی، اعتقادی اور ثقافتی پہلوؤں کو اجاگر کرنا، فکر و فلسفہ اور علم و تحقیق کے جدید ہتھیاروں کے ساتھ اس یلغار کا سامنا کرنا اور مسلمانوں کو اس سیلاب بلا سے محفوظ رکھنے کے لیے ان کے گرد تعلیم و تربیت، دعوت و اصلاح اور فکری بیداری کا حصار قائم کرنا اپنے اہداف و مقاصد کے حوالے سے دینی مدارس کی ذمہ داریوں میں شامل ہے اور انہیں اس اہم ترین ذمہ داری سے صرف نظر نہیں کرنا چاہیے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۴﴾

پروفیسر عبدالجبار شاکر

ڈائریکٹر جنرل دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی-اسلام آباد

ایک حرف ندامت کے ساتھ میں اپنی گفتگو کا آغاز کرتا ہوں کہ میں بھی ان مقالہ نگاروں اور نقادوں میں شامل ہو گیا ہوں جو کتاب پڑھے بغیر تبصرہ کرنے کا فن بڑی ہنرمندی کے ساتھ جانتے ہیں۔لیکن میرا اس موضوع کے ساتھ دو طرح کا تعلق ہے۔اول یہ کہ میری جوانی تک کا وقت سیکولر مدارس کی نذر رہا اور اس کے بعد کی زندگی کا ایک خاص حصہ ان صفوں پر بسر ہوا کہ جن کو ہدف تنقید بنایا اور نشانۂ ملامت ٹھہرایا جاتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ہاں یعنی دینی مدارس میں متون کے علاوہ سارا کام اعتزاری اور دفاعی ہے۔تخلیقی علوم کے سلسلے میں ہماری جامعات ابھی تک بنجرپن کا شکار ہیں۔خواہ وہ جدید مدارس ہوں یا قدیم۔اگر جدید مدارس میں سائنٹیفک تحقیق کی ٹکنیک اور اسلوب کی بات کی جائے تو ایک حد تک تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن وہ بھی علمی اور تحقیقی لطائف اور غرائب وعجائب کا مجموعہ ہیں اور میرا یہ خیال غلط نہیں ہے کہ گزشتہ پچاس سال کے دوران پاکستان کی جامعات میں سوشل سائنسز یا علم دین کے حوالے سے ہمارے پاس چند تحقیقی مقالات کے علاوہ کوئی ایسی شے موجود نہیں ہے جسے افتخار کے ساتھ پیش کیا جا سکے۔

ہمارا المیہ یہی ہے کہ ہم نے علم الاشیاء اور علم الوحی کے درمیان امتزاج پیدا کرنے کی کوشش

Marfat.com

نہیں کی۔ جب تک تخلیقی علوم کے اندر دینی مدارس میں تحقیق کا کام نہیں ہوتا، ہم جامد وساکت رہیں گے۔ جو کام اب تک ہو رہا ہے وہ صرف جگالی کی حد تک ہے اور ہماری جدید جامعات میں بھی تخلیقی علوم کی کوئی حس ابھی تک نظر نہیں آتی، ماسوائے اس کے کہ کسی متن کی تفصیل وتشریح اور تخلیقات پر حواشی مرتب کیے جائیں، یا کسی مصنف کے احوال وآثار پر تحقیق ہو۔ اس لیے یہ بات درست ہے کہ سندی تحقیق (بلکہ اس سے زیادہ گرانٹس اور انکریمنٹس کے ساتھ تعلق رکھنے والی تحقیق) اسی نوعیت کے اثرات اپنے ہاں پیدا کر سکتی ہے۔ لیکن کیا تجزیہ وتحقیق میں ہم اس طرح چلتے رہیں گے؟ یہ شائد ممکن نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ دینی مدارس سترہویں صدی عیسوی تک ان سارے تقاضوں کو پورا کرتے چلے آئے ہیں جو مملکت یا نظریے کے ساتھ تعلق رکھتے تھے۔ اس عہد تک جتنے فتنے اٹھے ہر صدی میں ہر سطح پر ان کے دفاع کے لیے تحقیقی طور پر کام ہوتا چلا آیا ہے۔ لیکن اس کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ علم الاشیاء سے متعلق دلچسپی رکھنے والے لوگ اتنا آگے بڑھ گئے کہ انہوں نے علم الاشیاء یا سائنٹیفک علوم کی تحقیق کے حوالے سے تہذیب اور ثقافت کے ذرائع پر بھی قبضہ کرنا شروع کر دیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم الاشیاء کے ساتھ پہلے تو ایک تصادم یا تخالف ظاہر ہوا اور اس کے بعد بڑی حد تک آگے بڑھے تو محض ایک امتزاج پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔

درحقیقت یہ ایک بہت بڑا انقلاب ہوتا کہ علم الاشیاء کو علم الوحی کے ساتھ امتزاج کے ذریعہ باہم سمویا جاتا، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ایک قدم اور ہونا چاہیے تھا کہ علم الوحی کی مدد سے علوم کی تخلیقی سطح کو اپنے مدارس میں بلند کرنے کی کوشش کی جاتی۔ یہ درست ہے کہ دینی مدارس نے متون کی حد تک جو کام کیا ہے وہ ناگزیر تھا۔ لیکن کیا علم دین کی معلومات کی انتہائی ناگزیر ضرورت یعنی اس ذریعے کو ہم اپنا آخری ہدف اور مقصد ٹھہرا لیں؟ میرے نزدیک نقص یہیں سے پیدا ہوا۔ متون کے اندر نقص نہ پہلے تھا نہ آج ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔ لیکن ہوا یہ کہ ذرائع کو مقاصد کا درجہ دے دیا گیا اور مقاصد کا تعین ہم نے اپنے سامنے نہ رکھا۔ یہ وہ نقص یا کمزوری ہے جو دینی مدارس میں ابھی تک

Marfat.com

پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے متون کو بھی مقصد کا درجہ دے دیتے ہیں اور اس ذریعے کو مقصد بنانے کی طرف سفر کو آگے لے جانے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔

اسی طرح عددی تحقیق کا پہلو تو سامنے آیا لیکن تہذیبی تفوق کے لیے جس قسم کا کام ہونا چاہیے تھا وہ منظر عام پر نہیں آسکا۔ اُردو زبان میں صحافت کا لفظ صحیفہ ہی سے مشتق ہے۔ اسی لیے جو پاکیزگی اور طہارت صحیفہ کے لفظ کے ساتھ منسلک تھی وہ ہماری صحافت کے ساتھ بھی موجود رہی البتہ بعد میں یہی صحافت اس پاکیزگی سے نکل کر بالا خانوں میں رقص ابلیس پیش کرتی رہی اور پھر اس کے نتیجے میں بہت کچھ ہوا جو ناقابلِ بیان ہے۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ برصغیر کے اندر دینی تحقیق کے تین بڑے مراحل آئے؟ ان میں سے مرحلہ اول کو میں تہذیب الاخلاق کہتا ہوں خواہ آپ اسے مغرب کی مرعوبیت کا نشان زدہ ایک آہنگ سمجھیں، لیکن برصغیر میں صحیح اسلامی تحقیق کا اگر کسی پرچے سے آغاز ہوا تو وہ ۱۹ویں صدی کے چھٹے عشرے کے آخر میں تہذیب الاخلاق کے نام سے ہوا۔ اس کے بعد اس تحقیقی مزاج کو درجۂ بلند تک پہنچانے میں الہلال اور البلاغ سے بہتر کسی نے کام نہیں کیا۔ اور اس کے بعد آج تک جو کچھ ہے وہ اسی کی صدائے بازگشت ہے، خواہ اسلوب کے اعتبار سے دیکھیں یا حقائق و عبر کے اعتبار سے، اور خواہ اس کو مختلف اداروں کے مختلف درجوں میں اصلاح اور درستگی کی غرض سے مشاہدہ کریں، یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس تک پہنچنے میں ایک ایسا ادارہ ابھرا جو اسلوب اور موضوعاتی حسن کا ایک آہنگ رکھتا تھا، یہ ادارہ ندوہ کا ''معارف'' ہے۔ اس کے بعد جو کچھ بھی نکلا وہ تکرار کے سوا کچھ نہیں۔ بلاشبہ بیسیوں رسائل بڑے وقیع ہیں لیکن صحافت کے ان تین بنیادی اداروں نے ہماری مجموعی علمی اور ادبی صحافت کو بھی متاثر کیے رکھا۔ دینی مدارس کی صحافت نے ہماری علمی اور ادبی صحافت کو کس طرح متاثر کیا یہ ایک طویل داستان ہے جو اس وقت موضوع کے دائرے میں نہیں آتی۔

درحقیقت ضرورتیں دو تین قسم کی ہیں۔ اوّل صحافت یا دینی مدارس کو ایک اجتہاد کرنے کی

Marfat.com

ضرورت ہے تا کہ اپنے آٹھ سالہ یا چھ سالہ نصاب کی فراغت کے بعد جرمن اور انگریزی ہر دو زبانوں کے متخصصین ایک سالہ نصاب کے ساتھ پیدا کرسکیں۔ درحقیقت دینی مدارس کے طلبہ میں اتنی صلاحیت موجود ہوتی ہے کہ وہ ایک سال کی مختصر مدت میں اتنی استعداد اپنے اندر پیدا کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ چھ سالہ اور آٹھ سالہ عمومی نصاب کے بعد ہو کہ وہ انگریزی، جرمن یا کسی بڑی یورپی زبان میں سے کسی ایک میں مہارت حاصل کرلیں کہ ان کو استشراق کے ذریعے مغربی تہذیبوں کی طرف سے درپیش چیلنج کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت حاصل ہو۔ تب شائد اس کام کا آغاز ہو سکے جس کی تمنا اور آرزو پالے ہوئے آج اس سیمینار میں گفتگو ہو رہی ہے۔

اس لحاظ سے اس وقت جو دفاعی باتیں کی جارہی ہیں اس سلسلے میں مجھے یقین ہے کہ سارے مدارس کا شعبۂ فتاویٰ، تحقیق کی انتہا ہے لیکن وہ اس مقصد کو حاصل نہیں کر سکتے جو تہذیبوں کے اس تصادم میں اسلامی تہذیب کے تفوق کے لیے درکار ہے اور جس کے لیے آگے بڑھنا چاہیے تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض مدارس کے اندر جدید مسائل پر اچھے سیمینار ہو رہے ہیں جن کے ذریعے دینی معلومات کو اکٹھا کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح اسلوب، موضوعات اور معلومات کے حوالے سے اچھے سے اچھے رسائل سامنے آ رہے ہیں۔ بالخصوص گزشتہ ایک دو سال کے اندر ''الشریعہ'' یا ''محدث'' بہت اعلیٰ درجے کے رسائل کی صورت میں سامنے آئے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی جگہوں مثلاً ملتان سے ''عکاز'' کے نام سے ایک رسالہ نکل رہا ہے اس کے آہنگ کو دیکھتے ہوئے فخر محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ انتہائی قلیل وسائل میں اپنے ہاں کتنے کثیر المقاصد کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ایسے ہی سندھ کی متعصّبانہ تہذیب حیدرآباد سے بیداری کے نام سے ایک بڑا فکری نوعیت کا رسالہ شائع ہوتا ہے۔ ہر ماہ میری میز پر چالیس پچاس ایسے پرچے موجود ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر ایک طرف تو خوشی ہوتی ہے اور دوسری طرف بڑا افسوس بھی ہوتا ہے کہ باہمی ارتباط نہ ہونے کی وجہ سے یہ اپنی صلاحیتوں اور وسائل سے کماحقہٗ استفادہ نہیں کر پا رہے۔ ان کا کوئی مرکزی ہدف نہیں ہے جس کو سامنے رکھ کر آگے بڑھا جا سکتا ہو بلکہ یہاں مختلف سرگرمیوں کی overlapping ہوتی ہے

Marfat.com

جو ایک طرح سے وسائل کا ضیاع ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب نے بہت عمدہ تجویز پیش کی تھی کہ دینی جرائد و رسائل کا ایک مرکزی بورڈ قائم ہو جائے تو شاید بہت ساری کوتاہیوں کا ازالہ ہو جائے اور اس کے لیے نئے وسائل تلاش نہ کرنا پڑیں۔ ان کے معیار کو بہتر بنانے کے لیے داخلی اور خارجی ذرائع بھی ہیں۔

جہاں تک دینی مدارس میں تحقیق اور علوم کا تعلق ہے اس میں تقابل ادیان اور اسلامی دنیا میں غیر اسلامی تحریکوں کا مطالعہ شامل کیا جانا چاہیے، لیکن یہ مطالعہ ابتدائی سالوں کے بجائے انتہائی آخری سالوں میں کرنا چاہیے تاکہ اس تقابل و تجزیہ کے لیے جو ذہنی پختگی اور بالغ نظری درکار ہے وہ طلبا کو دستیاب ہو اور علوم کی جو مقدار اس وقت دینی مدارس میں ہے اس میں اضافہ، کوئی ضعف یا نقص نہ پیدا کر دے۔

مجھے قُم میں دو تین بار جانے کا اتفاق ہوا۔ میرے لیے حیرت کی بات تھی کہ ان کا ایک درجہ پانچ چھ سالہ علوم کا ہے اور پھر پانچ چھ سالہ ایک درجہ اور ہے۔ اور یہ ادارے جو حجۃ الاسلام سے آگے کا ایک عالم تیار کرتے ہیں اس کو ستائیس سال تک تحقیق و مطالعہ جاری رکھنا پڑتا ہے اور پھر وہاں کچھ لوگ وہ ہیں جن کو فرنچ، جرمن اور انگلش میں سے ایک زبان لازماً اختصاصی درجے میں اختیار کرنا پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایران میں دینی رسائل کا تحقیقی معیار بہت بلند ہے۔ خود ایران کے اندر بھی عربی زبان میں جو رسائل شائع ہو رہے ہیں، اگر تعصب اور مسلکی تاریخی اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ان کا مطالعہ کیا جائے تو اپنی تحقیق کو بہتر بنانے کے لیے ان سے خاصی راہنمائی حاصل ہوسکتی ہے۔ ان کے بعض رسائل اس درجہ اچھے ہیں کہ دیکھ کر خوشی محسوس ہوتی ہے۔ ایک مثال قابلِ ذکر ہے۔ قُم میں ایک ادارہ مجمع ملک فہد کی طرز پر بنایا گیا ہے جو دنیا بھر کی زبانوں میں صرف قرآن مجید کے تراجم پر کام کرتا ہے۔ ان تراجم کے حوالے سے وہ ایک سالانہ رسالہ ''حقیقت الوحی'' کے نام سے نکالتے ہیں۔ اس مجلّے کے ۱۳ شمارے ابھی تک شائع ہوئے ہیں۔ ان تیرہ شماروں کے محتویات یا مندرجات پڑھیے تو اندازہ ہو جائے گا کہ خالصتاً قرآن پر بھی

Marfat.com

اگر تحقیق کرنا ہو تو اس تحقیق کے موضوعات کیا ہو سکتے ہیں۔ اس نوعیت سے ان کو آگے لے جانے کی ضرورت ہے۔ اس اعتبار سے ایسی ورکشاپس بھی ہونا چاہییں جس میں دینی صحافت کے منتظمین، مدیران یا کچھ لکھنے والوں کو جمع کیا جائے اور پھر ان ہی کی سفارشات اور آراء کے نتیجے میں آگے بڑھا جائے۔ اس طرح بامعنی تحقیق کا مقصد پورا ہو سکے گا۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۵﴾

ڈاکٹر محمد امین

استاد، دائرہ معارف الاسلامیہ، جامعہ پنجاب-لاہور

دینی مدرسہ سے فراغت اور اس کے بعد جدید تعلیم حاصل کرنے کے بعد میں جو کچھ سمجھ سکا ہوں وہ مختصراً یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے ساتھ ہی دنیا میں ایک فرق رونما ہوا۔ اور وہ یہ کہ افراد محمدؐ کو ماننے والے اور نہ ماننے والے گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ نتیجے کے طور پر دو تہذیبیں وجود میں آئیں۔ ان دو تہذیبوں کے درمیان بنیادی مسئلہ یہ رہا ہے کہ کائنات یا زمین یا اس دنیا میں کس نے غالب رہنا ہے؟ کون ہے جو اس دنیا کو مغلوب کر سکے گا؟

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے حاملین کی حیثیت سے ہماری تمنا، اور ہمارا تہذیبی منظرنامہ یہ ہے کہ اسلام کو دنیا میں غالب کرنا ہے اور یہی تصور بالکل مخالف سمت میں بھی موجود ہے۔ ۹/۱۱ اس کے ساتھ جتنے بھی واقعات ہوئے ہیں ان کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے غلبے کو دنیا میں برقرار رکھ سکیں۔ چنانچہ ان کی تحقیق اسی موضوع پر ہے۔ آپ مغلوب ہیں آپ کی تحقیق کا مقصد یہ ہے کہ آپ محمدؐ کی رسالت کے حاملین ہونے کے نتیجے میں اس نظریہ کا غلبہ حاصل کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کریں گے؟ اس حوالہ سے میرے استاد محترم ڈاکٹر ریحان احمد فاروقی تحقیق کے ضمن میں ایک بات فرماتے تھے کہ دستیاب علم موجودہ مسائل کو حل کرنے کی پوزیشن میں نہ رہے تو ان مسائل کے حل کے لیے ایک علم تازہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی علم تازہ کی

Marfat.com

دریافت تحقیق کا بنیادی موضوع ہے۔

اس حوالے سے دیکھا جائے تو چاہے یہ تحقیق پوری اسلامی دنیا یا یونیورسٹیوں میں ہو، اس وقت اس مقصد، مدعا اور تحقیق کی محتویات اور غایت یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو اس مغلوبیت سے کیسے باہر نکال سکتے ہیں۔ اگر ہم اپنی اس مغلوبیت کو ختم کرنے کے راستے میں پیدا ہونے والے مسائل پر تحقیق کر کے مغلوبیت ختم کر سکتے ہیں، تو یہ تحقیق کارآمد ہے، ورنہ تجزیاتی تحقیق بہت ہو چکی ہے اور اب بھی ہو رہی ہے۔ اس کا نتیجہ بھی سب کے سامنے ہے۔ اس لیے تحقیق چاہے دینی مدارس کی ہو یا عمومی یونیورسٹیوں کی، اس کا مسئلہ ایک ہی ہے۔ مدارس میں کس طرح کی تحقیق ہوتی ہے یا ہونی چاہیے اور اس تحقیق میں یہ غایت کارموجود ہے یا نہیں یہ ایک الگ سوال ہے، جس کے جواب پر منحصر ہے کہ ہم موجودہ مغلوبیت سے نکل سکتے ہیں یا نہیں۔ البتہ اس تحقیق کا طریقہ کار کیا ہے؟ یہ سوال خصوصی توجہ اور غور وفکر کا متقاضی ہے۔

دوسری بات، جو ہمارا جدید تعلیم یافتہ طبقہ بہت وضاحت کے ساتھ پیش کرتا ہے، حضرت عمرؓ کے حوالے سے ہے کہ حالات بدل جائیں تو کیا کرنا ہے؟ اس ضمن میں یہ سوال اہم ہے کہ اگر کوئی ایسا ثقافتی عمل شروع ہو جائے جو ایک اجنبی تہذیب کی پیداوار ہو تو ہمارا ردعمل کیا ہونا چاہیے۔ کیا اس سے ہم آہنگ ہونے کی کوشش کی جائے؟ ایسی صورت میں ہماری تحقیق کا موضوع کیا ہو؟ حضرت عمرؓ نے مخصوص حالات میں جو احکام جاری کیے تھے وہ حالات کو حکم کے مطابق بنانے کے لیے تھے۔ حکم کو حالات کے مطابق بنانے کے لیے نہیں تھے۔ چنانچہ تحقیق کے لیے یہ نیا رخ، کہ جیسے حالات ہوں ہم ویسے ہی اپنے آپ کو بدلتے چلے جائیں، میرے خیال میں اللہ اور اس کے رسولﷺ کی بجائے خالصتاً مغرب سے مستعار ہے اور مغربی تہذیب ہی کا نمائندہ بھی۔ لہٰذا یہ دین سے بغاوت ہے کیونکہ یہ وہ تحقیق ہے جو حالات کی پیداوار یعنی حالات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے والی تحقیق ہے۔ یہ مغربی تہذیب کا ہی ایک آہنگ ہے کہ جیسے جیسے حالات بدلتے چلے جائیں ویسے آپ قوانین بدلتے چلے جائیں۔ ہمارا تہذیبی منظرنامہ ہمیں اس کی اجازت نہیں

Marfat.com

دیتا۔وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلاَ مُؤْمِنَةٍ اِذَاقَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ط(۳۳:۳۶)۔

(کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔)

اللہ اور اس کے رسولؐ نے اتنا بڑا فیصلہ کر دیا ہے جس کے بعد ہماری تحقیق کی سمت متعین ہو جانی چاہیے اور موجودہ صورت حال میں جو مشکلات پیدا ہو رہی ہیں وہ خاص طور پر توجہ طلب ہیں۔ اس ضمن میں علماء اور مدارس اس احساس کے ساتھ، کہ وہ حاملین رسالت مآبؐ ہیں، تہذیبی منظرنامے کو متعین کرتے ہوئے تحقیق کریں گے تو یقیناً کامیاب ہو جائیں گے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۶﴾

ڈاکٹر احسن اختر ناز

شعبہ ابلاغیات، پنجاب یونیورسٹی-لاہور

پس منظر

اسلامی سلطنتوں میں قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح اور مسائل حاضرہ کے حل کے لیے دینی تعلیمات کی روشنی میں راہنمائی اور تعلیم وتدریس کا سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں بھی صوفیائے کرام اور مبلغین اسلام نے ایسے جرائد تصنیف کیے جن کا مقصد عوام الناس کو دین اسلام سے روشناس کروانا تھا، لیکن یہ جرائد باقاعدہ نہیں ہوتے تھے۔ مغل سلطنت کے زوال اور انگریزوں کی آمد کے بعد عیسائی مشنریوں نے اسلام کے خلاف تحریر وتقریر کے محاذ قائم کیے تو مسلمان اپنی کمزور سیاسی اور اقتصادی حالت کے باوجود عیسائی مشنریوں کے عزائم کا مقابلہ کرنے کی جانب متوجہ ہو گئے۔ طباعت کے لوازمات مہیا ہونے کے بعد جہاں عام ادبی، علمی اور صحافتی اخبارات و جرائد شائع ہونے لگے وہاں باقاعدہ مذہبی رسائل کی اشاعت کا سلسلہ بھی مستحکم ہوتا گیا۔

یہ پاکستانی معاشرے میں پائی جانے والی اسلام سے محبت ہی کا نتیجہ ہے کہ بڑے سے بڑا اردو اور انگریزی اخبار بھی باقاعدگی سے مذہبی کالم یا ہفتہ وار خصوصی اسلامی صفحات کی اشاعت کا اہتمام ضرور کرتا ہے۔ بلاشبہ دینی رسائل وجرائد بھی اسلام کی نشرواشاعت کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔

Marfat.com

اسی لیے یہاں ہر مسلک کے پیروکار اپنے نظریات کے فروغ کے لیے کوئی نہ کوئی اخبار یا جریدہ ضرور شائع کرتے ہیں۔ اپنی اپنی جگہ پر یہ تبلیغ دین کی ایک شاندار خدمت ہے۔

قومی روزناموں میں شائع ہونے والا اسلامی مواد اور یہ دینی رسائل وجرائد اپنے قارئین پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ چنانچہ معاشرہ اگر اسلام کو ایک دین، مذہب یا روحانی اور نفسیاتی سہارا سمجھتا ہے تو یہ دینی صحافت اس سہارے کو جلا بخشتی ہے۔

اجمالی نظر

پاکستان میں دینی صحافت روز اول سے ہی کسی نہ کسی صورت میں ضرور موجود رہی ہے۔ یہ آغاز میں عام اخبارات وجرائد کی طرح بہت کم تھی۔ رفتہ رفتہ دینی مدارس اور اداروں کے استحکام، آزادئ صحافت اور بالخصوص ڈیکلریشن کے حصول میں آسانی کے ساتھ ساتھ اس کا دائرۂ کار بہت وسیع ہو گیا ہے۔ اس صحافت میں موجودہ وسعت رجسٹریشن آف پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈی ننس ۱۹۸۸ء کے نفاذ اور جدید ٹیکنالوجی کے استعمال کی ارزانی کی وجہ سے آئی ہے۔ اس سے قبل ۱۹۸۶ء میں ایسے قابل ذکر اسلامی جریدوں کی مجموعی تعداد ۲۰ سے زیادہ نہیں تھی جبکہ ایک اندازے کے مطابق اب قابل ذکر جرائد کی تعداد سینکڑوں میں ہو گئی ہے۔

اعداد وشمار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملک میں پائی جانے والی فرقہ بندی کی عمومی فضا کا عکس ان مذہبی جرائد کے اجراء میں بھی موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر جرائد کا عمومی رجحان تعمیری کاموں، یعنی اتحاد امت مسلمہ کی بجائے فروعی، فرقہ وارانہ اور تخریبی مسائل کی طرف زیادہ نظر آتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان کی مناظرہ بازی کبھی کبھی کفر کے فتووں تک جا پہنچتی ہے۔ ان رسائل کے اس رویے سے مذہب بیزار طبقے کو تقویت اور فروغ حاصل ہوتا ہے۔ متن اور مباحث پر نظر ڈالی جائے تو بعض رسائل میں محض جذباتی پن ہوتا ہے۔ مسائل کو بیان کرنے میں یا اپنے مؤقف کو صحیح ثابت کرنے کے لیے استدلال کم اور فرقہ وارانہ رجحان زیادہ نظر آتا ہے۔

Marfat.com

دینی صحافت کے فن مباحث کے علاوہ ان کی طباعت و اشاعت، اصول ابلاغ اور زبان وغیرہ کا تجزیہ کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ آٹھویں دہائی کے وسط تک ان کی طباعت و اشاعت کا معیار بہت کمزور رہا۔ فوٹو آفسٹ طباعت کے عام ہونے کے باوجود کئی دینی رسائل لیتھو کے پرانے طریقۂ طباعت سے شائع ہوتے رہے۔ جو ایک غیر دلکش انداز تھا۔ ان رسائل کو محض اس مسلک سے پختہ وابستگی رکھنے والے افراد ہی پڑھا کرتے تھے۔ اس کے بعد کمپیوٹر کے ذریعے نوری نستعلیق اور اُردو کے دیگر پروگرام آ جانے کے بعد ان کی طباعت و اشاعت کے معیار میں خاطر خواہ تبدیلی آ گئی۔ لیکن اب بھی زیادہ تر پرچے اور ان کے سرورق کافی حد تک بہت سادہ انداز میں شائع ہوتے ہیں۔ جس وجہ سے یہ عام لوگوں اور بالخصوص نوجوان نسل کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

بالعموم ان رسائل میں دینی معلومات دلکش، سلیس اور عام فہم انداز میں فراہم نہیں کی جاتیں۔ ان کا زیادہ تر مواد خشک، دقیق، غیر مانوس، حد سے زیادہ طویل اور قدرے مشکل زبان میں ہوتا ہے۔ ایسے مواد کی خواندگی محدود ہونا ایک لازمی امر ہے۔ ان رسائل میں لوگوں کے مذکورہ مسائل کے حوالے سے بہت کم بات کی جاتی ہے۔ ان میں جدید دور کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا جاتا۔ اگر چہ ان تمام رسائل کا مقصد تبلیغ اسلام ہے لیکن زیادہ تر جرائد و رسائل تبلیغ کے لیے مؤثر ابلاغی حکمت عملی کی ضرورت پوری نہیں کرتے۔

جرائد کی اقسام

موجودہ دینی رسائل و جرائد کا تجزیہ کرنے سے انہیں درج ذیل قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ صرف مخصوص فرقوں یا جماعتوں کے ترجمان رسائل و جرائد

۲۔ جماعتوں یا مکاتب فکر کے ترجمان ہونے کے باوجود ملکی و ملی، بین الاقوامی اور عالمانہ مسائل پر عالمانہ انداز میں اظہار خیال کرنے والے جرائد: اگر چہ ان جرائد میں بھی بحث مباحثہ میں

Marfat.com

جماعت اور فرقہ وارانہ نقطۂ نظر موجود رہتا ہے تاہم ان کے مندرجات معلومات افزا ہوتے ہیں۔

روس کے خلاف جہاد افغانستان، جہاد کشمیر، افغانستان اور عراق پر امریکی حملے جیسے اہم بین الاقوامی واقعات کے بعد ایسے رسائل و جرائد کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ حکومت نے ان میں سے کچھ رسائل و جرائد کو جہادی لٹریچر قرار دے کر ان پر پابندی بھی لگائی ہے۔ ان میں سے کچھ کے اعلیٰ معیار طباعت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی معاونت نے ان رسائل کی ظاہری حالت پر بھی خوشگوار اثرات مرتب کیے ہیں۔

۳۔ ایسے جرائد جو عام قارئین کو دینی معلومات فراہم کرتے ہیں اور قرآن و حدیث کی تشریح، تاریخ اسلام کے اہم واقعات، بزرگان دین اور اکابر اسلام کے کارناموں اور تعلیمات پر مشتمل ہوتے ہیں۔

۴۔ ایسے جرائد جو دین کے لبادے میں تنگ نظری اور فرقہ واریت کا پرچار کرتے ہیں۔

۵۔ جہادی رسائل۔ یہ جہادی موضوعات کے علاوہ مختلف اہم قومی اور بین الاقوامی موضوعات پر بھی اظہار خیال کرتے ہیں لیکن دین و دنیا کے مسائل کا اپنے مخصوص مسلک کے پیش نظر حل تجویز کرتے ہیں۔

۶۔ ایسے دینی رسائل بھی ہیں جن میں مختلف موضوعات پر دینی بحث کرنے کے ساتھ ساتھ اس جریدے کے اصل مدیر یا اس مکتب فکر کے سربراہ کی شخصی چھاپ بہت نمایاں ہوتی ہے۔ مثلاً منہاج القرآن اور اشراق وغیرہ۔

پہلی، تیسری اور چوتھی قسم کے دینی جرائد کی تعداد زیادہ ہے۔ زیادہ تر جرائد مختلف مکاتب فکر کے دارالعلوم یا دینی مدارس سے ان کے ترجمان کے طور پر شائع ہوتے ہیں۔ ان میں اپنے مکتبۂ فکر کے رہنماؤں اور پیشواؤں کی تبلیغی اور سیاسی سرگرمیوں کی خبریں بھی دی جاتی ہیں۔ مثلاً ان میں دو پرچوں منہاج القرآن اور دختران اسلام کے سرورق پر ان راہنماؤں کی رنگین تصاویر بھی شائع

Marfat.com

کی جاتی ہیں۔ منہاج القرآن میں اس کے علاوہ کئی خبریں ''سمندر پار کارکنوں کے روز و شب'' اور ''پاکستان میں کارکنوں کے روز و شب'' کے عنوانات سے دی جاتی ہیں۔ ''دختران اسلام'' کی سرپرستی منہاج القرآن کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری کی اہلیہ بیگم رفعت جبیں قادری کرتی ہیں اور اس کی ایڈیٹران کی صاحبزادی قرۃ العین فاطمہ ہیں۔ ان جرائد میں ڈاکٹر صاحب کی شان اور توصیف میں مضامین اور نظمیں وغیرہ بھی شامل ہوتی ہیں۔

دینی رسائل و جرائد میں اپنے مکتبۂ فکر کے اکابرین کے لیے بڑے بڑے القابات سے نوازنے کی روایت عام ہے۔ مثلاً قائد انقلاب اور محدث اعظم وغیرہ۔ کراچی سے شائع ہونے والے ایک پندرہ روزہ ''صحیفہ اہل حدیث'' کے پہلے صفحے پر اپنی جماعت کے علماء کو درج ذیل مختلف القابات سے نوازا گیا ہے۔

''عالم ربانی، امیر کاروان، حجۃ الاسلام، مجاہد اسلام، منبع خیر، شیخ العرب والعجم، فقیہ الامت، شیخ القرآن والحدیث، داعی الی اللہ، ماحیٔ شرک و بدعت، مبلغ اسلام، خطیب اسلام، حکیم الامت، ضیغم اسلام، حافظ القرآن، مفکر دین وملت، شیخ الحدیث، مفکر اسلام، داعی توحید، مبلغ دین وغیرہ''

ان القابات کے استعمال سے انٹرنیٹ اور کیبل کے اس دور میں عام قاری تو قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان رسائل کے ایڈیٹر حضرات کی تعلیمی قابلیت کچھ زیادہ نہیں ہوتی۔

جہادی دینی رسائل میں جماعۃ الدعوہ کے ماہنامہ ''الدعوہ''، ضرب طیبہ اور طیبات نمایاں ہیں۔ انگریزی صحافت میں ان کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ انہیں رنگین دیدہ زیب اور بامقصد بنانے پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ ٹائٹل پر تازہ اہم قومی، بین الاقوامی، سیاسی اور سماجی موضوعات کے اظہار کی وجہ سے عام سنجیدہ اور مذہبی رجحان رکھنے والے افراد ان شماروں کی طرف نسبتاً زیادہ راغب ہوتے ہیں۔

ان میں سے اکثر رسائل میں اشتہارات بہت کم ہوتے ہیں۔ اگر ہوتے ہیں تو اسی

Marfat.com

دارالعلوم کے مختلف تعلیمی اداروں یا ان میں چلنے والے تربیتی کورسز یا پھر اس سے وابستہ افراد کے نجی کاروبار مثلاً جائیداد کی خرید وفروخت وغیرہ کے اشتہارات ہوتے ہیں۔اس سے بھی ان رسائل کے عام لوگوں میں اثر ونفوذ کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ان رسائل میں اشتہارات دینا زیادہ مفید تصور نہیں کرتے۔

تحقیقی اور تصنیفی کام میں بہتری کے لیے تجاویز

۱۔ دینی رسائل و جرائد کے ایڈیٹروں اور اہل قلم حضرات پر مشتمل ایک ایسا ادارہ تشکیل دیا جائے جو ان کو وقت اور حالات کی نزاکت اور تقاضوں کو سمجھنے اور صرف قرآن وسنت کے مطابق راہنمائی فراہم کرنے میں مدد دے سکے۔اس کے ساتھ ساتھ اتحاد ملت اسلامیہ پر عملاً زور دینا بھی ضروری ہے۔ان کی ایک الگ مجلس بنائی جاسکتی ہے۔

۲۔ دینی رسائل سے مختلف فرقوں کی اجارہ داری ختم اور ان کا دائرہ اثر وسیع ہونا چاہیے۔

۳۔ دینی رسائل کے معیار کو بہتر بنانے کے لیے پرچے کی متعلقہ انتظامیہ کو سفارش کی جائے کہ وہ اپنے عملے میں صرف تعلیم یافتہ صحافی اور تربیت یافتہ افراد کو ہی ملازم رکھیں تا کہ وہ ان رسائل کو مرتب کرتے وقت تکنیکی اور فنی پہلوؤں کو مدنظر رکھ سکیں۔ ہر رسالے کے سرپرست کو چاہیے کہ وہ ایم اے ابلاغیات (صحافت) عملہ رکھے یا اپنے افراد کو یہ ڈگری حاصل کرنے کے مواقع اور وسائل فراہم کرے۔

۴۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن یا صحافتی تنظیموں کو چاہیے کہ وہ ان رسائل و جرائد میں کام کرنے والے عملے کے لیے مختلف تربیتی کورسز کا انعقاد کریں، جن میں ایڈیٹروں، رپورٹروں اور مترجمین کو مزید تربیت دی جائے تا کہ وہ مجلّاتی صحافت کے میدان میں اپنی صلاحیتوں کو بہترین انداز میں استعمال کرسکیں۔

۵۔ دینی رسائل کی طباعت واشاعت کے معیار کو بھی بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

۶۔ دینی رسائل کے مواد کی ترتیب جدید صحافتی رجحانات کے مطابق کی جائے۔

۷۔ دینی رسائل کو عوام الناس کے لیے زیادہ فائدہ مند بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ان میں جزوی اور فروعی مسائل پر زور دینے کی بجائے مشترک قدروں پر ایک دوسرے سے تعاون کیا جائے اور مختلف پہلوؤں میں مثبت اور عدم جارحیت کا انداز اختیار کیا جائے۔

۸۔ دینی رسائل کے مندرجات اور زبان کو جدید تعلیم یافتہ، ذہن اور نوجوان نسل کے لیے پرکشش، آسان اور دلچسپ بنایا جائے۔

۹۔ دینی رسائل میں ہمارے معاشرے کے حقیقی مسائل کا حل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پیش کرنے پر زیادہ توجہ دی جائے تا کہ عام قارئین ان کی ضرورت، اہمیت اور افادیت کو محسوس کر سکیں۔

۱۰۔ حکومتی سرپرستی کے علاوہ ایڈورٹائزنگ ایجنسیوں کو بھی ان رسائل کو اشتہارات دینے چاہییں تا کہ ان کی حالت بہتر ہو سکے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۷﴾

مولانا عبدالرحمٰن مدنی

مدیر اعلیٰ ''محدث'' لاہور

ھوالذی بعث فی الامین رسولا منھم یتلوا علیھم ایٰتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب و الحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین٥ (سورہ جمعہ:۲)

دینی مدارس میں تحقیق کی روایت اور اس کے تاریخی پس منظر کے حوالہ سے دو پہلو اہم ہیں۔ ایک تو خود تحقیق کی روایت اور دوسرا یہ کہ برصغیر میں اسلامی فکر کا ارتقاء کس طرح ہوا؟ مقالہ کے پہلے حصہ میں اس پر گفتگو کے بعد میں اپنی کچھ تجاویز پیش کروں گا۔ ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ آج جو طبقہ تعلیم یافتہ کہلاتا ہے، وہ ہمارے دینی ورثے، روایت اور ہمارے اسلامی ورثے میں پائی جانے والی زبان سے نابلد رہا ہے بلکہ اس کی اصطلاحات سے بالکل ناواقف ہے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ عام آدمی بھی تحریک استحقاق اور تحریک التواء کے مفہوم سے واقف ہے کیونکہ وہ روزانہ اخباروں میں اس کو پڑھنے پر مجبور ہے۔ ان حوالوں سے ہمارے منہ سے اگر کوئی غلط لفظ نکل جائے تو وہ جہالت کی دلیل قرار پاتا ہے۔ لیکن بڑے بڑے عدالتی مناصب پر بیٹھے ہوئے اکثر ذمہ داران اور قانون دان ہمارے معروف اہل علم کا نام بھی صحیح طرح نہیں پڑھ سکتے، انہیں کوئی جاہل اوران پڑھ نہیں کہتا۔ یہ تضاد اس لیے ہے کہ ایک عرصہ سے نظام تعلیم غیروں کے ہاتھوں میں ہے۔ اس نظام کے پروردہ لوگ اپنے آپ کو معیار حق سمجھ کر ہماری تاریخ اور ماضی پر

Marfat.com

تنقید کرتے ہیں۔

اس ضمن میں ایک قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ نے جب نبی آخرالزّمان صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تو کہا کہ آپ کی بعثت ان لوگوں میں ہوئی ہے جو کتاب سے ناآشنا تھے یعنی ان کے ہاں کتاب کا کوئی رواج نہیں تھا۔ انہیں امّی کہا جاتا ہے۔ ہماری اصطلاح میں اس کو ان پڑھ کہتے ہیں۔ دوسری جانب دنیا کا سب سے بڑا علم اور سب سے بڑی علمی کتاب قرآن مجید ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی، جن کا لقب امّی ہے اور جن لوگوں میں آپ مبعوث ہوئے وہ لوگ بھی امّی تھے۔ یوں ہمارے ماضی کے تاریخی پس منظر میں روایت کتاب کی محتاج نہیں۔ آپ کو بہت سی تحریریں مل جائیں گی لیکن اس کا انحصار تحریر اور کتابت پر نہیں ہے۔ قرآن مجید میں قلم سے پہلے اقرا کا ذکر آیا ہے یوں اس کا تعلق قرأت سے ہے۔ اس ضمن میں ہمارے سامنے جو چیزیں سب سے پہلے آئیں اس میں ایک قرآن مجید ہے اور ایک حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

قرآن مجید کی روایت کو آگے بڑھانے کے لیے جس طریقے کو استعمال کیا گیا وہ قرآن مجید کو استاد کے منہ سے سیکھنے اور آگے ادا کرنے کا تھا۔ ادا کی اصطلاح پڑھائی اور تلاوت کرنے کے معنوں میں ہے۔ قرآن مجید چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس لیے جب سیکھا جاتا ہے تو الفاظ کا پوری طرح سے تحفظ ہوتا ہے اور اس کی ادائیگی اسی انداز پر ہوتی ہے جس طریقے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھا۔

اس کے بعد دوسرا سلسلہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتا ہے۔ اس کے لیے تحمل ادا کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ تحمل اصل میں کسی معنیٰ اور مراد کو وصول یا حاصل کرنا ہے اور ادا کے معنیٰ اس کو آگے اسی طرح بیان کر دینا ہے۔ حدیث بنیادی طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی ہے۔ جبکہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی زبان میں ''ایک قرآن مجید مدینہ منورہ میں اترتا تھا اور ایک قرآن مجید مدینہ منورہ کی گلیوں میں چلتا پھرتا تھا''۔

یہ ہماری روایت کی پہلی شکل ہے اور اگر کوئی صحیح بات جاننا چاہے تو اسے بے شمار کتابیں ملیں

Marfat.com

گی، لیکن انحصار کتابت پر نہیں بلکہ دو چیزوں پر ہے۔ ایک زبان کی روایت اور دوسرا وہ تامل ہے جو خیر و قرون میں باقی ہے۔ زبانی روایت کی ضرورت وہاں پڑتی ہے جہاں تامل میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی ہو رہی ہو۔ قرآن مجید کی جمع و تدوین کا سرکاری سطح پر اہتمام حضرت عثمان بن عفانؓ نے کیا اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سرکاری سطح پر اہتمام عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں ہوا ہے۔ لیکن اس سے پہلے یہ شریعت ہمارے تامل میں شامل تھی اور اس کی روایات اس کے ساتھ ساتھ چلتی تھیں تا کہ تامل کی حفاظت روایت کے ذریعے سے ہوتی رہے۔ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ تامل ایک ایسی چیز ہے جو بدلتے ہوئے محسوس نہیں ہوتا۔ اس کی حفاظت روایت سے ہوتی ہے۔ یوں یہ وہ پہلا طریقہ کار ہے جس سے ہمارے علم و تحقیق کی روایت کا تحفظ ہوا ہے۔

اس کے بعد دوسرا دور جمع و تالیف اور کتابت کا دور ہے۔ الیکٹرانک میڈیا اور چھاپنے کا اس دور میں کوئی انتظام نہیں تھا۔ اس کے باوجود اگر ایک کتاب ۳۰۰ جلدوں میں ہو تو بھی لکھنے والا اپنے ہاتھ سے لکھتا۔ یہ اس دور کا عظیم کارنامہ تھا۔ یوں ہماری روایت کا دوسرا حصہ کتابوں کی صورت میں ہے اور کتابت کا یہ سلسلہ آج کے دور تک چلا آ رہا ہے۔ لوگ آج تک یہ کوشش کرتے رہے کہ ہر چیز جس کے ساتھ عقیدت ہے اس کی کتابت ہو بہو اسی طرح ہو جیسا کہ حدیث پر لوگوں نے کتابیں لکھیں تا کہ ثابت کریں گویا کہ پوری کی پوری احادیث لکھی ہوئی موجود تھیں۔ حالانکہ صورت حال یہ نہیں تھی۔ اسی طرح اب وہ وقت ہے کہ لوگ اسے کتابت کے بجائے الیکٹرانک میڈیا اور جدید ٹیکنالوجی میں منتقل کریں۔ اس وقت پوزیشن یہ ہے کہ اسلامی دنیا کے اندر اسلامی موضوعات پر پی ایچ ڈی سطح کے تقریباً ۱۵ ہزار مقالے لکھے گئے ہیں اور میرے پاس ان ۱۵ ہزار کی فہرست موجود ہے۔ جس میں سے ایک ہزار کا انتخاب کر کے سعودی اعلیٰ وزارت نے چھاپنے کا منصوبہ بنا رکھا ہے۔ اس میں سے وہ بہت کچھ چھاپ بھی چکے ہیں تاہم بہت کچھ چھاپنا ابھی باقی ہے۔

Marfat.com

برصغیر پاک و ہند میں اسلامی فکر کے حوالے سے اختصار سے یہ عرض ہے کہ اصل میں اسلامی فکر اصلاح سے نمایاں ہوئی۔ اکبر کے دینِ الٰہی کی اصلاح کے لیے سب سے پہلے شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) سامنے آئے۔ درحقیقت دوقومی نظریہ سب سے پہلے انہوں نے پیش کیا تھا۔ اس کے بعد اس کام کو آگے بڑھانے کے لیے شاہ ولی اللہ احمد دہلویؒ سامنے آئے۔ انہوں نے اس تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے کوشش کی کہ ہمارا اسلامی ورثہ کتاب وسنہ سے وابستہ ہو جائے۔ چنانچہ فارسی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر ان کے بیٹے شاہ عبدالقادر نے کیا۔ نیز شاہ رفیع الدین کے اردو تراجم بہت اہم ہیں اور پھر خاص طور پر حدیث کو فروغ دینے کے لیے انہوں نے سرکاری زبان فارسی اور عربی زبان میں مؤطا امام مالک کی دو شرحیں لکھیں۔ ان کا ہدف اسلامی ورثہ کو اصل وحی کے ساتھ مربوط کرنا تھا۔ اس لیے آج اس سلسلے میں جتنی بھی کوششیں ہیں ان کا سارا اعزاز شاہ ولی اللہ تحریک کو جاتا ہے۔ آج تحقیق کے بارے میں ہماری سوچ مغرب سے درآمدہ تصور پر مبنی ہے۔ ہم جو تحقیق تعلیمی اداروں میں کراتے ہیں وہ فنی تحقیق ہے، علمی نہیں۔

تحقیق کا ایک مطلب حق کی دریافت اور دوسرا اس کا اثبات ہے۔ حق کی دریافت اور اس کے اثبات کے حوالہ سے دینی مدارس میں کام ہو رہا ہے۔ چنانچہ تحقیق آپ دینی مدارس میں پائیں گے۔ اس کے بالمقابل معروف یہ ہے کہ جدید یونیورسٹیوں میں معلومات وسیع ہوتی ہیں، لیکن اس طرح ہوتی ہیں کہ حق اور باطل میں فرق واضح نہیں ہوتا۔

ان دنوں دینی تحقیق میں ایک کمی یہ ہے کہ ہم نے تقلیدی جمود کے ماحول میں علمی جانب داری اختیار کر لی ہے اور اپنی حد تک اس جانب داری میں ہی بہت بڑے محقق ہونا چاہتے ہیں۔ دوسری کمزوری یہ ہے کہ ہم ابھی تک ماضی کے ساتھ وابستہ ہیں، حال اور مستقبل کے تقاضوں سے کافی حد تک ناواقف ہیں۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں:

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

Marfat.com

ہم سمجھتے ہیں کہ دین کا مطلب اپنے ماضی کے اندر گُم رہنا ہے اور حال یا مستقبل سے ناواقف رہیں تو کوئی ہرج نہیں۔ اس طرح کی تحقیق تو بہت ہے لیکن فن تحقیق کے بارے میں صورت حال خوش کن نہیں۔ تاہم اس کی وجہ نااہلی نہیں، وسائل کی کمی ہے۔ دینی مدارس کے پاس وسائل ہوں تو یہ استدلال میں بہت آگے جاسکتے ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ دینی مدارس کے پاس زیادہ سے زیادہ جدید ٹیکنالوجی ہوتا کہ یہ ان کے ذریعے بہتر سے بہتر کام کرسکیں اس لیے کہ جدید ٹیکنالوجی وقت محنت اور وسائل تینوں ہی میدانوں میں سہولت پیدا کرتی ہے۔

ضرورت یہ بھی ہے کہ ہم دور جدید کے چیلنج کو اپنے سامنے رکھیں۔ اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ اس وقت ہمارے حال کا تقاضا کیا ہے اور مستقبل ہم سے کیا طلب کررہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جدید فن تحقیق کو اپنا کر اس کے مطابق کام کرنا بھی لازم ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۸﴾

ڈاکٹر مغیث الدین شیخ

چیئرمین شعبہ ابلاغیات، پنجاب یونیورسٹی-لاہور

میرے نزدیک تحقیق وصحافت کو خواہ وہ دینی ہو یا سیکولر، تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک عمومی دینی صحافت اور دوسری تحقیقی دینی صحافت، جبکہ تیسری ملی جلی دینی صحافت ہے۔ عمومی صحافت میں ایسے جرائد، رسائل اور اخبارات نما میگزین شامل ہیں جو کسی خاص موضوع یا گروہ کو ہدف بنانے کی بجائے رابطہ رکھنے اور بڑھانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور ہم تک بھی پہنچتے ہیں۔ ان کی اعزازی کاپیاں آتی ہیں (کبھی ہم پڑھتے ہیں کبھی نہیں پڑھتے)۔ کبھی کوئی اچھا آرٹیکل ہوتا ہے تو اس کی فوٹو کاپی کرا کے اپنی فائل میں لگا لیتے ہیں۔ کبھی کسی طالب علم کو دے دیتے ہیں۔ عام آدمی بھی اس سے استفادہ کرتا ہے۔ اس کے لیے تحقیق کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن یہ اچھی بات ہوتی کہ اس مواد کے اندر عمومی طور پر تحقیقی انداز اختیار کیا گیا ہو۔ کوئی ایسی بات جس کے بارے میں کوئی شک ہو اور اس کو کسی تحقیق کے سہارے سے بیان کر دیا گیا ہو تو اسے اچھا سمجھا جاتا اور اس کے انداز کو ذمہ دارانہ قرار دیا جاتا ہے۔ بلکہ یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ اس کے اندر ایک عمومی انداز کی تحقیق اختیار کی گئی ہے۔

یہ میرا نقطۂ نظر ہے۔ میں کئی مقامات پر کہتا بھی رہا ہوں کہ اس عمومی صحافت کا انداز بڑا آسان، سہل اور عام فہم ہونا چاہیے۔ میں عمومیت کے ساتھ تو نہیں کہتا، لیکن کچھ جرائد میری نظر سے

Marfat.com

گزرتے ہیں جن کا ابلاغ حتیٰ کہ ان کے نام اتنے مشکل ہیں کہ اس کی عام آدمی تفہیم نہیں کر سکتا۔ عمومی صحافت کے اندر وہ رنگ ہونا چاہیے جس میں پہاڑ پر کھڑے ہو کر عوام سے خطاب نہ کیا جائے بلکہ یہ پیش نظر رکھا جائے کہ قارئین میں سے معمولی تعلیم یافتہ افراد بھی پڑھ سکیں اور اس میں مشکل زبان اور الفاظ سے اجتناب کیا جائے۔ اس میں یقین کی جگہ پر ایقان کا لفظ، یا جیسے مجھے تیقن ہے وغیرہ استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

میں نے چند رسالوں کی مثالیں دی ہیں جو میری نظر سے کبھی کبھار گزرتے رہے ہیں۔ ہم ان میں عمومیت تلاش نہیں کر سکتے۔ میں خود محسوس کرتا تھا کہ اس میں کیا عمومیت ہے، اگر یہ عمومی صحافت ہے تو اس کو مشکل بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کو آسان بھی کیا جا سکتا ہے اور بلاشبہ آسان دینی صحافت کی مثالیں بھی موجود ہوں گی۔ یہ کوئی معقول طریقہ نہیں ہے کہ جس طبقے سے مخاطب ہوں آپ اس کی زبان استعمال نہ کریں۔

اگلا مرحلہ تحقیقی دینی صحافت کا ہے (اگر وہ کہیں موجود ہے)۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے ہاں ریسرچ کے اداروں کی کمی یا مکمل فقدان ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ کوئی ایسا ادارہ یا اس کے تحت چھپنے والا کوئی تحقیقی رسالہ ایسا نہیں جس کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ یہ فلاں ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا Journal ہے۔ اسلام آباد میں ایک دو جگہوں پر اداروں یا یونیورسٹیوں کے نام لیتے ہیں کہ ان کے تحقیقی جرائد اور جرنلز ہیں اور ان میں چھپنے والے مقالات کی کوئی اہمیت ہے۔ لیکن ان سے نکل کر جو ذاتی حیثیت میں تحقیقی جرائد چھاپے جاتے ہیں، کیا وہ آپ کے خیال میں دینی صحافت کی ذیل میں آتے ہیں؟ دینی صحافت سے باہر کی دنیا کے اندر بھی سی اور ڈی کیٹیگری کے بے شمار تحقیقی جرائد بکھرے پڑے ہیں جن میں لوگ اپنے مقالے چھاپ کر اپنی ترقیوں کے امکانات روشن کرتے ہیں۔ یونیورسٹیوں کے اندر خاص طور پر ایسا ہو رہا ہے۔ یہاں لوگ پہلے سے شائع شدہ مواد میں کہیں جدول یا اعداد و شمار تبدیل کر کے اپنی تحقیق بنا کر اسے چھاپ دیتے ہیں۔ ان تحقیقی جرائد کی کیفیت کیا ہے؟ ان کو شائع کرنے والے لوگ کون ہیں؟ ان کی اپنی تصدیق کیا ہے؟ ان کا

Marfat.com

ایک معیار ہے یا نہیں، یہ جاننا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ البتہ ان جرائد کی اپنی مارکیٹ ضرور ہے۔ آخر کون ان مقالات کو کس بنیاد پر برائے اشاعت منتخب کرتا ہے۔

دکھ کی بات یہ ہے کہ ایسے اداروں میں ہر ایرے غیرے کی تحریر چھاپ دی جاتی ہے اور اس ضمن میں ایک لمحے کے لیے بھی کوئی نہیں سوچتا کہ ایسا کرنے سے معاشرے میں کیا بحران پیدا ہو سکتا اور کیا کنفیوژن جنم لے سکتا ہے۔ یوں ایسے جرائد کی بھی کمی نہیں جو تحقیقی کہلاتے ہیں لیکن تحقیقی نہیں ہوتے۔ اگرچہ ان کے نام پر تحقیق لکھا ہوتا ہے۔

تحقیق کے متعلق دیگر جرائد میں جہاں پر مذہبی تعصب اور طرف داری موجود ہوتی ہے وہ بھی اس کی وجہ بنتے ہیں۔ آرٹیکلز کے انتخاب میں تعصب آتا ہے جبکہ ہم تو سوشل سائنس میں یہ کہتے ہیں اور اس پر ہمارا اتفاق ہے کہ

No Social Scientist can go beyond his or her value norms while interpreting the empirical data۔ اگر شماریاتی طور پر اکٹھے کیے گئے ڈیٹا کی وضاحت کے بعد بھی کوئی تعصب کا شکار ہو سکتا ہے تو وہ سائنس دان نہیں ہے۔ تحقیق میں تعصب کو کس حد تک کم کیا جا سکتا ہے، یہ دوسرا مرحلہ ہے۔ لیکن مذہب کے معاملے میں یہ تعصب اس حد تک کم نہیں ہو سکتا جتنا کہ دیگر مضامین کے اندر کم کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہم کس حد تک وسیع النظر ہیں؟ ہمارے اندر رواداری کس حد تک موجود ہے؟ اور کس حد تک ہم اپنے مکتب فکر پر تنقید برداشت کر سکتے ہیں؟

مذاہب کے تقابلی جائزے پر ہمارا کتنا یقین ہے اور ہم کتنے Objective ہیں؟ اور یہ کہ ہمارا دل کتنا کھلا ہے؟ یہ بھی ایک موضوع ہے جس پر بات کرنے کی ضرورت ہے اس کے بغیر تحقیق آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اس کے لیے با قاعدہ نظام کی ضرورت پڑے گی۔ ان رسالوں کی Rating کرنے کی ضرورت ہے جو تحقیقی جرائد کہلاتے ہیں۔ اس سلسلے میں شاید ایک Booklet شائع کرنے کی بھی ضرورت ہو جس کی مدد سے آپ یہ کہہ سکیں کہ پاکستان، جنوبی ایشیا، مشرق وسطیٰ یا

Marfat.com

پوری دنیا میں یہ اسلامک ریسرچ جرنلز ہیں جن کو ہم اے کلاس اسلامی جرنلز سمجھتے ہیں اور ہر ایک کو یہ محسوس ہو کہ اس کے اندر چھپنے والا مقالہ یا مقالہ جات کی حیثیت مقابلتاً دیگر جرائد سے بہت بہتر ہے۔

جہاں تک ملی جلی صحافت کا تعلق ہے اس کی صورتحال یہ ہے کہ ہر وہ کمزور ریسرچ جو کسی اعلیٰ پائے کے ریسرچ جرنل میں شائع ہونے سے محروم رہتی ہے اسے اس طرح کے جرائد میں شامل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یوں تو ہمارے یہاں ہر طرح کی صحافت کے بارے میں یہ بات درست ہے لیکن دینی صحافت بھی کوئی استثنا نہیں ہے۔ یعنی عمومی دینی صحافت کے رسائل میں ایسے مضمون دیے جاتے ہیں جن کے آخر میں حوالہ جات کے ایک ٹکڑے کا اضافہ کر کے کہا جاتا ہے کہ یہ ایک تحقیقی مضمون ہے۔ اس طرح کے رسائل بھی ہوتے ہیں جن میں ضرورت رشتہ اور منجن کا بھی اشتہار ہوتا ہے اور سیاست پر بھی لکھا ہوتا ہے۔ درس قرآن کا بھی ایک ٹکڑا دے دیا جاتا ہے اور تحقیقی مضمون بھی ہوتا ہے۔ اسے ہم تحقیقی رسالہ کہہ سکتے ہیں نہ ہی دینی جریدہ بلکہ اس میں ایک کھچڑی پکی ہوئی ہے جس میں ہر چیز گھول کر پیش کر دی گئی ہوتی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارا ذہن صاف اور واضح نہیں ہے کہ ہم کیسی تحقیق چاہتے ہیں۔

ہمارے دینی موضوعات کے حوالے سے یہ بھی ایک بڑا عجیب و غریب مسئلہ ہے کہ ہم نے تاثر دیا ہوا ہے کہ سوشل سائنس یا آرٹس میں تحقیق کا کوئی متعین طریقہ کار نہیں ہوتا۔ ایک اور بڑی خطرناک چیز یہ ہے کہ کئی محققین ڈیٹا جمع کر کے جو کچھ ان کے ذہن میں ہوتا ہے اسی کو ثابت کرنا چاہ رہے ہوتے ہیں۔ گویا انہیں تلاش ہی ایسے مواد کی ہوتی ہے جو ان کے نقطۂ نظر کی تصدیق کر سکے۔ بہت سا ایسا لٹریچر جو مخالفانہ نقطۂ نظر پر مبنی ہے اس کو نظر انداز کرتے ہیں۔ اس طرح علمی ترقی کیسے ہوگی۔ یہ بھی ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کا حل کیا ہے؟ اس کا حل یہ ہے کہ جہاں مختلف النوع ادارے پہلے سے موجود ہیں، وہاں ریسرچ کا بھی کوئی ادارہ قائم کیا جانا چاہیے۔ لیکن ریسرچ کے ادارے قائم کیے جائیں تو ریسرچ چلانے کے لیے افراد کہاں سے آئیں

Marfat.com

گے؟ کیا اس معیار کے لوگ موجود ہیں جو تحقیقی جرائد چلا سکیں، اور تحقیقی عمل کو لے کر چل سکیں، ان میں اتنی جرأت ہو کہ جو مضامین چھپنے کے قابل نہ ہوں ان کو رد کر سکیں۔ دونوں چیزیں ضروری ہیں۔ یہ بات کہنے اور سمجھنے کے لیے تحقیق پڑھنے کی ضرورت ہے۔

تحقیق کسی عمر میں بھی پڑھی، سیکھی اور بہت ساری جگہوں سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ بڑے وسائل اور ذرائع موجود ہیں۔ جو لوگ عمومی صحافت کا حصہ ہیں ان کو تو واقعتاً کوشش کرنی چاہیے کہ وہ کمیونیکیشن کے کسی بھی شعبے میں ڈگری یافتہ ہوں اور انہیں 'ابلاغ عامہ' کی تحقیق کے بنیادی اصول بھی معلوم ہوں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ دیگر ادارے مختصر کورسز کروائیں جن میں بنیادی چیزیں سکھا دی جائیں جس سے مدارس کی تحقیق کا معیار بہتر ہو۔ اس سے تحقیق نہ صرف رواج پائے گی بلکہ اس کا معیار بھی بہتر ہوگا۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۹﴾

ڈاکٹر مسکین علی حجازی

سابق چیئرمین شعبہ ابلاغیات، پنجاب یونیورسٹی-لاہور

دینی مدارس میں تحقیق اور صحافت کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ ان کے مقابلے میں ہمارے معاشرے میں دوسرے نظام کی صورت حال کیا ہے؟ کیونکہ کچھ چیزیں اسلام کے ساتھ وابستہ کر دی جاتی ہیں جن کے بارے میں ایک خاص تأثر پیدا ہو جاتا ہے یا پیدا کیا جاتا ہے۔ مثلاً ہمارے عصری نظام تعلیم میں پرائمری سکول، انٹرمیڈیٹ اور ڈگری کالجز ہیں۔ اس کے بعد یونیورسٹی ہے۔ ان تمام اداروں میں ہر سطح پر تحقیق ممکن نہیں۔ تحقیق کے لیے بعض سوشل سائنسز کے ادارے موجود ہیں، اکیڈمی آف سائنس بھی ہے، یونیورسٹیوں میں تحقیق کی توقع کی جاتی ہے، بشرطیکہ اس کے لیے وسائل مہیا کیے جائیں۔ اسی طرح ہر دینی ادارے سے یہ توقع کرنا کہ اس میں تحقیق بھی ہو تو یہ سوچ مناسب نہیں کیونکہ مدرسہ میں وسائل بھی رضا کارانہ ہی ہوتے ہیں۔ لوگ فی سبیل اللہ دیتے ہیں اور حکومت سے مدارس کچھ لیتے نہیں لہٰذا ان اداروں سے اس کے باوجود بہت زیادہ توقعات وابستہ نہیں کرنی چاہییں کیونکہ دینی مدارس اپنے طور پر ہی اپنے فرائض بطریق احسن ادا کرتے ہیں اور کر رہے ہیں۔

ہمارے بہت سارے مسائل معاشی، معاشرتی، امن وامان، انصاف اور عدل کے حوالے سے ہیں جبکہ ہمارے مروجہ ادارے بلکہ باہر سے تعلیم حاصل کرنے والے افراد بھی معاشرے کو میسر

Marfat.com

نہیں آتے جوان مسائل کا حل تلاش کریں، دوسری جانب پاکستان میں کوئی مسجد ایسی نہیں ہوگی جس کے لیے امام یا خطیب موجود نہ ہو۔ یہ ضرورتیں کس نے پوری کی ہیں؟ ظاہر ہے مدرسوں نے۔ ان مدارس کی اور بہت سی خدمات بھی ہیں میں صرف آپ کو ایک جھلک دکھانا چاہتا ہوں۔

۱۸۵۲ء میں ہمارے یہاں یہ صورت حال ہو چکی تھی کہ ۲۲ عیسائی مشنریاں وجود میں آ چکی تھیں۔ انہوں نے ۳۱۲ تبلیغی مراکز قائم کر کے ۶۸۹ تعلیمی ادارے بنا لیے تھے اور ۱۴۸۱ مقامی پادری Convert کر کے تیار کر لیے تھے۔ ان کے ذہن میں شاید نقشہ یہ تھا کہ یہ آج کے ہندوستان کو بھی پورا ہسپانیہ بنا لیں گے۔ اس کے آگے بند کس نے باندھا ہے؟ درحقیقت یہ وہ خدمت ہے کہ پوری تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس کے بعد مملکت خداداد قائم تو ہو گئی مگر اس میں حکومتوں کا نظام ہر دور میں ایسا رہا ہے کہ کسی نہ کسی شکل میں دینی امور کے بارے میں مدافعت ہی کرنی پڑی۔ لہٰذا یہ مدرسہ کی جانب سے بہت بڑی خدمت ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اس کے لیے کوئی بجٹ نہیں بنتا، نہ ان کو ٹیکس سے کوئی پیسہ ملتا ہے۔ اس تناظر میں دینی مدارس میں جو کام ہو رہا ہے وہ بہت ہی قابل تعریف ہے۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ جس طرح دنیا میں مختلف اداروں اور تنظیموں کے ایک دوسرے میں مدغم ہونے کا رجحان ہے ویسا ہی دینی تنظیموں کو بھی کرنا چاہیے۔ اس بارے میں غور کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اپنی چھوٹی چھوٹی قوتوں کو جمع کریں اور ایک بڑی قوت بنیں۔ اس کے ساتھ ہی آج کی ضرورت یہ ہے کہ آپ کی رسائی ساری دنیا تک ہو۔ یہ ہدف بہ آسانی ممکن ہے بشرطیکہ آج کے ذرائع ابلاغ سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اگر اپنا ٹی وی چینل نہیں تو بھی گنجائش ہے کہ ٹائم خرید لیا جائے یا بڑے اخبار میں جگہ خرید لی جائے۔

وسائل کو اس میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے کہ اللہ کے فضل سے ہر محلے میں جگہ جگہ مسجدیں موجود ہیں جن کے لیے روز کوئی نہ کوئی عطیات جمع کرنے کے لیے آتا ہے۔ اسی طرح بعض رسائل کو بھی اس کیٹگری میں شمار کرنا چاہیے۔ ضرورت ہے کہ لوگ خود سوچیں کہ اگر وسائل نہیں ہیں تو کس طرح مہیا کیے جا سکتے ہیں؟ اس سے روزگار کا مسئلہ بھی حل ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح ایک دو

Marfat.com

آدمیوں کی مصروفیت نکل آتی ہے۔لیکن اس کے ساتھ ہی کل کے ٹائپسٹ کو آج کا کمپیوٹر آپریٹر اور آج کے کمپیوٹر آپریٹر کو کل کا انجینئر بننے کا سوچنا چاہیے۔

مثبت پہلو یہ ہے کہ جتنے بھی اچھے دینی رسالے ہیں ان میں سے ہر ایک کا حلقہ موجود ہے۔ لوگ ان کو پڑھتے ہیں اور اسی لیے وہ شائع ہو رہے ہیں۔اس حوالے سے کوئی احساس کمتری نہیں ہونا چاہیے۔ میں اس کی وضاحت میں نہیں جاؤں گا۔اگر پاکستان کے تمام بڑے اخبارات کی کل اشاعت دیکھیں تو ان کی بھی کوئی اچھی صورت ہمارے سامنے نہیں آتی۔ پاکستان کے تمام انگریزی اخبارات کی مجموعی اشاعت لاکھ دو لاکھ سے زیادہ نہیں ہے۔جبکہ اُردو اخبارات کی اشاعت ۳ ملین کے قریب ہے۔۱۵ کروڑ کی آبادی میں یہ کوئی زیادہ تعداد نہیں ہے۔اس حوالے سے دینی مدارس کے رسائل اور دینی جرائد کی صورت حال کوئی زیادہ حوصلہ شکن نہیں ہے۔تاہم چند بڑے رسائل ہونے چاہییں جن میں آج کے عصری مسائل زیر بحث لائے جائیں۔یہ کام عالمی اور قومی سطح پر ہونا چاہیے۔البتہ اس کے لیے کسی عالمی زبان کی ضرورت ہے۔آج کا مسئلہ یہ ہے کہ عالمی سطح پر دنیا اور قومی سطح پر ہماری نوجوان نسل کو گمراہ کیا جا رہا ہے اور ہمیں یہ سمجھنا ہے کہ ہم ان کے لیے کون کون سی زبان میں ابلاغ کر سکتے ہیں۔آپ کی اپنی زبان اور ایک بین الاقوامی زبان اس میں معاون ہو سکتی ہے۔اس کے لیے تیاری کرنی چاہیے۔ بہت سے ادارے موجود ہیں جہاں تربیتی ورکشاپ، یا اورینٹیشن کورسز ہو سکتے ہیں۔ان وسائل کے اندر رہتے ہوئے اپنی باتیں کس انداز سے ان کو پیش کی جا سکتی ہیں اس پر غور کی ضرورت ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۱۰﴾

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

ماہر اقبالیات، سابق استاد پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج -لاہور

دینی مدارس میں تحقیق اور صحافت کا معیار بہتر بنانے کے ضمن میں تجویز ہے کہ جس طرح ادبی رسائل کی ملک میں ایک انجمن ''انجمن ادبی رسائل پاکستان'' ہے، پہلے قدم کے طور پر ''انجمن دینی رسائل'' بھی قائم ہو جائے اور جس کے تحت کچھ اصول اور ضابطے متعین ہو جائیں۔ اسی طرح کم از کم کچھ چیزیں ضرور ایسی ہوں گی کہ ان کی کچھ حدود و قیود متعین کر دی جائیں تو رسائل میں یکسانیت پیدا کرنے، ان کا معیار بہتر بنانے یا منفی پہلوؤں سے بچنے کی صورت پیدا ہو سکے گی۔

اس سے آگے بڑھ کر اگر کوئی ادارہ اس کا اہتمام کرے کہ ان رسائل اور ان میں موجود تحقیق کے معیار کو بہتر بنانے کی کوئی اسکیم بنا سکے تو یہ ایک مستحسن قدم ہوگا۔ تاکہ یہ معلوم ہو کہ مختلف اداروں میں کن کن موضوعات پر تحقیق ہو رہی ہے، کن کن موضوعات پر کتابیں چھپی اور چھپ رہی ہیں اور ان میں کیا کمی بیشی ہے۔ ان پر بات کی جائے اور ان میں کوآرڈی نیشن پیدا کر کے ان کو چھاپا جائے تاکہ دوسرے بھی اس سے استفادہ کریں اور معلوم بھی ہو کہ کہاں کیا ہو رہا ہے اور کیا کمی ہے۔ اس طرح ادارے ایک دوسرے سے کچھ فائدہ اٹھا سکیں گے اور ایک دوسرے کی مدد بھی کر سکیں گے۔ رسائل کے سلسلے میں بھی یہی بات ہو سکتی ہے۔ تاہم اصل مسئلہ یہ ہے کہ یہ کام کرے گا کون؟

Marfat.com

اگر ایک رسالہ یا مدارس کی تنظیموں میں سے کوئی (جیسے وفاق المدارس) اس کا اہتمام کرتا ہے تو یہ مسئلہ پیدا ہوگا کہ کچھ معلوم نہیں کہ کس مقصد کے تحت ایسا کیا جا رہا ہے۔ اس لیے اگر کوئی ایسا ادارہ (جس طرح اس سیمینار کا اہتمام کیا گیا ہے جس کا کسی مدرسے سے کوئی تعلق نہیں ہے)، اس کوارڈی نیشن کی کوئی صورت پیدا کرے یا ابتدائی کام کر دے تو شاید اس کے نتیجے میں خود احتسابی کی کچھ صورت بھی پیدا ہو اور ضابطہ اخلاق بھی بن سکے تا کہ کچھ نہ کچھ جائزہ لیا جائے اور نتیجتاً معیار بہتر ہو سکے۔ اس وقت تحقیق اور رسائل کے معیار میں مثبت اور منفی دونوں پہلو مدنظر رہنے چاہییں۔ بعض رسائل اور بعض کتابیں بہت اچھے معیار کی ہیں۔ بہت خوبصورت انداز میں شائع ہوئی ہیں۔ ان کا اسلوب جان دار، زبان بہت خوبصورت ہے اور یہ ادبی اور علمی لحاظ سے متاثر کن ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس دوسری صورت بھی ہے۔ یوں اس سارے عمل کو بہتر بنانے کے لیے جو کچھ کیا جائے کم ہے۔ دوسری جانب یہ سارا کچھ اُردو میں ہے، اس لیے بیرونی دنیا تک نہیں پہنچ پاتا۔

ایک کمی یہ محسوس ہوتی ہے کہ انگریزی کا کوئی رسالہ یا انگریزی مضمون لکھنا تو دُور کی بات ہے انگریزی میں کسی اخبار میں کوئی مراسلہ لکھنے کی روایت بھی نہیں ہے۔ یہ دینی مدارس کی بہت بڑی کمزوری ہے کہ انگریزی میں اظہار خیال نہیں کر سکتے اور تحریر بھی نہیں لکھ سکتے جبکہ اس وقت اس کی بے حد اہمیت اور ضرورت ہے۔ آج انگریزی صحافت جس معیار پر ہے، اور اس کے جس قدر وسیع اثرات ہیں اس میں یہ اشارہ پوشیدہ ہے کہ ہم اس زبان میں اظہار خیال کر سکیں۔ درحقیقت مدارس پر اکثر اعتراضات انگریزی دان حلقے کی طرف سے ہوتے ہیں۔ ان کا جواب اُردو میں دیا جاتا ہے اور وہاں بات پہنچتی نہیں ہے۔ اس اعتبار سے انگریزی کی نہ صرف تعلیم و تدریس ضروری ہے بلکہ با قاعدہ کوشش کر کے ایسے لوگ تیار کرنے کی ضرورت ہے جو انگریزی میں اظہار خیال کر سکیں، اور اخبارات اور رسائل میں مضامین لکھنے کے قابل ہوں۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۱۱﴾

مرزا محمد الیاس

مدیر ہفت روزہ ''ایشیا''۔لاہور

اس وقت تک کی بحث کے نتیجے میں کچھ باتیں تو واضح ہو چکی ہیں، البتہ کچھ کے بارے میں مجھے آپ سے گفتگو کرنا ہے۔اس بحث کا مقصد یہ ہے کہ دینی مدارس کے نظام اور نصاب کو ایسی شکل دی جائے جو اغلاط سے پاک ہو اور جس میں معاشرے کی ہدایت کی صلاحیت موجود ہو۔نیز ہمیں مختلف ذرائع سے جس وسعتِ نظر اور معروضیت کی ضرورت کا احساس دلایا جا رہا ہے اسے سمجھا جائے کہ اس کا پس منظر کیا ہے؟ اس سلسلے میں پہلی اور اہم ترین ضرورت دین اور دنیا دونوں میں غور و خوض اور تحقیق کی ہے۔جہاں تک دینی موضوعات پر تحقیق کا تعلق ہے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہ صرف دینی اداروں ہی تک محدود نہیں۔بعض ادارے معروف معنوں میں دینی ادارے نہیں کہلا سکتے مگر وہاں دینی موضوعات پر صائب تحقیق ہوتی ہے۔

ایک مشکل یہ ہے کہ ایک عام مسلمان کو جو دینی عالم ہونے کا دعویٰ نہیں رکھتا اسے دین کی حقانیت سے کیسے آگاہ کیا جائے۔کیا اس سے روشن خیال جدت پسندی (enlightened moderation) کو اپنانے کی بات کریں۔ایسی صورت میں وہ کہہ سکتا ہے کہ اسلام تو پہلے ہی دنیا کا وسیع النظر اور جدید ترین دین ہے۔اس سے بڑھ کر ترقی پسندی اور کیا ہوگی کہ رسالت مآب کا

Marfat.com

فرمان ہے کہ ''جس کا آج گزشتہ کل سے بہتر نہیں وہ تباہ ہو گیا''۔ گویا نماز اور روزے کے حوالے سے تو کچھ بھی نیا نہیں لایا جا سکتا، البتہ یہ فکر اور سوچ کی ترقی ہے جس کی طرف اسلام نے اشارہ کیا ہے۔

یہاں یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ اگر دینِ اسلام کا حقیقی اور خوب صورت تعارف درکار ہے اور اس کا غیر مسلموں پر خوشگوار تاثر قائم ہوتا دیکھنے کی خواہش ہے تو کسی بھی بات کے صفحۂ قرطاس پر لانے سے پہلے تصدیق کرنا ہوگی کہ وہ اسلام کا حقیقی اور روشن چہرہ ہی دکھاتی ہے۔ کیونکہ جو کچھ دینی پرچوں میں شائع ہوتا ہے وہ چھپنے کے بعد آپ کی ملکیت نہیں رہتا بلکہ لوگوں کو اس پر تنقید کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔

دینی مدارس پر جس طرح کی تنقید ہو رہی ہے اسے سامنے رکھتے ہوئے یہ محسوس ہوتا ہے کہ الاّ ماشاء اللہ کسی بھی سطح پر ہم اس تنقید کا جواب نہیں دے رہے۔ ہم یہ نہیں بتا رہے کہ ہمارے مدارس میں کیا ہو رہا ہے۔ ہم یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ ہمارے مدارس کے کنٹرول اور مینجمنٹ پر کوئی حرف نہیں آنا چاہیے۔ ٹھیک ہے نہیں آنا چاہیے لیکن یہ بھی بتانا چاہیے کہ جس پر تنقید کی جا رہی ہے اور کہا جا رہا ہے وہ کیا ہے اور کس حالت میں ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے! مختلف چیزیں جو سامنے نظر آنے والی ہیں ہم ان پر توجہ نہیں دیتے اس لیے اس سوال کا مناسب جواب بھی نہیں دے پا رہے۔ دینی مدارس کے طلبہ اور اساتذہ کی تحقیق کے موضوعات عام زندگی میں کس قدر ملے جلے اور کس حد تک عام آدمی کے مسائل کو زیرِ بحث لا رہے ہیں؟ اگر ایک آدمی یونیورسٹی میں بیٹھ کر بات کرتا ہے کہ یہ سوشل سائنسز کا مسئلہ ہے تو وہی فرد ایک دینی مدرسے میں بیٹھ کر کیوں نہیں سوچ سکتا۔ حالانکہ اس کے پاس یونیورسٹی کے مقابلے میں لوگوں کو اپیل کرنے کے ذرائع زیادہ ہیں۔ اس کے پاس تو ایک اعتماد بھی ہے کہ وہ دین کے معاملے میں لوگوں کی راہنمائی کر رہا ہے۔

باہر کی دنیا کو کیوں نہیں بتایا جا رہا کہ اسلام نے دنیاوی زندگی کے مسائل کے حل کے لیے بھی بے مثال تحقیق اور راہنمائی مہیا کی ہے۔ دنیا میں انسانی مسائل سے متعلق بے شمار چیزیں ہیں

Marfat.com

جن پر اسلام نے راہنمائی دی ہے۔اس کی اور کہیں مثال نہیں ملتی۔علاوہ ازیں اختلاف رائے کی جتنی آزادی اسلام کے اندر ہے وہ اور کہیں بھی میسر نہیں ہے۔جس طرح کی رائے کا اظہار اسلام اپنے لوگوں سے کرتا ہے وہ قرآن کریم کے لفظوں میں یوں ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ط وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ" (۲:۱۰۴) (اے لوگوں جو ایمان لائے ہو راعِنا نہ کہا کرو، بلکہ اُنْظُرْنَا کہو اور توجہ سے بات کو سنو، یہ کافر تو عذابِ الیم کے مستحق ہیں۔)

ہم کہاں تک یہ طریقے استعمال کر رہے ہیں۔ ہماری زبان کے اندر وہ استدلال، تحمل اور بردباری کہاں ہے۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی زبان مبارکہ میں تھی اور ہم سننے، لوگوں کو سمجھنے، برداشت کرنے اور سن کر اپنے اندر حوصلہ رکھنے کی صلاحیت کا کس قدر مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اگر ان امور پر توجہ دی جائے تو کوئی فرقہ، مسلک اور مکتب فکر ہماری راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ لیکن شرط یہی ہے کہ اپنی بات کو اسی اسلوب کے اندر رکھا جائے جو سنت کا اسلوب ہے۔ اپنی حدود، اپنے مقاصد اور اپنے ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے دنیا کی بات سنیں اور آرام سے اس کا جواب دیں۔ اگر معاشرے میں دینی مدارس و دین کے بارے میں کام کرنے والے دوسرے ادارے اور ہماری دینی صحافت ان امور کا خیال رکھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہر آدمی ان کی بات نہ سُنے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۱۲﴾

عاطف وحید

قرآن اکیڈمی-لاہور

میرا تاثر یہ ہے کہ دینی مدارس میں تحقیق وصحافت پر اتنی نمایاں گفتگو نہیں ہو سکی جتنی دینی صحافت یا دینی تحقیق پر ہو گئی ہے۔ دوسری جانب تحقیق وصحافت کو اکٹھا رکھنے سے بھی بعض جگہوں پر مشکل کا سامنا ہوگا۔ صحافت کے حوالے سے حقیقت یہ ہے کہ اس کی جو سطح اس وقت ہمارے معاشرے میں رائج ہے اس کے حساب سے دینی صحافت کچھ ایسی بری بھی نہیں ہے۔ وہ اپنے اپنے خاص انداز سے گویا مطلوبہ تقاضا پورا کر رہی ہے۔

بہتر سے بہتر کرنے کی گنجائش تو یقیناً رہتی ہے لیکن اگر اس کو اس انداز سے لیا جائے کہ اس میں ضرورت رشتہ بھی ہے، اور منجن بھی تو یہ چیزیں عمومی صحافت کا حصہ ہیں۔ ایسی چیزیں ہر طرح کے رسائل میں آتی ہیں لہٰذا اس پر زیادہ پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ تحقیق کے ضمن میں بہت ہی عمدہ باتیں سامنے آ چکی ہیں۔ تاہم میں سمجھتا ہوں کہ یہ امر واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ تحقیق کے بنیادی مضامین کیا ہیں؟ اسلامی تحقیق کے حوالے سے ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ انہوں نے ''اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریقہ کار'' کے عنوان سے جو کتاب لکھی تھی، اس سے تحقیق کا معاملہ سامنے آتا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ فلسفیانہ مباحث اور اسی طریقے سے انسانی،

Marfat.com

معاشرتی اور تمدنی ضرورتوں کو قرآن وسنت کے حوالے سے جانچنا اور پرکھنا ہی اسلامی تحقیق ہے، وہ کسی اور چیز کو اسلامی تحقیق نہیں مانتے۔ اس حوالے سے پہلے اسلامی تحقیق کی تعریف کریں کہ وہ ہے کیا اور اس کے میدان ہائے تحقیق کیا ہیں تو بات آگے بڑھے گی۔ اس ضمن میں بحث ومباحثہ اور غور وفکر کو آگے بڑھانے کی ضرورت یقیناً ہے۔ اس کے لیے ایک علیحدہ سیشن میں صرف اسلامی تحقیق کو موضوع بحث بنایا جائے اور دیکھا جائے کہ اس کے تقاضے اور اہم میلانات کیا ہیں اور یہ ضرورت کس حد تک پوری ہو رہی ہے؟

یہ محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں سے پڑھے ہوئے لوگ، دینی علم اور معلومات کے بارے میں مناسب ادراک نہیں کر پاتے۔ اس لیے وہ اسے کم تر خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کی اپنی زبان اور سیاق وسباق ہیں، اور جب تک یہ سب کچھ ان کے سامنے نہیں ہوگا تو وہ اسلامی علوم سے متعلق صحیح ادراک نہیں کر سکیں گے کہ اس میں زبان کون سی استعمال ہو رہی ہے! اس ضمن میں یہ دہرانا غلط نہ ہوگا کہ ہمارا راستہ عملی ہے اور اس کی اپنی زبان ہے۔ اس زبان سے ہم ہٹ نہیں سکتے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دین کا زیادہ علم دیا جائے۔ دینی تعلیم کی کمی کا نتیجہ یہ ہے کہ عصری اداروں کے فارغ التحصیل لوگ دینی علوم کے حوالے سے نابلد ہیں اور اس حوالے سے ان کے بارے میں تأثر اچھا نہیں ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ دقیانوسی باتیں ہیں۔ حالانکہ وہ آج کل کے مسائل سے متعلق ہیں اور اگر وہ شریعت کے ان حوالوں کو نہیں سمجھ پاتے تو قصور آپ کی کم علمی کا ہے۔ لہٰذا اس طرف بھی توجہ دینی چاہیے کہ دونوں طرح کے اداروں کے درمیان فاصلہ کس طرح ختم کیا جائے۔ اس سلسلے میں جہاں دینی مدارس میں نئے عصری علوم پڑھانے کی ضرورت ہے وہاں آج کل کے جدید عصری تعلیمی اداروں میں دین کا ایلیمنٹ زیادہ سے زیادہ شامل کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۱۳﴾

ڈاکٹر نعیم قریشی

استاد ریاضی، لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز۔لاہور

میں فزکس کا طالب علم ہوں۔فزکس میں ہمارے سرخیل آئن سٹائن (جو ایک یہودی ہیں) نے صرف تین حرفوں سے دنیا کا نقشہ بدل دیا ہے۔یعنی ایک تین رکنی مساوات سے جو یہ ہے E=MC2۔اسی ایک تین رکنی مساوات سے تمام اٹامک انرجی اور اٹامک پاور پیدا ہوئی ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میں اس مضمون کا طالب علم ہوں جس میں بہت مختصر بات کی جاتی ہے بلکہ پورے الفاظ بھی نہیں کہے جاتے۔آپ مجھے معاف کریں گے اگر میں اپنا مافی الضمیر اچھی طرح بیان نہ کرسکوں۔دینی مدرسوں کے کردار سے متعلق سب سے پہلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو گزشتہ ڈیڑھ دوسوسال پر محیط طویل رات میں نہ کوئی شخص اذان دینے والا ہوتا اور نہ کوئی جنازہ پڑھنے والا۔غیر مسلم حکمرانوں کی ابلاغیات اور ترغیبات کے نتیجے میں اسلامی شناخت ختم ہوچکی ہوتی۔اگر آج ہم یہاں کسی اسلامی شناخت کے ساتھ بیٹھے ہیں تو یہ ان دینی مدارس کا اعجاز ہے اور اسے کھلے دل سے تسلیم کرنا چاہیے۔

دوسری خطرناک چیز جو آج کل فرنگی تخیلات کی وجہ سے پھیلائی جارہی ہے وہ یہ ہے کہ سیکولر چیزیں حرام ہیں۔یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ کیا چیزیں سیکولر ہیں۔سائنس پڑھنا سیکولر علم ہے لہٰذا

Marfat.com

اس کے قریب مت جائیں یہ عبادات میں نہیں آتا۔ یا سوشل سائنسز یا ٹیکنالوجی وغیرہ جیسی چیزیں سیکولر علم ہیں۔ اس احساس کو پھیلایا جا رہا ہے کہ یہ چیزیں حرام ہیں۔ ان کو ہاتھ مت لگاؤ اس سے دینی مدارس کو بچنا چاہیے۔ جبکہ اسلام کا امتیاز ہی یہ ہے کہ وہ محض عبادات کا دین نہیں ہے۔ بلکہ اس میں معاملات پر بھی پوری پوری راہنمائی دستیاب ہے اور غالباً معاملات کی اہمیت عبادات سے زیادہ ہے کیونکہ عبادات میں کچھ آسانی یا رعایت ہوسکتی ہے لیکن معاملات میں کسی قسم کی چھوٹ نہیں ہے۔ اگر کسی کی نماز قضا ہو جائے تو اس کی قضا ادا ہوسکتی ہے۔ لیکن معاملات بہت ہی ضروری، اہم اور سخت چیزیں ہیں اور ان کے اوپر بھرپور توجہ کی ضرورت ہے۔ انہی کو آج کل سیکولر کا لفظ استعمال کر کے ہمارے نظام حیات میں سے خارج کر دینے کی کوشش کی جا رہی ہے تا کہ ہمارے ادارے معاملات میں دخل نہ دیں کیونکہ معاملات میں یہ بھی آ جائے گا کہ حکومت کیسے بنتی ہے، اقتصادی نظام کیسے چل رہا ہے، ابلاغ عامہ ٹیکنالوجی کے ذریعے ہوسکتا ہے یا نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا کوشش کی جا رہی ہے کہ آپ سیکولر چیزوں اور معاملات سے بالکل بیگانہ ہو جائیں اور صرف اپنے آپ کو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں لگالیں۔ وہ جو بقولِ اقبال، ابلیس نے اپنے مشیروں کو مشورہ دیا تھا کہ مسلمانوں کو ذکر و فکر صبح گاہی میں مست رکھتے ہوئے انہیں مزاج خانقاہی میں پختہ کرو، محل نظر رہنا چاہیے۔

جہاں تک تحقیق کا مسئلہ ہے تو اس کے لیے کئی موضوعات ہو سکتے ہیں۔ لیکن ایک کھلا موضوع اقبال کی زبان میں عرض کرنا چاہوں گا جس میں اقبال نے دو سوال امت سے پوچھے ہیں:

کس طرح ہوا کند تیرا نشتر تحقیق
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک

ایک موضوع تو یہ کھوج لگانا ہے کہ یہ کیوں ہو رہا ہے، دوسرا یہ کہ مہ و مہر و انجم مسلمانوں کے محکوم کیوں نہیں رہے اور ان سے افلاک کیوں نہیں لرزتے۔ اعلیٰ پیمانے کی تحقیق کے لیے مدارس کی درجہ بندی کرنا ہوگی۔ بعض ایسے مدارس یقیناً ہیں جن کو تحقیق کے لیے جتنے بھی وسائل درکار ہوں وہ

Marfat.com

مہیا کیے جانے چاہییں تا کہ وہ اعلیٰ پائے کی تحقیق کے لیے تیار ہو سکیں۔ پھر علامہ اقبال نے ایک اور حقیقت بیان کی ہے:

اب تک ہے رواں گرچہ لہو تیری رگوں میں
نہ گرمیِ افکار نہ اندیشۂ بے باک

تو دینی مدارس میں گرمیِ افکار اور اندیشۂ بے باک پیدا کرنا ہے۔ آخر نشترِ تحقیق کیوں کند ہوا اور کیوں افلاک ہمارے نام سے نہیں لرزتے۔ اس کا جواب بھی علامہ نے خود دیا ہے:

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری

ایک تو سلطانی نے تمہیں مار دیا ہے۔ شہنشاہیت اور آمریت نے تمہیں پھلنے پھولنے نہیں دیا، دوسرا ملائیت نے تمہیں محدود کر دیا ہے۔ تیسرا پیری فقیری نے تمہیں ترقی کی راہ سے ہٹا دیا۔ تاہم ملائی سے علامہ کا مطلب اس کے مثبت اور منفی دونوں پہلو ہیں۔ ایک جگہ علامہ فرماتے ہیں۔

افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج
وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو

دوسری طرف یہ کہتے ہیں:

افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج
ملا کو اس کے کوہ و دمن سے نکال دو

یوں علامہ کی نظر میں تین چیزیں ہیں جن کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو مشکلات کا سامنا ہے۔

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری

☆☆☆☆

Marfat.com

اصلاحِ احوال کی بحث (۱)

تنقید و توقعات

- نجم الثاقب
- سجاد میر
- فہمیدہ اشرف
- ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی
- شفیق احمد
- مسرور عالم
- ڈاکٹر مولانا عطاء الرحمٰن
- ڈاکٹر اشرف شاہین قیصرانی
- پروفیسر شمیم اختر
- محفوظ علی خان

[نوٹ: اس حصے میں ایسے ماہرین کے تاثرات شامل کیے گئے ہیں جو مختلف عصری تعلیمی اداروں یا دیگر شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ ہیں تاہم معاشرتی تشکیل و تطہیر میں کردار کے حوالے سے وہ مدارس کو زیادہ سے زیادہ موثر دیکھنا چاہتے ہیں۔ ماہرین کے یہ تاثرات دینی مدارس کے موضوع پر انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام منعقدہ سیمیناروں میں ان کی گفتگو پر مبنی ہیں۔]

Marfat.com

Marfat.com

﴿۱﴾

نجم الثاقب

ڈائریکٹر، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن (نیپا)-کراچی

پاکستان کے اکثر دانشوروں نے اس امر سے اتفاق کیا ہے کہ ہمارے پیارے ملک پاکستان کو درپیش سب سے بڑا اور سنجیدہ ترین مسئلہ کسی بھی ترقیاتی پروگرام پر اتفاق رائے کے نتیجے میں ایک مشترکہ ایجنڈا ترتیب دینے کی صلاحیت کا فقدان ہے کیونکہ مطلوبہ اتفاق رائے عموماً مفقود ہے۔ آپ زندگی کے کسی شعبے پر نظر ڈالیے ذہنی انتشار کی یہی کیفیت طاری نظر آئے گی۔

آج جب ہم قومی پالیسی کے ایک انتہائی اہم عنصر کو زیر بحث لانے کے لیے جمع ہوئے ہیں، ہمارے سامنے صورت حال یہ ہے کہ ملک میں متعدد نظام ہائے تعلیم زیر عمل ہیں جو ایک دوسرے سے قطعی مختلف بلکہ بعض معاملات میں ایک دوسرے کے رقیب ہیں۔ ان میں ایک تو مکمل طور پر انگریزی میڈیم سکولوں کا نظام ہے۔ اس کے بعد اس نظام کا مقام ہے جو اگرچہ اس قدر شدید تو نہیں مگر انگریزی ذریعہ تعلیم وہاں بھی لازمی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ پیلی وردی والے یعنی تمام گورنمنٹ سکول اور آخر میں دینی مدارس آتے ہیں۔ ان تمام متنوع اداروں کا مشترکہ مقصد پاکستانی آبادی کے ۵۵ فی صد نونہالوں اور نوجوانوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرتا ہے۔ درحقیقت اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ملک کے نظام حیات پر ان مختلف انتظامات کے تحت چلنے والے اداروں کے اثرات کا مطالعہ کیا جائے۔

Marfat.com

پچھلے کئی سالوں سے پاکستان کے دینی مدارس، جنھوں نے بلاشبہ ملک میں اسلامی اقدار کے تحفظ اور فروغ کی ذمہ داری انتہائی کامیابی سے نبھائی ہے، سے متعلق پاکستان کے بدلتے ہوئے معاشرتی منظرنامے کے حوالے سے کئی سوالات سامنے آئے ہیں۔ جو معاشرے کے متنوع طبقوں کی طرف سے پوچھے گئے ہیں۔ اس معاملے کا ایک تلخ اور تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ ملک میں درآنے والی فرقہ وارانہ منافرت اور تقسیم کے بعد ان دینی مدارس کی تعداد میں بے تحاشہ اضافہ ہوا ہے۔

اس طرح کی صورت حال سامنے آنے کے بعد مدارس سے متعلق بحث نے اتنی شدت اختیار کرلی ہے کہ قومی تعلیمی پالیسی کے کسی اور پہلو پر بحث میں شدت کا احساس باقی نہیں رہا۔ لہٰذا ان اداروں کے بارے میں کم سوچا گیا ہے جہاں اس کی آبادی کا سب سے بڑا حصہ تعلیم حاصل کرتا ہے اور جن کا قومی اور بین الاقوامی قومی پالیسیوں پر واضح اثر مرتب ہوتا ہے۔

خوش قسمتی سے ہمارے ہاں میڈیا نے ایک مؤثر رول ادا کرتے ہوئے بعض حقائق پر روشنی ڈالی ہے، جس کے باعث مدارس کے مستقبل سے متعلق بحث و تمحیص میں ایک نئی شدت پیدا ہوئی ہے، اس کے نتیجے میں حکومت کو بھی دینی مدارس کے نظم ونسق اور نصاب میں بہتری لانے کے علاوہ انہیں روایتی/عصری مدارس کے قریب لانے کے لیے مستعد ہونا پڑا ہے۔ مگر بدقسمتی سے اس ضمن میں ہونے والی حکومتی کوششوں کو مدارس کے انتظامی حلقوں میں پذیرائی حاصل نہیں ہوسکی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ مدارس کے بارے میں حکومت کی نیت سے متعلق شکوک وشبہات ہیں۔ آج کی نشست کا مقصد دینی مدارس کے نصاب میں بہتری لانے کی پالیسی کا تسلسل ہونا چاہیے۔

اس سے انکار ممکن نہیں کہ یہ موضوع قومی پبلک پالیسی کا اہم ترین موضوع بن چکا ہے۔ اس بڑے مسئلے کے ذیلی مسائل میں مدارس کی رجسٹریشن سے متعلق قوانین اور مدارس کو سیکولر نظام تعلیم سے قریب تر لانے کی حکومتی منصوبہ بندی شامل ہیں۔ مگر اسے سیکولر نظام تعلیم کی بجائے عصری نظام تعلیم کہنا مناسب ہوگا، جس میں سے ہم سب گزر رہے ہیں اور جس میں دینی تعلیم کا عنصر کافی حد تک موجود ہے اور جسے نصاب میں مناسب اضافوں کے ذریعے بھرپور بنایا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

﴿۲﴾

سجاد میر

ریذیڈنٹ ایڈیٹر، روزنامہ ''نوائے وقت''-کراچی

دینی مدارس کے بارے میں قومی سطح پر جاری بحث کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ یہ ۱۱ ستمبر کی دین اور ایک بین الاقوامی ایجنڈا ہے جس پر عمل کروانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ بلاشبہ اس رائے کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تاہم دوسری طرف کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ سچ مچ اس بات کی ضرورت ہے کہ دینی مدارس کو نئے حالات کے مطابق ڈھالا جائے اور انہیں قومی دھارے میں لایا جائے۔ یہ کوئی نئی اور غیر فطری بات نہیں ہے۔ اس کا ہمیشہ سے مختلف سطحوں پر اظہار بھی ہوتا رہا ہے اور خود برصغیر کے اندر کئی جید علماء نے اپنے اپنے انداز میں کوششیں بھی کی ہیں۔

آج یہ کوشش اس لیے بھی ضروری ہے کہ ملک میں تعلیمی نظام کئی حصوں میں بٹا ہوا نظر آتا ہے۔ انگریزی سکولوں کے بھی کئی انداز اور معیار ہیں۔ اردو میڈیم سکولوں کی بھی کئی صورتیں ہیں۔ پرائیویٹ سکول گیراجوں میں کھلے ہوئے ہیں۔ گورنمنٹ سکول جو کبھی ٹاٹ پر بٹھا کر بھی عمدہ تعلیم دیا کرتے تھے آج ان پر پیلے سکولوں کی پھبتی کسی جاتی ہے۔ اسی طرح جہاں مدارس نے برصغیر میں بڑے بڑے علماء کو پیدا کیا، اس کی عربی، فارسی اور روایتی علوم میں کہیں نظیر نہیں ملتی۔ یوں تو اس

Marfat.com

حوالے سے جامعہ ازہر جیسے بڑے نام لیے جاسکتے ہیں۔لیکن روایتی تعلیم کو سنبھال کر رکھنے اور اپنے انداز میں درایت اور سند کے ساتھ تعلیم کی روایت کو آگے پہچانے میں برصغیر کے مدارس اپنی مثال آپ ہیں۔

سرکاری سطح پر اس حوالے سے اقدامات کے بارے میں شکوک وشبہات بھی ہیں۔شکوک وشبہات اس لیے ہیں کہ گیارہ ستمبر کے بعد اس کو ایک عالمی ایجنڈے کے طور پر محسوس کیا جارہا ہے۔اور شاید نیتوں پر بھی شک ہے۔اس پس منظر میں ضرورت اس امر کی ہے کہ مل بیٹھ کر اس پر گفتگو ہو۔کھل کر مختلف آراء سامنے آئیں اور آخر میں یہ قوم کم از کم اس معاملے میں ایسی پالیسی اختیار کرے کہ اپنے اس ورثے (جس کو میں یہاں دینی مدارس کہتا ہوں) اور جدید تقاضوں کو (جو شاید نئی تعلیم نے یا حالات نے پیدا کیے ہیں)، سامنے رکھتے ہوئے ایک واضح لائحہ عمل، اور پالیسی اختیار کی جاسکے کہ اپنے اس ورثے کو بچانے اور نئے حالات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

دوران بحث کسی حد تک غلط فہمیوں کی تلافی ہوئی ہے، لیکن پورے طریقے سے نہیں۔اب بھی یہی نقطۂ نظر صحیح محسوس ہوتا ہے کہ بیوروکریسی کے ذریعے مدارس کے حکومت کے کنٹرول میں آنے سے ان کی اصل روح ختم ہو جائے گی۔حکومتی انتظامی اداروں کا عمل دخل امداد فراہم کرنے اور بہتری کے لیے رائے دینے تک محدود ہو تو اس میں کوئی نقصان نہیں۔اس کی مثال جاپان میں MITI (Ministery of Information, Trade and Industry) کی ہے جو نظام کو کنٹرول نہیں کرتی بلکہ اس کی مدد کرتی ہے۔جاپان کی تجارت میں جتنی ترقی ہوئی ہے وہ MITI کی وجہ سے ہے لہٰذا یہ کوشش کرنا کہ تعلیم پر بیوروکریٹک کنٹرول قائم کیا جائے، غلط ہوگا۔

دوسری بات یہ کہ ہر معاملے پر بہت زیادہ معذرت خواہانہ اور مدافعانہ رویہ اپنا لینا درست طرزِ عمل نہیں ہے۔اس صورت حال کی زیادہ ذمہ داری حکومت پر ہے۔جس کے کار پردازان اسلام کو روشن خیالی کے عنوان سے نیا جامہ پہنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ وہ کیا

Marfat.com

کرنے جارہے ہیں۔انہیں زمین پر جھک کر عبادت کرنے پر تو اعتراض ہے مگر وہ کونڈ ولیزا رائیس کے اس بیان پر کان نہیں دھرتے جس میں وہ اپنے مظالم کے جواب میں ردعمل کے اظہار کو بھی گستاخی اور امن عالم کے لیے خطرہ سمجھتی ہیں۔حالانکہ انہیں سمجھنا چاہیے کہ اسلامی (اور تیسری) دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اور جسے وہ خود ساختہ تعریف کے مطابق دہشت گردی قرار دے رہے ہیں دراصل ان کے مظالم ہی کا ردعمل ہے یعنی ان کا اپنا کیا دھرا ہے۔انہوں نے ہی سوویت یونین کے خلاف افغانستان میں استعمال کرنے کے لیے مسلمانوں میں شدت پسندی کو فروغ دیا۔یہ امریکہ ہی تھا جس نے ایران کے خلاف صدام کو مضبوط کیا اور اب صورت حال کو قابو میں رکھنے کی ذمہ داری مسلمانوں پر ڈالنا چاہتا ہے۔

ایک اور سوال بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور وہ جدید انگریزی تعلیم کے نام پر پاکستان سے لاکھوں ڈالر اور پاؤنڈ سٹرلنگ بٹورنے سے متعلق ہے۔حالانکہ بہت سے نام نہاد انگریزی میڈیم مدارس میں انگریزی بولنے کے سوا کوئی علمی سرگرمی نظر نہیں آتی۔اور جو پاکستان کی نئی نسل کو قائداعظم سے ان الفاظ میں متعارف کرانا کافی سمجھتے ہیں،''وہ ایک ہندوستانی سیاست دان تھے جنہوں نے پاکستان بنایا'' (خود دیکھیے یہ جملہ کس قدر گمراہ کن ہے!)

جب منتخب روزگار تعلیمی اداروں میں یہ حال ہے تو دینی مدارس پر انگشت نمائی کا کیا جواز بنتا ہے؟ حیرت ہے کہ تعلیم کے محکمے کے ارباب اختیار کو دینی مدارس کی خامیاں تو دور سے نظر آجاتی ہیں مگر ان سجے سجائے انگریزی میڈیم اداروں پر نظر کیوں نہیں جاتی جہاں پاکستان اور اسلام کے خلاف مواد بڑی ڈھٹائی سے پڑھایا جاتا ہے اور جو ملک میں دین اور پاکستان مخالف ماحول پیدا کرنے میں ملوث ہیں۔

یہ جو دونوں نظاموں کو ایک دھارے میں سمونے کی بات کی جاتی ہے تو یہ بھی کوئی نئی بات نہیں۔البتہ اسے سمجھنے کے لیے اپنے گھر کے احاطے سے نکل کر دنیا کے Canvas کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ڈاکٹر ذاکر حسین، جو بعد میں ہندوستان کے صدر منتخب ہوئے، کا کہنا تھا''میں

Marfat.com

نے بیروت میں اپنی سفارت کے دوران المقاصد الاسلامیہ سکول کا جائزہ لیا۔ پھر جب میں انڈونیشیا میں سفیر مقرر ہوا تو وہاں کے محمدیہ سکولوں کو دیکھا اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ دونوں جگہوں پر اسلامی اور عصری نظامہائے تعلیم کا اتنا خوبصورت امتزاج تھا کہ آنکھیں کھلی رہ جاتی تھیں''۔ اس لیے اگر پاکستان کی بقا مطلوب ہے تو یقین رکھیے اس کے لیے خطرہ دینی مدارس نہیں بلکہ وہ انگریزی سکول ہیں جہاں کے فارغ التحصیل نہ اچھے مسلمان رہتے ہیں اور نہ مکمل اور سچے پاکستانی۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۳﴾

فہمیدہ اشرف

انسٹی ٹیوٹ آف اسٹریٹیجک اسٹڈیز، اسلام آباد

آج مجھے اندازہ ہوا ہے کہ ہمارے دینی مدارس میں عصری مدارس کے مقابلے میں زیادہ نظم و ضبط پایا جاتا ہے، لیکن یہ امر واضح اس لیے نہیں ہوتا کہ دینی مدارس کا ماحول محدود اور گھٹن کا شکار ہے۔ اس صورتحال کا تدارک ہونا چاہیے۔ عصری تعلیمی ادارے اور دینی مدارس معاشرے سے متعلق اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔ البتہ اگر معاشرے کے ساتھ ان کی مطابقت ہو جائے تو سوسائٹی میں مجموعی طور پر آگہی بڑھے گی اور بین الاقوامی سطح پر بھی ہم اچھا اور خوشگوار تاثر دے سکتے ہیں۔ یعنی دینی مدارس کے بارے میں ایک تصور یہ ہے کہ یہ ادارے غیر لچکدار قسم کی دینی تعلیم دیتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے بلکہ ایک زندہ اور منظم طرز تعلیم یہاں رائج ہے۔ تاہم آج کی دنیا میں آئی ٹی کا دور دورہ ہے اس لحاظ سے ہم اپنے طلبہ کو اس سے دور رکھ کر ان کی کوئی مدد نہیں کر رہے۔ معاشرے میں باوقار انداز میں کردار ادا کرنے کے لیے انہیں ایسا ماحول دینا ضروری ہے جس سے وہ معاشرے کے جس شعبے میں چاہیں، جا سکیں۔

Marfat.com

﴿۴﴾

ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی
سابق ڈین شعبہ سوشل سائنسز وعلوم اسلامیہ،
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی- اسلام آباد

اگر پاکستان دوقومی نظریے پر بنا تھا تو یہ ماننا پڑے گا کہ پاکستان کے حقیقی خالق علماء اور دینی مدارس تھے جنہوں نے برصغیر کو سپین بننے سے بچالیا اور یہاں اسلام اور مسلمانوں کی اکثریت کو باقی رکھا، اور اسی کی بنیاد پر آگے چل کر برصغیر تقسیم ہوا۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد ہمیں ہر سطح پر، یعنی عدلیہ، مقننہ اور انتظامیہ وغیرہ میں قیادت علماء نے نہیں بلکہ رسمی نظام تعلیم نے دی۔ اس کا نتیجہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ملک کے اندر اور باہر کسی جگہ بھی ہماری کسی سطح کی قیادت کے لیے کوئی ایسا تبصرہ نہیں کیا جاتا جو قابل فخر یا قابل اطمینان ہو۔

ان حالات میں دینی مدارس سے لوگوں کو دو طرح کی شکایات ہیں۔ ایک شکایت تو امریکہ اور اس کے ذیلی اداروں اور اس کی کاسہ لیس حکومتوں کو ہے۔ وہ شکایت تو صرف ایک ہی صورت میں دور ہو سکتی ہے جیسے قرآن نے کہا ہے کہ وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ ط (۲: ۱۲۰) (یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔)

دوسری شکایت بجا طور پر ہماری اس قوم کو بھی ہے۔ اور میں اپنے تمام علماء دوستوں سے

Marfat.com

درخواست کروں گا کہ وہ اس پر جذباتی ہونے کے بجائے ٹھنڈے دل سے سوچیں۔ وہ شکایت یہ ہے کہ اس وقت قوم رسمی تعلیم کی تمام جہتوں، سطحوں اور اس کی تمام حاصلات سے مایوس ہو چکی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج ہمارا بحران کوئی یک سمتی نہیں بلکہ ہمہ گیر ہے اور اس وقت ہماری امید کی آخری آماجگاہ یہ ہے کہ دینی مدارس اپنے اس اہم ترین تخصص کو جاری رکھتے ہوئے، دوسرے میدانوں کے لیے ایسے نئے پروگرامات سامنے لائیں اور لوگوں کو اس طرح کے مختصر دورانیہ کے کورس کرائیں جن کی مدد سے ایمان کا جذبہ اور دینی تعلیم کی اساس ان کے اندر پیدا ہو۔ اس میدان میں قوم کو راہنمائی کی ضرورت ہے۔ یہ بات درست ہے کہ دینی مدارس کے پاس لامحدود وسائل نہیں ہیں لیکن قوم کے پاس وسائل کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اگر واقعتاً اس طرح کے پروگرام قوم کو دیے جائیں تو وسائل بھی مل سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں میں یہ دہرانا بھی ضروری ہے کہ حکومت پاکستان نے اسلامی یونیورسٹی قائم کر کے بہت خوبصورت اقدام کیا تھا۔ اس کے بہت مثبت اثرات مرتب ہوئے۔ لیکن اب اسلامی یونیورسٹی کے دائرہ کار کو پھیلانا چاہیے۔ اسلامی یونیورسٹی کو اختیار دیا جائے کہ وہ اداروں کو ملحق کرے اور ملک میں دوسری جامعات (جیسے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی) کو بھی اختیار دیا جائے کہ وہ میٹرک، ایف اے/ ایف ایس سی اور بی اے/ بی ایس سی وغیرہ کے خصوصی کورس فراہم کریں۔ اس طرح دینی مدارس کے لیے ایک راستہ کھولا جائے کیونکہ یہ یونیورسٹی دینی تعلیم کے فروغ کے لیے اکلوتا اعلیٰ ترین ادارہ ہے جس کا کوئی فیڈنگ انسٹی ٹیوشن (Feeding Institutions) نہیں ہے اس کی وجہ کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ دینی مدارس کو اس کے لیے فیڈنگ انسٹی ٹیوشن بنایا جائے۔ یونیورسٹی کے چارٹر میں وسعت پیدا کر کے یہ کمی پوری کی جاسکتی ہے۔ اس سے فرقہ واریت کے ازالے میں مدد ملے گی اور تعلیم ایک معیار پر آجائے گی جبکہ ہمیں کوئی نیا بورڈ بنانے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔

جہاں تک میٹرک تک یکساں تعلیم کی بات ہے، وفاق المدارس کی متعلقہ اکیڈمک کونسل یہ

Marfat.com

قرارداد پاس کرچکی ہے کہ ہر مدرسہ میٹرک تک تعلیم دے گا لیکن ان کے ہاں کچھ انتظامی مشکلات (اساتذہ یا فنڈز کی عدم دستیابی وغیرہ) تھیں جس کی وجہ سے انہوں نے اس کو مؤخر کیا ہے۔ ورنہ اصولی طور پر وہ متفق ہیں۔ دوسری جانب حقیقت یہ ہے کہ ملک میں یکساں تعلیم کا مسئلہ دینی اداروں ہی کا نہیں بلکہ عصری اداروں کا بھی ہے جس میں کئی جہتیں اور سطحیں موجود ہیں۔ لہٰذا دونوں طرح کے اداروں کے لیے اس مسئلے پر غور وخوض کی ضرورت ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۵﴾

شفیق احمد
رکن صوبائی اسمبلی، بلوچستان

تعلیمی نظام چاہے دینی مدارس کا ہو یا عصری اور انگریزی سکولوں کا، درست سمت میں جاری نہیں۔ مثلاً ناظرہ قرآن اور کچھ بنیادی تعلیم کے بعد (جس کا دورانیہ چند سال ہے) ہم سمجھتے ہیں کہ ایک فرد عالم بن گیا ہے۔ مگر یہ تعلیم اسے روزگار دلانے کے لیے کافی نہیں ہوتی نہ اسے تفقہ فی الدین کے درجے پر پہنچاتی ہے۔ دوسری جانب جب سے افغانستان میں انقلاب آیا ہے، ہماری مخالفت پوری غیر مسلم دنیا میں بڑھ گئی ہے۔ ہم نے روس اور امریکہ کی جنگ کو جہاد بنا کر ان کے سامنے پیش کیا۔ آج وانا میں جو صورت حال ہے وہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ خدشہ ہے کہ کل بلوچستان میں بھی یہ صورت حال پیش آئے گی۔

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے جسے ''لا الہ الا اللہ محمد رّسول اللہ'' کی بنیاد پر حاصل کیا گیا تھا، جبکہ ہم نے اس میں الجھاؤ پیدا کر دیا ہے۔ ہمیں یہی نہیں معلوم کہ ہم کون سا اسلام چاہتے ہیں؟ کسی بھی عام آدمی کے لیے یہ کافی پریشانی کی بات ہے کہ اس اندازِ فکر کو جدید دنیا سے کیسے ہم آہنگ کیا جائے۔ ہم دین کو ساتھ لے کر چلنا چاہتے ہیں لیکن وہ دین جو عام آدمی کی سمجھ میں آ جائے۔ یہ ہمارا اسلام ہے۔ میں بھی آسانی سے جا کر ایک عام فرد کو سمجھا سکوں کہ ہمارا اسلام پانچ وقت نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور زکوٰۃ دینے کے علاوہ لوگوں کی خدمت کرنا بھی ہے۔

Marfat.com

ارباب حکومت اگر مدارس کے طلبہ کو بھی ڈاکٹر، بیرسٹر، انجینئر اور جنرل بنتے دیکھنا چاہتے ہیں تو بات کسی حد تک سمجھ میں آتی ہے۔ صرف اس حد تک وہ مداخلت کریں مگر دینی تعلیم کو روک دینے کا ان کا منشا کبھی پورا نہیں ہوگا۔ معصوم بچے سات سال سے لے کر پندرہ سال کی عمر تک کسمپرسی کی حالت میں دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں لیکن انہیں حکومت پاکستان کوئی سہولت نہیں دیتی۔ بہر صورت ان مدارس کو دہشت گرد قرار دینا ظلم ہے۔

آج اگر حکومت کمپیوٹر کی تعلیم دینا چاہتی ہے تو اس میں کیا قباحت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم حکومت سے زبردستی یہ کہیں کہ ہمارے مدارس میں آئیں اور ہمیں فلاں فلاں چیزیں مہیا کریں۔ ہمیں اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔ دوسری بات یہ کہ جہاد تو ہمارے مذہب کا ایک حصہ ہے۔ اس اعتبار سے تو جہاد تعلیمی نظام کا حصہ بھی ہوگا۔ ہم جہاد کے خلاف نہیں ہیں لیکن یہ واضح رہنا چاہیے کہ جہاد مسلمانوں کے خلاف نہیں ہوگا کیونکہ اگر دین سیاست سے جدا ہوگا تو چنگیزی رہ جائے گی۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۶﴾

مسرور عالم
کوئٹہ، بلوچستان

مدارس اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے ہی وجود میں آ چکے تھے، لیکن میں ابلاغیات کے طالب علم کی حیثیت سے یہ سوال اٹھانا چاہوں گا کہ مدارس سے متعلق بحث کا خیال آج ہی کیوں آیا۔ کیا مدارس میں تبدیلی لا کر اپنے 'آقاؤں' کی خوشنودی مطلوب ہے؟ یا مدارس کے ذریعے اسلامی اقدار کا احیاء چاہتے ہیں؟ مدارس کے طالبان کی بے چینی ختم کرنا مقصود ہے یا مدارس کی کوئی جدید راہیں متعین کرنا چاہتے ہیں؟ کیا بنیاد پرستی کا خاتمہ ہدف ہے یا علماء کو سیاست سے الگ کرنا چاہتے ہیں؟ مدارس میں سیکولر سسٹم کو رواج دینا چاہتے ہیں؟ یا مدرسے کے طلبہ کو قومی دھارے میں شامل کرنا اور وہاں سے مذہبی انتہاپسندی کو ختم کرنا ہے، یا مدرسوں کو ختم کر کے ''قومی مفاد'' حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کی وجہ سے علماء اور پوری قوم کنفیوژن کا شکار ہو گئی ہے۔

اس سلسلے میں میری تجاویز درج ذیل ہیں:

- دینی مدارس میں دینی تعلیم کے ساتھ جدید تعلیم کو فروغ دینا ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ عصری نظام کو بھی مثبت سمت میں تبدیل کرنا ہوگا۔ اور ان عصری علوم کی درس گاہوں میں بھی دینی تعلیم کو شامل کرنا ہوگا۔

Marfat.com

- مدارس کے تعلیمی معیار کو دیگر درس گاہوں کے برابر لانا ہوگا۔
- مدارس میں مذہبی منافرت، فرقہ پرستی اور سیاست کا خاتمہ کرنا ہوگا۔ نیز صبر و تحمل کا درس اور عقائد کو نہ چھیڑنے کی ہدایت کرنا لازم ہوگا۔
- مدارس میں یہ تمام معاشرتی اور معاشی تبدیلیاں ہمیں اپنے قومی مفادات کے مطابق کرنا ہوں گی اور غیر ملکی مشوروں کو رد کرنا ہوگا۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۷﴾

ڈاکٹر اشرف شاہین قیصرانی

پروفیسر سیرت چیئر، بلوچستان یونیورسٹی

تبدیلیاں ضرور آئیں گی، کیونکہ اپنے طور پر تبدیلیاں لانے کی خواہش مدارس میں بھی موجود ہے۔ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ جب تبدیلیوں کے لیے حکومت کی طرف سے پیشکشیں ہوتی ہیں تاکہ نصاب تعلیم میں اصلاح ہو سکے تو اس وقت مخالفت کیوں کی جاتی ہے؟ غالباً اس انکار کی وجہ یہ خوف ہے کہ اس طرح مدارس حکومتی تحویل میں چلے جائیں گے۔ یہ خدشات درست نہیں البتہ جب حکومت امداد دے گی تو اس میں تھوڑی بہت مداخلت تو ضرور ہو گی۔

مدارس سے میری کچھ گزارشات ہیں۔ اس وقت پانچ وفاق ہائے مدارس کے نمائندے یہاں موجود ہیں۔ سوال یہ ہے کہ تمام وفاق ایک وفاق کے اوپر متفق کیوں نہیں ہو سکتے؟ یہ بات میرے علم میں ہے کہ ان وفاقوں اور تنظیموں نے باہم مقابلہ کرتے ہوئے ایسے لوگوں کو بھی ڈگریاں جاری کی ہیں جنھوں نے ایک دن بھی ان کے ہاں نہیں پڑھا۔ یونیورسٹیوں میں ہم نے پیشہ وارانہ سیاست کو resist کیا ہے کہ طالب علموں کے اندر سیاست نہ آنے پائے کیونکہ اس کی وجہ سے نظام تعلیم تباہ ہوتا اور معیار تعلیم گرتا ہے۔ علمائے کرام سیاست ضرور کریں لیکن مدارس کو سیاست کا گڑھ بنا کر مدارس کی حیثیت کو متاثر نہ کریں۔

دنیا کی طرف سے ہمارے نظام مدارس پر اعتراض اس وقت شروع ہوا جب ان کے ذریعہ

Marfat.com

سیاست کے لیے لوگوں کو میدان میں لایا گیا۔ یوں جب سیاست کے نام پر علم کو پیچھے چھوڑ دیا گیا تو وہ لوگ سامنے آئے جن کے ہاں اس قدر علم بھی نہیں ہے کہ اگر دہشت گردی کا الزام ان پر لگتا ہے تو وہ صحیح طریقے سے جواب بھی دے سکیں۔ اس کے بدلے میں وہ ایسے ردعمل کا اظہار کرتے ہیں جس سے بات مزید بگڑتی ہے، درست نہیں ہوتی اور لوگوں کے شکوک وشبہات میں اضافہ ہوتا ہے۔

انجینئر اور ڈاکٹر بنانے کا کام مدارس کا نہیں لیکن اچھے علماء تو پیدا کریں۔ انجینئر ڈاکٹر بنانا جن کا کام ہے وہ یہ کام کر رہے ہیں اور اگر وہ نہیں کرتے تو ہم ان کو مطعون کریں گے۔ آپ ہمیں ایسے علماء دیں جو دنیا میں ہمارے لیے عزت اور شرف کا باعث ہوں، کھلے ذہن اور دل ودماغ کے حامل ہوں اور دین کی تعبیر اور تشریح پر اپنی اجارہ داری قائم نہ کریں۔ اسلامی معاشرہ ایک کھلا معاشرہ ہوتا ہے۔ اس کے اندر ہر زمانے میں گفتگو ہوتی تھی۔ سب لوگ بیٹھتے تھے اور دین کی تشریح وتعبیر کے اعتبار سے اجتہاد کے دروازے کھلتے تھے۔ اقبال کو کیوں کہنا پڑا کہ

تین سو سال سے ہیں ہند کے مے خانے بند
اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی

انہوں نے یہ بھی کہا:

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

یا یہ کہ:

شکایت ہے مجھے یا رب خداوند ان مکتب سے
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۸﴾

ڈاکٹر مولانا عطاء الرحمٰن
کوئٹہ-بلوچستان

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشیم ناقۂ بے زمام را

آج اس ہال میں موجود لوگ دراصل نہ مدرسے کی نمائندگی کرتے ہیں اور نہ مکتب اور سکول کی۔ نہ یہ ملاّ کی نمائندگی ہے اور نہ مسٹر کی بلکہ یہ سب لوگ ایک امت کے لیے دردِ دل رکھنے والوں کے نمائندہ ہیں۔ آئی پی ایس بھی آزاد ادارہ ہے اور نیپا بھی کم از کم تربیت کے لحاظ سے آزاد ہے جہاں آزاد فکر کے ساتھ لوگ بیٹھ کر اپنے معاملات کا جائزہ لیتے ہیں۔ علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے:

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

ملاّ اور مسٹر، دونوں اس امت کے سلوک کو مضبوط کرنے کے دائرے تھے۔ ایک ہوائی جہاز اڑانے والا اگر دین سے پوری طرح واقف نہیں ہوتا اور ایک دین دار آدمی جب اس کا حامل نہیں ہو کہ وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ (۸:۶۰) (اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے

Marfat.com

مقابلے کے لیے مہیا رکھو)۔ تو دونوں یکساں قصوروار ہیں کیونکہ یہ بھی امر کا صیغہ ہے ان دونوں کو ہم نے سلوک کے دائرے تو قرار دے دیا لیکن مقامِ اتصال اور دونوں کی یکجہتی کے نقطے کی نشان دہی نہیں ہوتی۔ یعنی اگر دینی اور عصری اداروں کے مابین کوئی نقطہ اتصال نہیں ہوگا تو یہ دونوں دھارے متوازی چلتے جائیں گے اور ایک دوسرے سے استفادہ کرنے کی سہولت سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے بلکہ ایک دوسرے کے خلاف جذبۂ رقابت پالتے رہیں گے اور یوں دونوں ہی نقصان سے دوچار ہوں گے۔

تقسیم ہند کے وقت اس علاقے کی آبادی پاکستان نہیں آئی جہاں شرح خواندگی ۹۷ فیصد تھی بلکہ اس علاقے کے لوگ آئے جہاں یہ شرح صرف ۲۷ فیصد تھی۔ اس کے بعد معیار تو دور کی بات ہے آج تک وہ اقدامات نہیں ہوئے کہ تعلیمی سطح بتدریج اتنی بلند ہو سکتی کہ ہر فرد خواندہ قرار پاتا۔ جو تعلیمی نظام ہمارے آس پاس چل رہا ہے، خواہ وہ مدارس کا نظام ہو یا سکولوں اور کالجوں کا، بحیثیت ایک امت کے ایک بار بیٹھ کر سوچنا چاہیے اور ایک ایسا یکجہتی کا نظام اپنانا چاہیے جس سے بہترین انسان اور پیشہ ور ماہرین نکلیں جو معاشرے کے ہر ہر مقام پر اپنے وظیفے کو ادا کر سکیں۔ اس ضمن میں حکومت کے کچھ فکری مباحث، انتظامی امور، نصاب اور تعلیم و تعلم کے براہ راست لوازمات بھی توجہ طلب ہیں۔

ہمیں تاریخ کو سمجھتے ہوئے جاری تقابلی تسلسلے کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ نیز ہمیں قیادت ایک بنانی چاہیے۔ البتہ اس ضمن میں تین نکات اہم ہیں: اتحاد کے لیے قیادت کے علاوہ مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک جس نظام تعلیم، معاشرے اور ترتیب و تربیت کی ضرورت ہے اس کا بندوبست ہو۔ اس کا اہم ترین طریقہ یہ ہے کہ پہلے اکٹھے بیٹھنے کی تاب اور بردباری پیدا کی جائے۔ لوگوں کے ردعمل کی پروا نہیں اپنی غلطیوں کا ادراک کرنا ہے۔ اس لیے نہیں کہ یورپ یا کسی اور نے انہیں اچھالا ہے۔ انہوں نے تو غلطیوں کو اچھالنا ہی ہے لیکن ان کے مقاصد اور ہیں۔ ہمارا مقصد اصلاح اور ترقی ہونی چاہیے اور یہی بات ہے کہ

Marfat.com

ہے زندہ فقط وحدتِ افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد
(اقبالؔ)

گویا اتحاد، اعتماد اور اجتہاد یہ وہ تین راستے ہیں جن کو اختیار کر کے آج کے سیمینار سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

اگر انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز پانچوں وفاق کو کسی بھی لحاظ سے ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر کے آئندہ کے لیے متفقہ لائحہ عمل تیار کر سکے تو یہ ایک شاندار اور ناقابل فراموش کارنامہ ہوگا۔

علامہ اقبال کا ایک قطعہ پیش کر کے اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں:

شبے پیشِ خدا بگریستم زار
مسلماں چرا خوارند و زارند
ندا آمد کہ تو می دانی کہ ایں قوم
دِلے دارند و محبوبے نہ دارند

میں رات کو خدا کے حضور بہت رویا کہ یہ مسلمان آج ذلیل و خوار کیوں پھر رہے ہیں تو وہاں سے جواب آیا کہ دراصل تجھ کو معلوم نہیں ہے کہ اس قوم کے پاس دل تو ہے لیکن ایک مقصد نہیں ہے۔

جب تک ہم قیادت کے اتحاد کے نقطے پر مرتکز نہیں ہوں گے، ان مسائل کو حل نہیں کر سکتے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۹﴾

پروفیسر شمیم اختر

سابق استاد شعبۂ بین الاقوامی تعلقات، کراچی یونیورسٹی

پہلی بات تو یہ کہ علم کے سلسلے میں دینی اور لادینی کی تخصیص و تقسیم خود اسلامی نظریے کے خلاف ہے۔ کیونکہ اسلام زندگی کو سیکولر اور مذہبی خانوں میں تقسیم نہیں کرتا۔ علم تو علم ہے جو نا قابل تقسیم ہوا کرتا ہے۔ اسی لیے میں سیکولر اور دینی تعلیم میں تقسیم اور تفریق کا قائل نہیں ہوں۔ البتہ ان میں ہم آہنگی بہت ضروری ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ دینی علوم کے مدارس بڑی اچھی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ درحقیقت کسی معاشرے میں توازن کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ روایت پسند اور ترقی پسند دونوں عناصر اپنا اپنا کردار ادا کریں۔ اس سے معاشرے میں استحکام اور ترقی میں ایک پیش رفت اور ہمواری آتی ہے اور کوئی بھی طبقہ حدود سے تجاوز کرنے نہیں پاتا، بلکہ جہاں تک نصاب کا تعلق ہے، علمائے کرام اور عصری یعنی سرکاری اداروں کے ارباب اختیار کو یہ اصول مدنظر رکھنا چاہیے کہ روایت پسندی اور جدیدیت کا حسین امتزاج ہی ترقی کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔

جہاں تک نصاب کی تبدیلی کے لیے امریکی حکومت کا دباؤ ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ دباؤ ڈالنے والی امریکی قیادت تو مرگی کے مریض کی سی ہے جس پر تازہ دورہ پڑا ہو۔ لہٰذا اس کے

Marfat.com

حکم، خواہش اور مرضی کے مطابق اگر حکمران نصاب کی تبدیلی پر پل پڑے ہیں تو یہ ان حکمرانوں کی کوتاہ اندیشی ہے۔اس کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا ہے:

واعظ ثبوت لائے جو مے کے جواز میں

اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے

تعلیم یعنی علم پر قدغن لگانا، اسے کنٹرول کرنا، اس کی جہت کو غیر فطری انداز میں متعین کرنا، جمہوری نہیں، فسطائی نقطۂ نظر ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۱۰﴾

محفوظ علی خان

ڈائریکٹر نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن (نیپا)-کوئٹہ

یہ بات میرے لیے باعثِ صد افتخار ہے کہ نیپا جس کاوش میں لگا ہوا تھا اس میں اس بار انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کا تعاون بھی حاصل ہوا اور ہم اس قابل ہوئے کہ ایک ایسے موضوع پر بات کریں جس کے بارے میں ہم صرف سنتے تھے۔علمائے کرام سے ذاتی طور پر کبھی نہیں سنا تھا کہ ان کا مطمع نظر کیا ہے؟ وہ کیا کہتے ہیں؟ چیزوں کو کس طرح دیکھتے ہیں۔ہم نے نہ تو اپنی آنکھ استعمال کی اور نہ اپنے کان اور ذہن کہ یہ جان سکیں کہ ان مدارس میں، جو ہماری بنیاد ہیں، کیا وسائل و مسائل موجود ہیں۔اور آخر یہ اچانک مطعون کیوں ہونے لگے ہیں۔اور کیا ہم تیسری آنکھ سے دیکھتے ہوئے ہر چیز کو تسلیم کرلیں گے جو ہمیں بتائی جائے۔ہم نے جو علم حاصل کیا اور جس کی ڈگریاں لیے پھرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان مدارس میں بھی ان کو رواج دیا جائے۔کیا وہ ڈگریاں ہمیں عقل و شعور نہیں دیتیں کہ اپنے طور پر بھی ان چیزوں کو دیکھیں، پرکھیں اور جانچیں اور اس کی بنیاد پر اپنا ایک نظریہ قائم کریں کہ واقعی یہ مدارس وہی کچھ کر رہے ہیں جو ہمیں دوسروں کی طرف سے بتایا جا رہا ہے یا یہ معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے، بے گھر، مستحق اور یتیم بچوں کو زیور علم سے آراستہ کرنے کا عظیم کارنامہ سرانجام دے رہے ہیں جو کسی جہاد سے کم نہیں۔

نیپا کا یہ معمول ہے کہ ہم مختلف الخیال لوگوں کو بلایا اور متعلقہ موضوعات پر تبادلۂ خیال کیا

Marfat.com

جائے۔کل ہی ہم نے یہاں سیاست دانوں کو مدعو کیا کہ مختلف جگہوں سے آئے ہوئے ہمارے شرکاء کے سامنے اپنا نقطۂ نظر پیش کریں کہ وہ بلوچستان کے مختلف مسائل کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ اپوزیشن اور حکومت دونوں سے سنی سنائی بات کے بجائے براہ راست سننے، بحث کرنے اور اپنا نقطۂ نظر ان سے شیئر کرنے کا موقع ملے کیونکہ اس طرح حقائق سے زیادہ آگاہی ہوتی ہے۔

علماء کرام اور معزز مہمانان گرامی جنہوں نے اپنے پرمغز مقالات پڑھے، شکریہ کے مستحق ہیں۔انہوں نے ہمیں نئی سمت کا ادراک عطا کیا اور بتایا کہ یہ بھی ایک انداز فکر ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

اصلاح احوال کی بحث (۲)

توقعات، امکانات، اقدامات

- مولانا ڈاکٹر عطاء الرحمٰن • مولانا انوار الحق • مولانا محمد اسماعیل
- مولانا رمضان توقیر • مفتی کفایت اللہ • قاری روح اللہ
- مولانا عبدالحق بلوچ • مولانا انوار الحق • پروفیسر عبدالخالق سہریانی
- ابوتراب علی محمد • حافظ محمد سلفی • مولانا وزیر القادری
- مولانا فیض الرحمٰن عثمانی • عبدالمجید خارانی • عبدالمتین اخوندزادہ
- مولانا انوار الحق حقانی

[نوٹ: اس حصے میں دینی تعلیم اور تدریس میں مشغول علماء کرام اور ماہرین کی آراء یکجا کی گئی ہیں۔ یہ آراء ان گفتگوؤں پر مبنی ہیں جو سیمیناروں میں عمومی بحث اور تبادلۂ خیال کے دوران ان ماہرین نے شرکاء کی حیثیت سے پیش کیں۔]

Marfat.com

Marfat.com

﴿۱﴾

مولانا ڈاکٹر عطاء الرحمٰن

دارالعلوم تفہیم القرآن، مردان

دینی مدارس نے ہماری شناخت میں ایک کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ جتنی اہمیت دینی تعلیم یا علوم شریعہ کی ہے اتنی ہی اہمیت دینی مدارس کی بھی ہے۔ اس وقت خطے کی صورت حال توجہ طلب ہے۔ جس صوبے (سرحد) میں ہم بیٹھے ہوئے ہیں اس کے قریب افغانستان اور وسطی ایشیا کے علاقے ہیں۔ ان علاقوں کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امریکہ نے خصوصی طور پر اس ریجن کو اپنا ہدف بنایا ہوا ہے۔ خصوصاً مدارس، علماء کرام، مذہبی راہنما اور مذہبی دانش وراس حوالے سے اس کے نشانے پر ہیں۔ چنانچہ ہماری اسلامی تہذیب، روایات، دین کے ساتھ لگاؤ اور وابستگی کو اپنے لیے خطرہ سمجھتے ہوئے ان ساری چیزوں کے منابع اور اصل مصادر یعنی مدارس دینیہ اور علماء کرام سب سے زیادہ خطرناک قرار دیے جاتے ہے۔ نصاب میں تبدیلی یا مدارس کے نظام کار میں اصلاحات کے نام پر اس پورے نظام کی روح کو نکالنا ان کا مقصد اولین ہے اور اس پر کوئی دورائے نہیں ہیں۔ تاہم یہ اطمینان کی بات ہے کہ مدارس کے ذمہ داران یہاں کے دانش وروں اور کسی نہ کسی انداز میں اس نظام کے ساتھ وابستہ لوگوں نے اس کا بروقت ادراک کرلیا ہے۔

جہاں تک عصری علوم کا تعلق ہے کمپیوٹر سائنس وقت کی ضرورت ہے، انگریزی زبان سے بھی کوئی مفر نہیں ہے۔ اسی طرح سوشل سائنسز بھی ضروری ہیں۔ یہ حوالے بھی ٹھیک ہیں کہ پچھلے

Marfat.com

دور میں ایسا ہوتا رہا ہے۔لیکن اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اس عنوان کے پردے میں درحقیقت ایک لادین معاشرے کے لیے راہ ہموار کی جارہی ہے۔اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ یہ طبقہ دینی مدارس کے وجود ہی کا مخالف ہے۔ایسے لوگ چاہتے ہیں کہ مدارس کا وجود ہی ختم ہوجائے لیکن چونکہ ان اداروں کے ساتھ مسلمانوں کی بڑی ایمانی اور جذباتی وابستگی ہے۔اس لیے براہ راست اس پر حملہ کرنے کی بجائے وہ ان اصلاحات کے نام پر یہ مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

دوسری طرف مدارس سے وابستہ افراد بھی کچھ عدم توازن کا شکار ہورہے ہیں۔ہمارے لیے آج کے ماحول میں مدارس کے مقاصد کا تعین کرنا سب سے پہلا اور اہم ترین مقصد ہونا چاہیے۔ہم صرف مسجد کے لیے امام،خطیب اور کچھ مدارس کے لیے مدرسین تیار نہ کریں بلکہ طلباء کی شخصیت کی ایسی تعمیر کریں کہ وہ مستقبل میں معاشرے کے مفید شہری بن سکیں۔مدارس کے انتظام اور نصاب کو وسعت دینے کے باوجود ان ہی مقاصد تک محدود رکھنا ہوگا۔لیکن اگر مقصد یہ ہے کہ علمائے کرام فی الواقع اللہ کے رسول کے ورثاء،حقیقت میں قائدین اور اس نظام کو چلانے والے ہیں تو پھر مدارس کو اپنے طلبہ میں اس کے لیے قائدانہ کردار اور صلاحیت پیدا کرنی ہوگی۔

اس رائے سے اختلاف کی گنجائش نہیں کہ مدارس کا اصل نصاب قرآن اور حدیث ہے۔مثلاً قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لیے عربی زبان اور اس سے متعلق دیگر مضامین پر مشتمل ہونا چاہیے۔اسی طرح سے فقہ اور اصول فقہ کے مضامین بھی اس میں شامل ہوں گے۔یہی وہ اثاثہ ہے جس کی وجہ سے ہماری شناخت قائم ہے اور یہی وہ تعلیم ہے جس کو عام کرنے سے دنیا کو ایک بہتر پیغام دیا جا سکتا ہے۔درحقیقت مولانا نظام الدین سہالوی کا وضع کردہ درس نظامی ۱۸۵۷ء سے پہلے ہماری ریاستی ضروریات بھی پوری کرتا تھا اور ماہرین شریعت کی ضرورت بھی اسی نظام سے پوری ہوتی تھی۔آفیسر یہاں سے بنتے تھے،تحصیلدار بھی یہیں سے نکلتے تھے اور سیاست کے ماہرین بھی۔کوئی ۲۰ کے قریب مضامین تھے جن میں معقولات کا حصہ زیادہ تھا۔مثبت انداز میں جائزہ لیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت یونان کا فلسفہ رائج اور عام تھا اور اس فلسفے کی آڑ میں ہماری شناخت

Marfat.com

پر حملہ ہو رہا تھا۔لیکن اس کو چیلنج بھی کیا جا رہا تھا۔اس وقت بھی ایک رائے یہ تھی کہ یونان کے فلسفے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ہمیں اپنے اصل مصادر کے ساتھ چپکے رہنا چاہیے،لیکن دوسری رائے یہی تھی کہ فلسفہ سیکھنا ضروری ہے اور فلسفے کی زبان میں ہی ہم نے فلسفے کا رد کرنا اور اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنا ہے۔الحمدللہ اس حقیقت کا احساس آج بھی مدارس کے منتظمین کو ہو چکا ہے اور جس طرح وفاق المدارس کے حوالے سے بات ہوئی انہوں نے ایک کورس تیار کر لیا ہے جس میں نئی کتابیں شامل ہیں۔ترمیم،اضافہ اور کمی جیسی ہر چیز پہلے بھی ہوتی رہی ہے اور آئندہ بھی ہوتی رہے گی۔

اس دور میں ہمیں نظام کے اندر چند چیلنجوں کا سامنا ہے مثلاً اگر چہ معاشی نظام کے حوالے سے اسلام کی راہنمائی موجود ہے۔تاہم علمائے کرام اس ضمن میں اسی صورت میں راہنمائی فراہم کر سکتے ہیں جب وہ جدید دور یعنی آج کی کسی نہ کسی بین الاقوامی زبان سے آگاہ ہوں۔حال ہی میں امریکہ کے دورے میں ہمارے ساتھ دو مدارس کے مہتممین تھے۔انہوں نے خود اس بات کو محسوس کیا اور خواہش ظاہر کی کہ انہیں کوئی ایسا طریقہ بتایا جائے کہ وہ انگریزی زبان سیکھ سکیں اور اسی میں براہ راست اپنی بات دوسروں تک پہنچا سکیں۔انہوں نے تسلیم کیا کہ انگریزی سے نابلد ہونا بہت بڑی کمی ہے جس کا ازالہ ضروری ہے۔مدارس کے اصل نصاب کو برقرار رکھتے ہوئے اگر یونان کے فلسفے کی زائد کتابیں نکال کر اس کی جگہ انگریزی زبان کو دے دی جائے تو یہ ضرورت بڑی حد تک پوری ہو جاتی ہے۔کمپیوٹر اور آئی ٹی سے تعارف بھی ہو جانا چاہیے تاہم اس کے ماہرین ظاہر ہے ابتدأ مدارس میں تیار نہیں ہوں گے۔مدارس کا کام نہیں کہ وہ ڈاکٹر،انجینئر اور انگریزی زبان کے ایسے ماہرین پیدا کریں جو اس زبان کے ماہر ہوں اور اس کی تعلیم دے سکیں۔لیکن اس کی مبادیات سے واقفیت اور صلاحیتِ ابلاغ کی ضرورت ہے۔

دیوبند میں جب سے درس نظامی کا نصاب رائج ہوا،مختلف ادوار میں اس میں ترامیم اور تبدیلیاں ہوتی رہیں۔مثلاً اس میں یہ تبدیلی علماء نے خود کی ہے کہ شروع میں حدیث میں مشکوٰۃ المصابیح کے نام سے ایک کتاب کے بعد صحاح ستہ کا اضافہ کیا گیا۔اس طریقے سے فقہ حنفی کو

Marfat.com

پڑھانے اور اس استدلال کے لیے علماء نے دوسرا طریقہ یہ تجویز کیا کہ احادیث کی طرف رجوع کیا جائے۔ دورہ حدیث کے اندر بھی فقہی مسالک کے استدلال اور اسے ثابت کرنے کے لیے احادیث سے راہنمائی لی جائے اور جس نقطۂ نظر کو ترجیح دینی ہو تو حدیث ہی کی بنیاد پر دی جائے۔ نیز یہ کہ مسلک سمجھنا ہو تو اس مسلک کے دلائل بھی سمجھنے ہوں گے۔ یہ ساری چیزیں دیوبند اور درس نظامی کی حدود کار میں مختلف ادوار میں آتی رہی ہیں۔

مدارس اس خطے اور عالم اسلام میں فی الواقع ایک اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ مدرسے کا نام آج ایک عام امریکی کی زبان پر بھی موجود ہے لیکن ان کے پاس موجود معلومات غلط ہیں اور ان کے مطابق مدارس دہشت گرد پیدا کر رہے ہیں اور ان کے طلبہ واساتذہ کے ذہنوں پر جمود کے تالے پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے خیال میں ان مدارس میں طلبہ کلاس روم کے اندر سوال اور استاد کے ساتھ مکالمہ اور بات چیت نہیں کر سکتے اور مخصوص خول سے وہ باہر نہیں آ سکتے۔ ہم نے ان پر معلومات کی کمی واضح کرتے ہوئے دعوت دی کہ اگر آپ ہمارے مدارس میں آئیں اور براہ راست رابطہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ مدارس کے اندر مباحثے اور مکالمے جاری ہیں۔ اساتذہ کے ساتھ تبادلۂ خیال ہو رہا ہے۔ کمپیوٹر کی لیبارٹریاں قائم ہیں، اور بہت سے مدارس میں انگریزی تعلیم کے لیے اساتذہ مہیا ہیں۔ اس کے باوجود اگر کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا نصاب تو وہی ہے جو علماء دیوبند نے شروع سے قائم رکھا تھا اور مدرسہ اس میں کسی اور اضافے کے لیے تیار نہیں تو ایسے لوگ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ علمائے کرام اور اسلاف مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا اشرف علی تھانوی کے اقتباسات اور اقوال تاریخ کا حصہ اور ہمارے لیے رہنما ہیں۔ اس وقت یونان کا فلسفہ تھا اور یہ کہا گیا تھا کہ جس کو فلسفے اور منطق کی تعلیم نہیں ہے تو گویا اسے علم کے اندر ثقاہت ہی حاصل نہیں ہے۔ یہ بات اس لیے کی اس وقت فلسفہ پر کافی زور تھا۔ آج اگر فلسفہ نہیں ہے تو دوسرے معاصر افکار اور چیلنجز ہیں جن میں انگریزی زبان بھی شامل ہے۔ یہ چیزیں وسائل تعلیم کے طور پر دین اسلام کی اشاعت اور ترویج کے لیے استعمال کی جا سکتی ہیں۔

Marfat.com

﴿۲﴾

مولانا انوار الحق

دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک

دینی مدارس کا کردار تو بہت واضح ہے۔ اللہ نے دین کی حفاظت دینی مدارس کی قسمت میں لکھی اور انہی مدارس کی وجہ سے الحمدللہ پوری دنیا میں اسلامی اقدار و شعائر اذان، نماز، اور یہ دینی اقدار باقی ہیں، کسی کے انکار سے ان مدارس کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔

جہاں تک دینی مدارس کے نظام اور نصاب کو تبدیل کرنے کی ضرورت کا سوال ہے، یہ رائے دو قسم کے لوگوں کی ہے۔ ایک وہ جو بالکل غیر اسلامی سوچ رکھتے اور اسلامی اقدار کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ان سے تو ہمارا کوئی گلہ نہیں ہے، کیونکہ ان کے لیے ''مدرسہ'' کا نام ہی ہوّا ہے۔ دارالعلوم حقانیہ میں میڈیا کے سینکڑوں لوگ آئے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وہاں دین، تعلیم اور اخلاقیات کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔ کہیں کلاشنکوف یا ایسی کوئی دوسری قباحت موجود نہ تھی مگر جب یہی لوگ مدرسوں سے واپس اپنے ملکوں میں جاتے ہیں تو وہی کچھ لکھتے ہیں جو ان کے اپنے تعصبات پر مبنی ہوتا ہے۔ دراصل انہیں خوف کلاشنکوفوں اور دیگر اسلحہ سے نہیں بلکہ دین، اسلامی تعلیم اور اخلاقیات ہی سے ہے۔ سچ یہ ہے کہ ہم اپنا سب کچھ ترک کر کے بھی انہیں خوش نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ ہم حجاب، ایمان اور دین ختم کر دیں اور ان کی مرضی کا اسلام یہاں جاری کر

Marfat.com

سبق سیکھتے ہوئے اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ خود امام ابوحنیفہ سے ان کے شاگرد اختلاف کرتے تھے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ وسیع النظری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مدارس کے پانچوں وفاق اپنا کردار ادا کریں۔دلچسپ امر یہ ہے کہ جو کتب دیوبندی مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں، وہی بریلوی اور شیعہ مدارس میں بھی پڑھائی جاتی ہیں۔ان میں نحو،صرف،اور منطق وغیرہ شامل ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی اختلاف ہے تو وہ فروعات میں ہے۔کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ ایک سطح کے بعد طلبہ کے ذہن کو عروج تک پہنچانے کے لیے تمام اہم فقہاء کی کتابیں کورس میں شامل کریں۔یہ اس پس منظر میں بھی اہم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اختلاف امتی رحمة کیونکہ اس سے سوالات ابھرتے اور جستجو پیدا ہوتی ہے۔اس طرح انسان علم کے سرچشموں سے زیادہ سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔

جہاں تک نصاب میں تبدیلی کا مسئلہ ہے اس پر علماء جذبات میں آجاتے ہیں اور غصے کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔بلاشبہ اس بات پر تو غصہ آنا چاہیے کہ بیرونی دنیا کو کیوں اجازت دی جائے کہ ہمیں نصاب میں تبدیلی کے حوالہ سے تنقید کا نشانہ بنائے مگر ہمیں خود اس ضرورت کا ادراک ہونا ضروری ہے۔جب ہم مسلمان ہیں اور ایک ایسے دین کو ماننے والے ہیں جو قیامت تک تمام ضروریات کو پورا کرنے والا ہے تو ہر زمانے میں علماء کو ذمہ داری نبھانے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ گویا نصاب میں تبدیلی وقت کا اہم تقاضا ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہم میں کوتاہیاں نہ ہوتیں تو مغرب ہم پر حاوی ہی نہ ہوسکتا۔ ہمیں زمینی حقائق کو تسلیم کرنا چاہیے، اس سے انکار کی صورت میں مسائل حل نہیں ہوتے۔بلاشبہ بعض مدارس ایسے ہیں جہاں تنگ نظری کا مظاہرہ ہوتا ہے۔اور اسی وجہ سے ہمارا نظامِ تعلیم مغرب میں تنقید کا نشانہ بنتا ہے۔محبت اور رواداری اسلام کے بنیادی عناصر ہیں۔اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور کھلا رہے گا،جس کے ذریعے ہم آئندہ آنے والے مسائل کو حل کرسکتے ہیں۔ایران اور مصر بھی اسلامی ممالک ہیں۔ان کے تعلیمی اداروں میں ایسا لگتا ہے کہ جیسے جنگ ہو رہی ہے۔وجہ یہ

Marfat.com

﴿۳﴾

مولانا محمد اسماعیل

جماعت اسلامی صوبہ سرحد-پشاور

انسانی زندگی کے ہر دور میں مختلف نوعیت کے فتنے اٹھتے رہے ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان فتنوں نے نئی نئی شکلیں بھی اختیار کی ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ آج کا طالب علم آج کے فتنوں سے صحیح طور پر آگاہ نہیں۔ اس لیے جب وہ مدرسے سے نکل کر عملی میدان میں قدم رکھتا ہے تو وہ ان فتنوں کا مناسب طور سے مقابلہ نہیں کرسکتا۔ علاوہ ازیں دینی مدارس سے متعلق اساتذہ کو صرف ونحو اور دوسرے علوم (جو کہ قرآن وسنت کے سمجھنے میں معاون ہوتے ہیں)، کی تدریس کے لیے نئے طریقوں سے واقف ہونا ضروری ہے۔

الوسائل التعلیمیہ کے حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ تعلیم میں سمعی وبصری معاونات اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ بلاشبہ بعض مدارس میں یہ دونوں ذرائع استعمال کیے جاتے ہیں لیکن اکثر مدارس میں صرف سمعی ذریعے پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ سمعی وبصری ذرائع میں اب تو بہت سی نئی چیزیں آ گئی ہیں لیکن اکثر مدارس میں بلیک بورڈ وغیرہ کا استعمال تک بہت کم ہے۔ دینی مدارس میں بھی اگر جدید سمعی وبصری ذرائع یعنی الیکٹرانک میڈیا کا استعمال کیا جائے تو بہت کم وقت میں طلبہ تک بہت زیادہ علم منتقل کیا جاسکتا ہے۔ اگر مختلف اہم موضوعات پر مدارس میں ورکشاپیں منعقد ہوں اور اس مقصد کے لیے پروجیکٹر اور ٹرانسپرینسی وغیرہ کا استعمال کیا جائے تو مختصر وقت میں بہت بڑا

Marfat.com

کام کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس کے لیے ایک چیلنج ایسے اساتذہ کی تیاری ہے جو ایسے نظام میں کام کرنے کے اہل ہوں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ریفریشر کورسز کا اہتمام کرنا ضروری ہوگا جس کے لیے اساتذہ کی چھٹیوں کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ساتھ ساتھ کمپیوٹر اور معلومات کے دیگر ذرائع جن سے طالب علم علمی طور پر زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکے ان کا سکھانا بھی ضروری ہے۔

انگریزی کے حوالے سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ محض کمپیوٹر کے لیے ہی نہیں بلکہ پورے عالم میں اسلام کی تعلیمات پھیلانے کے لیے ایک داعی کا انگریزی جاننا ضروری ہے۔ مدارس کی شناخت ختم کر کے انہیں جدید نظام تعلیم کے مطابق ڈھالنا تو مناسب نہیں ہوگا لیکن طالب علم کو اس قابل بنانا کہ وہ دور جدید کے فتنوں کا کماحقہٗ ادراک اور اس دور کی تعلیمات کو قرآن وسنت کی تعلیمات پر منطبق کر سکے، مدارس کا بنیادی مقصد ہونا چاہیے۔ ایک اور مسئلہ مدارس میں نظام تربیت کا ہے۔ اگرچہ یہاں طالب علموں سے کوئی فیس وغیرہ نہیں لی جاتی لیکن مدارس میں طالب علم ۲۴ گھنٹے رہتا ہے اس لیے اس کی تربیت کے غیر معمولی مواقع میسر ہوتے ہیں۔ ان مواقع سے استفادے کا مناسب بندوبست ہونا چاہیے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ مدارس میں اساتذہ اپنے مضامین کو پورے سال میں اس طرح تقسیم کریں کہ تعلیمی سال کے اختتام تک کورس مکمل ہو جائے۔ بعض اوقات مدارس میں ایسا ہوتا ہے کہ سال ختم ہو جاتا ہے لیکن کورس ختم نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں مدرسے کی انتظامیہ اساتذہ سے سال کے آغاز ہی میں مضامین کی مرحلہ وار تقسیم کا تقاضا کر سکتی ہے۔ مدارس کے لیے یکساں نصاب، جس پر پانچوں بورڈ متفق ہوں اور جس میں جدید علوم شامل ہوں ترتیب دینے کے لیے ہائر ایجوکیشن کمیشن اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ طلبہ کے لیے مناسب کھانے اور رہائش کا بندوبست اور معیاری اساتذہ کی فراہمی بھی مدرسے کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ کھیل کود کا مناسب انتظام بھی ہونا چاہیے۔ مدارس کے بارے میں بات بہت ہو رہی ہے لیکن کالجوں اور یونیورسٹیوں پر بھی بات ہونی چاہیے کیونکہ وہاں بھی اصلاحات کی بے پناہ گنجائش موجود ہے۔

Marfat.com

﴿۴﴾

مولانا رمضان توقیر

پشاور

اسلامی تاریخ میں پہلا مدرسہ مدینہ میں صفہ کے مقام پر تھا جہاں ایک مدرس تھا اور چند طالب علم تھے۔ اس مدرسے سے فارغ التحصیل علمائے کرام نے، جن کو ہم صحابہ کرامؓ کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں، ہمیں باور کرایا کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ ظاہر ہے جس وقت صفہ کے مقام پر یہ مدرسہ قائم ہوا تھا اس وقت حالات کچھ اور تھے۔ گدھے اور گھوڑے پر سواری ہوتی تھی اور دنیا نے اس طرح ترقی نہیں کی تھی۔ اب انسان ہوا کے دوش پر سفر کرسکتا ہے۔ تاہم اسلام ایک آفاقی مذہب ہے اور ہر دور کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس میں تمام علوم کی ترویج کا حکم اور آخری زمانوں تک کے لیے راہنمائی موجود ہے۔

اس تناظر میں مدارس کے مقصد کا تعین کرنا ہے کہ کیا امام مسجد تیار کرنا ہی واحد مقصد ہے یا عالم دین بنانا بھی ضروری ہے؟ اس سیمینار کو منعقد کرنے کی غرض بھی یہی ہے کہ کس طرح سے عالم دین تیار کیا جائے۔ دینی مدارس کا مقصد یہی ہے کہ انسان کی راہنمائی کا حق ادا کریں۔ یہ ایک تخصص ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم وسیع النظری اور وسعتِ ظرف کا مظاہرہ کریں اور اسی مدرسۂ صفہ کی تقلید کرتے ہوئے کردار سازی کریں۔

جہاں تک اس مشاہدے کا تعلق ہے کہ مسلمانوں میں اختلافات موجود ہیں تو تاریخ سے

Marfat.com

دیں۔ درحقیقت وہ کسی صورت میں ہمیں معاف کرنے والے نہیں ہیں۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جوان سے متاثر ہوکر نیک نیتی سے چاہتا ہے کہ دینی مدارس اپنا قدیم نظام تبدیل کر دیں تا کہ جدید دور کی ضروریات پوری کرسکیں۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ۹/۱۱ سے دو سال پہلے ہی وفاق المدارس کے اکابرین نے غور وفکر شروع کر دیا تھا۔ انہیں جدید تقاضوں کے مطابق اپنے نصاب میں ترامیم کرنی چاہییں۔ چنانچہ اکابرین، جید علماء، اساتذہ اور شیوخ پر مشتمل کمیٹی قائم کی گئی جو مطلوبہ ترمیمات کر رہی ہے۔ اب سے چند سال پہلے مڈل درجے میں عصری تعلیم کے مضامین کو شامل کر دیا گیا ہے۔ جس نے متوسطہ یعنی آٹھویں پاس نہ کی ہو، اگلے درجے میں داخلہ لے ہی نہیں سکتا۔ اس کے ساتھ ساتھ خود مدارس کے منتظمین نے محسوس کیا کہ کمپیوٹر اس دور جدید کی ضرورت ہے۔ درالعلوم حقانیہ میں ۹/۱۱ سے بھی بہت پہلے ۵۰ کمپیوٹرز کی لیب موجود تھی۔ اسی طرح لاہور، کراچی اور ملتان کے متعدد مدارس میں کمپیوٹر موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انگریزی اور معاشیات جدیدہ بھی مدارس کے نصاب میں شامل ہے۔ ان کو پڑھنا بھی وفاق المدارس نے لازم قرار دیا ہے اور آئندہ ان مضامین کے امتحانات بھی ہوں گے۔

مدارس میں اساتذہ کی قدر اور عزت ہے اس کے مقابلے میں عصری تعلیم کے ادارے دیکھیں تو فرق کا اندازہ ہو گا۔ وفاق المدارس کا امتحانی نظام ایسا ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں خصوصاً اسلامی ممالک سے ماہرین، وفاق کے اکابرین کی دعوت پر آ کر یہاں امتحان لیتے ہیں اور امتحان کا انتظام اتنا فول پروف ہے کہ بڑی بڑی یونیوسورسٹیاں دنگ رہ جائیں۔ اس کے علاوہ لوگ ہم سے اور کیا چاہتے ہیں۔ اسلامی اقدار کی حفاظت اور ان کا فروغ مدارس کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے اور وہ یہ کام بہت احسن طریقے سے سرانجام دے رہے ہیں اور انشاءاللہ دیتے رہیں گے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

ہے کہ استاد با قاعدہ تیاری کر کے آیا ہوتا ہے، طلبہ اس سے سوالات کرتے ہیں اور وہ جوابات دیتا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں چاہے شیعہ مدارس ہوں یا دوسرے مسالک کے مدارس، سوال کرنے کی عموماً حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مدارس اور مساجد دین اسلام اور مسلمان معاشرے کی بنیادی حقیقتیں ہیں۔ مسلمانوں کا تشخص ان ہی سے ظاہر ہوتا ہے۔ تعلیمی تقاضوں کے پیش نظر نصاب میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے لیکن ہم نصاب میں تبدیلی کریں یا نہ کریں، غیر مسلم مغرب اس سے مطمئن نہیں ہوگا۔ کیونکہ مدرسہ اسلامی تشخص کی علامت ہے۔ تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ تبدیلی سے ہی دور بھاگا جائے۔ مدارس کے ممتحن حضرات سے گزارش ہے کہ تقابل ادیان اور تاریخ اسلامی کو نصاب میں ضرور شامل کیا جائے۔

انگریزی اور دوسرے مضامین کی تعلیم کی افادیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس ضمن میں کراچی کے ایک مدرسے میں زیر تعلیم رہنے کے دوران ذاتی مشاہدہ ہے کہ بعض طلبہ دیگر اداروں میں جا کر انگریزی اور ریاضی جیسے مضامین پڑھتے تھے۔ میں نے یہ موقع استعمال نہ کیا۔ مگر آج جب مجھے مغرب کا نقطۂ نظر سمجھنے یا انہیں اپنا مافی الضمیر سمجھانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو میں بے بس ہو جاتا ہوں کیونکہ میں بین الاقوامی رابطے کی زبان یعنی انگریزی سے نابلد ہوں۔ کسی دوسرے کی زبان سے کچھ کہلوانا مجھے اس لیے گوارا نہیں کہ نجانے وہ کیا کہہ دے۔ دوسروں کی زبان ہمیں ان کو سمجھنے کے قابل بناتی ہیں۔ اس لیے میں آج اہلحدیث کا ایک عالم ہوتے ہوئے اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ قرآن وسنت کی تعلیم کے اثرات کو قربان کیے بغیر انگریزی سیکھنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۵﴾

مفتی کفایت اللہ

رکن وفاق المدارس العربیہ، پاکستان

تاریخ کا یہ مسلمہ اصول رہا ہے کہ دو تہذیبوں کے ٹکراؤ میں فاتح اقوام کی تہذیب اپنائی جاتی ہے اور مفتوح قوم کی تہذیب کو ترک کر دیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے دینی مدارس کا یہ کارنامہ ہے کہ انہوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے ہاتھوں مکمل شکست کے باوجود نہ صرف مشرقی علوم کو محفوظ کیا بلکہ ان کی ترویج کا اہتمام بھی کیا۔ دینی مدارس کا یہی کردار ہے جس نے ہمیں مغربی تہذیب کے غلبے سے محفوظ رکھا۔ اسی طرح ہمارے خطے کے مسلمانوں کے عقیدے کی پختگی بھی مدارس کی مرہون منت ہے کہ وہ حالات کا مقابلہ کرنے کو ہمیشہ تیار رہے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے حوالے سے عرض کروں گا کہ مدارس عربیہ کا مقصد حروف شناسی، معنیٰ شناسی، اور کتاب شناسی ہرگز نہیں ہے بلکہ رجال سازی اور تخلیقی ذہن پیدا کرنا ہے۔ جو آدمی کو واقعی وارث انبیاء بنا دیتا ہے۔ اور اس سے بھی بنیادی چیز تربیت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ دینی مدارس کے اس کردار کا کوئی اور متبادل نہیں ہے۔

جب تک سوویت یونین موجود تھا اس وقت لڑائی دو بڑوں کے درمیان تھی، اور مدارس بچے ہوئے تھے، لیکن جب سوویت یونین ٹوٹ گیا تو مدارس اور علماء کو نشانہ بنایا گیا اور وہ سارے وسائل

Marfat.com

جوسوویت یونین کے خلاف سرد جنگ کے لیے مخصوص چلے آتے تھے امتِ مسلمہ کا اجتماعی تاثر ختم کرنے کے لیے مخصوص کر دیے گئے۔ ہمارے اکابرین کہتے ہیں کہ طاقت کے توازن کے لیے دو طاقتوں کا ہونا ضروری ہے تا کہ کوئی ایک طاقت ظلم کرے تو مظلوم دوسرے کی پناہ میں آ جائے اور اگر دوسرا ظلم کرے تو وہ پہلے کی پناہ لے سکے۔ جیسا کہ سورہ روم میں آیا ہے کہ رومی مغلوب ہونے کے بعد غالب ہوئے۔

مدارس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فرقہ واریت نہیں ہوتی۔ امام بارگاہ یا علماء یا مسجد پر حملہ جیسے واقعات (جیسے مفتی نظام الدین شامزئی صاحب کو شہید کر دیا گیا)، دینی مدارس نے نہیں کیے، یہ جرائم محض مدارس پر تھوپے جاتے ہیں۔ ان واقعات کے ذمہ دار مخصوص لوگ ہیں جو اپنے مقاصد کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ وہ بیت اللہ کو بند اور گنبد خضریٰ کو توڑ بھی سکتے ہیں اور امام کعبہ کو پابند سلاسل بھی بنا سکتے ہیں۔ ان کے مقاصد ہی ایسے ہیں ورنہ مدارس اور مساجد میں یہ چیز قطعاً نہیں ہوتی۔ ہمیں تو یہ بتایا جاتا ہے کہ مومن مومن کا بھائی ہے۔ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ تمام مسلمان ایک جسد واحد کی طرح ہیں۔

پاکستان میں شیعہ اور سنی کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ درحقیقت سوچ اور رائے میں اختلاف پیدا ہونا مذموم نہیں، مقبول ہے۔ مذموم اس وقت ہوتا ہے جب اس میں شدت اور بدنیتی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور کوئی آدمی اپنی رائے کو غلط نہیں سمجھتا بلکہ سو فیصد صحیح قرار دینے پر بضد ہوتا ہے۔ ہمیں تو یہ بتایا جاتا ہے کہ جب آپ کسی امام کی قوت استدلال سے فائدہ اٹھائیں تو یہ سمجھیں کہ اس میں بھی غلطی کا کچھ نہ کچھ احتمال ہے۔ رائے میں تشدد آ جائے تو فساد شروع ہو جاتا ہے۔

دینی مدارس کا تیزی سے پھیلاؤ بنیادی طور پر سرکاری نظام تعلیم پر عدم اعتماد کا اظہار ہے۔ حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ایسا جامع نظام تعلیم ترتیب دے کہ جب بچہ سکول جائے تو اسے پھر کہیں اور جانے کی ضرورت نہ پڑے۔ جبکہ ہم بچے کو کئی کئی تجربات سے گزارتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ چیز اکثر مدارس میں نہیں پائی گئی جس کے لیے بچے کو وہاں بھیجا گیا تھا۔ ضروری ہے کہ نصاب میں

Marfat.com

تبدیلی ہو اور اسے موجودہ دور سے ہم آہنگ بنایا جائے۔ وفاق المدارس نے یہ طے کیا ہے کہ ایک طالب علم بیک وقت عالم فاضل بھی ہوگا اور یونیورسٹی کا گریجویٹ بھی۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۶﴾

قاری روح اللہ

سابق صوبائی وزیر، مہتمم دارالقرآن، خیبر روڈ-پشاور

سوال یہ ہے کہ دینی مدارس کے مسئلے کو کیوں زیر بحث لایا جاتا ہے۔ میں اس مجلس کی بات نہیں کر رہا، عمومی طور پر بات کر رہا ہوں۔ درحقیقت جو لوگ اس بحث کو اٹھاتے ہیں مذہب کے بارے میں ان کا علم محدود ہے۔ وہ دین کو ایک انفرادی معاملہ قرار دیتے ہیں۔ مذہب کا ان کے خیال میں روزمرہ زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی لیے جب وہ مدارس کے مجموعی کردار پر نظر ڈالتے ہیں تو انہیں خطرات محسوس ہوتے ہیں۔ جبکہ مدارس کا کردار انتہائی وسیع ہے۔ کیونکہ دین سکھاتا ہے کہ انسان کی زندگی کا کوئی گوشہ دین کے دائرے سے باہر نہیں ہے بلکہ دینی تعلیمات انسان کے معاشرتی رویوں کی حدود متعین کرتی ہیں۔

اس اصول کے تحت مدارس کے نظام تعلیم میں چند بنیادی خصوصیات نظر آتی ہیں جن کا اس نظام میں علمی، دعوتی اور سیاسی کردار ہے۔ اس وقت مدارس کا سیاسی اور دعوتی کردار ہی اصل ہدف ہے۔ کیونکہ جہاں تک علمی کردار کا تعلق ہے اسے کافی عرصہ پہلے تبدیل کیا جا چکا ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ اس مسئلے کا ادراک اس وقت نہیں کیا گیا جب یہ پیدا ہوا۔ بلکہ اسے قبول کر کے ہم نے اس کے لیے خود ہی آسانی پیدا کر دی۔ جو لوگ دین کو انفرادی مسئلہ سمجھتے ہیں ان کا پروگرام یہ تھا کہ دینی

Marfat.com

مدارس سے فارغ التحصیل لوگوں کو حکومت اور ریاست سے باہر کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے نظام تعلیم کو تقسیم کر دیا اور اس طرح دین اور دنیا کے درمیان جدائی پیدا کر دی۔ ہم نے بھی اسے قبول کرتے ہوئے اپنے آپ کو محدود کر دیا۔ جبکہ اس وقت ضرورت یہ تھی کہ حکومت، ریاست اور اس میں اپنے کردار سے دوری کے اس منصوبے کو سمجھتے اور اسے ناکام بنایا جاتا۔

آج جب کسی عدالت میں جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جج کی کرسی پر بیٹھے صاحب سینٹ میری اور ایڈورڈ کالج سے پڑھ کر آئے ہیں۔ یہی صورت حال دیگر پیشہ ورانہ میدانوں کی بھی ہے۔ جبکہ ہم مسجد کا امام یا مؤذن تیار کرنے پر قانع ہو چکے ہیں۔ یہ سُن کر اچھا لگتا ہے کہ صرف وفاق المدارس عربیہ کے ساتھ رجسٹرڈ اداروں کی تعداد آٹھ ہزار سے زائد ہے۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ آٹھ ہزار مدارس اور ان کے مہتممین کے وسائل کو جمع کر کے ملکی سطح پر چار پانچ ادارے قائم کر دیے جائیں۔ کوئی میڈیکل کالج بنا دیا جائے، لاء کالج قائم ہو یا انجینئرنگ اور مینجمنٹ کے لیے کوئی ادارہ قائم کیا جائے۔ تاکہ یہاں سے فارغ التحصیل افراد کو ہم اپنے اداروں میں رکھ سکیں۔

اسی طرح ہمارے جتنے بھی ادارے ہیں زیادہ تر صبح کے وقت کام کرتے ہیں۔ شام کے وقت کام کرنے والے مدارس بہت کم ہیں۔ دوسری طرف ایسے ہزاروں لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ دینی علوم حاصل کریں لیکن جب وہ معلومات حاصل کرنے جاتے ہیں تو ان کے لیے کوئی ادارہ ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا شام کی شفٹ میں ایسے افراد کو داخلہ دے کر انہیں دینی تعلیم کے حصول کا موقع دیا جائے تو کیا ہی بہتر ہو۔

تحقیق کی بات بھی ہوئی ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ پانچوں وفاق مل کر ایک مجمع الفقہ قائم کریں۔ جہاں پر اختلافی مسائل کو حل کیا جا سکے۔ اگر رجسٹریشن کے مسئلے پر پانچوں وفاق اکٹھے ہو گئے ہیں تو اس تعاون کا دائرہ زیادہ امور تک بھی بڑھا دیا جا سکتا ہے۔ انگریزی کی تدریس کی بات کی گئی ہے لیکن بات صرف انگریزی زبان تک ہی محدود نہیں رہنی چاہیے بلکہ ایک جامع ادارے کے قیام کی ضرورت ہے جہاں کئی زبانوں کی تدریس ہو اور وہ مدارس اپنے انتظام کے

Marfat.com

تحت قائم کریں۔ یقیناً الگ الگ ہر وفاق کے لیے یہ مشکل ہوگا لیکن سب مل کر ایسے ادارے قائم کرنے کا فیصلہ کریں تو مشکل نہ ہوگا۔

دینی مدارس کو اپنی تنظیم پر بھی توجہ دینی چاہیے۔ مثلاً پشاور سے کراچی تک ہر مدرسے اور مسجد پر بورڈ لگا ہوا نظر آتا ہے دارالعلوم فلاں اور جامعہ فلاں وغیرہ۔ اب جہاں ناظرہ قرآن پڑھایا یا حفظ کروایا جاتا ہے وہاں بھی جامعہ کا بورڈ ہوگا۔ یہ چیز دنیا میں کہیں اور نہیں نظر آئے گی۔ تعلیمی عمل کے باقاعدہ مراحل اور درجات ہیں۔ وفاق کی ذمہ داری ہے کہ وہ مدارس کو پابند رکھیں کہ اپنے بورڈ پر بھی وہی لکھیں جس درجے تک وہاں تعلیم دی جاتی ہے۔ ورنہ اس سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں، نظام کے اندر تسلسل قائم نہیں رہتا اور مدارس کے بارے میں غلط تاثر قائم ہو جاتا ہے۔

مدارس اپنے وسائل اگر صحیح طور پر استعمال کریں تو زیادہ فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ مثلاً پشاور یونیورسٹی کسی پرائمری ادارے کی دیکھ بھال نہیں کرتی، اس کا اپنا معیار اور دائرہ کار ہے۔ جبکہ مدارس میں بڑے بڑے اداروں نے بھی ناظرہ کا شعبہ کھول رکھا ہے۔ ابتدائی سطح کی تعلیم سے متعلق شعبے چھوٹے مدارس کے حوالے کر دیے جانے چاہئیں۔

اس وقت دنیا کی سیاسی صورت حال اور عالمی سیادت بھی زیر بحث ہے جس سے ہم لاتعلق نہیں رہ سکتے۔ ہمیں کم از کم اپنے لوگوں کے خدشات کو دُور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگرچہ اس وقت مغرب کا پروپیگنڈا اتنا زیادہ ہے کہ اس کی وجہ سے ہم دفاعی کردار ادا کرنے پر مجبور ہیں۔ تاہم میڈیا کے بہتر استعمال سے اس طوفان کا مقابلہ کرنا ممکن ہے۔ اس وقت دینی مدارس کے پاس پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کا کوئی موثر چینل نہیں۔ وہ وقت گزر گیا کہ ٹیلی وژن کا استعمال حرام سمجھا جاتا تھا۔ عملاً سب لوگ اسے استعمال کر رہے ہیں اور مدارس نے کسی درجہ میں اس کا استعمال شروع کر لیا ہے تو بہتر استعمال کرنے پر توجہ دینی چاہیے۔

مدارس میں اساتذہ کی تربیت کے لیے کوئی انتظام نہیں جب کہ دنیا میں ہر جگہ یونیورسٹی، سکول اور دیگر اداروں میں رجال کار کی تربیت کے لیے ادارے موجود ہیں۔ اگر یہاں بھی وفاق

Marfat.com

کی سطح پر کوئی ادارہ قائم ہوتو نوجوان اساتذہ کو باقاعدہ تربیت دے کر انہیں موثر استاد بنایا جاسکتا ہے۔تربیت سے مراد اخلاقی تربیت ہی نہیں بلکہ فن تدریس کے بارے میں تربیت بھی ضروری ہے۔اسی طرح دوسرے ادیان کو سمجھنے کے لیے بھی ملکی سطح پر ادارے قائم کرنے چاہییں۔اہم ترین ضرورت اس کی ہے کہ ہم اپنے مجموعی کردار میں تبدیلی لائیں۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۷﴾

مولانا عبدالحق بلوچ

سابق امیر جماعت اسلامی، بلوچستان

مدارس سے متعلق وفاق بنیادی طور پر اس وقت وجود میں آئے جب ضرورت محسوس کی گئی کہ مدارس سے فارغ التحصیل افراد کو معاشرے میں زیادہ فعال کردار ادا کرنا چاہیے۔ اور یہ اسی وقت ممکن تھا جب ان مدارس کا نظم و نسق ایک باقاعدہ ادارے کے تحت ہو۔ چنانچہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (اب ہائرایجوکیشن کمیشن) سے مدارس کی اسناد کو اعلیٰ تعلیم کے دیگر اداروں کی عصری ڈگریوں کے مساوی قرار دلوایا گیا۔ اس بنیاد پر مدارس کو مختلف وفاقوں کے تحت اپنی رجسٹریشن کروانی تھی اور اس کی وجہ سے ان کی سندات حکومتی حلقوں میں بھی معروف سمجھی جانی تھیں۔

جہاں تک بلوچستان کا تعلق ہے، یہاں دینی مدارس کے نتیجے میں معاشرے کے اندر جو روایات اور اقدار زندہ رہی ہیں ان میں سے کچھ کا تذکرہ فاضل مقررین نے کر دیا ہے۔ یہاں جتنی بھی روایات رہی ہیں، خواہ ان کا تعلق پشتون علاقے سے ہو یا بلوچ علاقے سے، ان میں سے ایک اہم چیز ان دینی مدارس کی معاشرے میں مرکزیت ہے جس کے اثرات بہت دُور تک پہنچے ہوئے ہیں۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ بلوچستان میں بڑے بڑے خاندان جو سرداروں اور نوابوں کے خاندان کہلاتے ہیں اور بظاہر دین سے ان کا کوئی تعلق نظر نہیں آتا بلکہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سیکولر اور لبرل لوگ ہیں اور ان کا دین کے ساتھ کوئی ٹھوس تعلق نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود ان کی

Marfat.com

کیفیت اس سے مختلف ہوتی ہے یعنی یہ اپنے اپنے خاندان کو مذہب سے بیگانہ نہیں دیکھ سکتے۔اس سے ظاہر ہے کہ وہ بھی دین کی اہمیت کو محسوس کرتے ہیں۔اور ان میں مدارس کا احترام پایا جاتا ہے۔اس کے علاوہ اس معاشرے میں بحیثیت مجموعی نکاح وطلاق، جرگہ ومصالحت، جنازہ،لوگوں کی تعزیت،نماز ہائے جمعہ اوران کے خطبات میں مدارس سے وابستہ لوگوں کی شرکت لازمی ہوتی ہے۔یوں بلوچستان میں تقریباً تمام عمومی امور پر دینی چھاپ نظر آتی ہے،معاشرے کا عمومی ماحول دین اور تدیّن کا ہے،دین سے بغاوت کا عنصر نہیں پایا جاتا اور نہ کسی شخص میں اتنی جرأت ہے کہ وہ علی الاعلان دین سے بغاوت پر مبنی کسی نظام کی بات کرے۔اس تناظر میں مساجد اور مدارس کے کردار کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

یہ بات درست ہے کہ مدارس کا ماحول بہت ہی پسماندہ ہے۔یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ انسانی زندگی کے لیے درکار اوصاف اور معاملات حسن وقبح وغیرہ جوان مدارس میں پڑھنے والے طلبہ اور اساتذہ میں پائے جاتے ہیں،اتنی شدت سے کسی اور جگہ نہیں ملتے ہیں۔یہ لوگ ہمیشہ صبر وقناعت، شکر اور انتہائی استقامت اور پامردی کے ساتھ مشکلات کا مقابلہ کرتے رہے ہیں۔یہ ایسی بلند انسانی صفات ہیں جو معاشرے کے دوسرے دائروں میں خال خال ملتی ہیں مگر مدارس کے ماحول میں جابجا بکھری ہوئی نظر آتی ہیں۔یہ ان کا ایک مثبت پہلو ہے۔البتہ مدارس میں کمزوریاں بھی ہیں،یعنی یہاں نصاب غیر منظّم ہے،یا توشہ گیری ہے،یعنی لوگ بچوں کو بھیج کر لوگوں کے گھروں سے روٹیاں مانگ کر لاتے ہیں۔کیا یہ امر انسانیت کی توہین یا شرف انسانی کے خلاف کوئی رویہ ہے؟ یہ ایک الگ بحث ہے،لیکن مدارس کے حوالے سے جو کہا جاتا ہے کہ وہ پسماندہ ہیں اور جدید نظام کو سمونے میں ناکام رہے ہیں،اور انہوں نے جدید تقاضوں کے مطابق اپنے نصاب میں تبدیلی نہیں کی ہے،یہ بڑی حد تک درست ہے۔تاہم جس سوال پر اہل فکر ودانش کو غور کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ اس ساری صورت حال کا بنیادی سبب کیا ہے؟ اس سوال کا درست جواب مسائل کا حل پیش کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔

Marfat.com

میں مختصراً آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انسانی زندگی اور معاشرہ تنظیم کا تقاضا کرتا ہے۔اسی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم چاہے تین افراد بھی کسی صحرا میں سفر کر رہے ہو تو تمہیں بغیر کسی شخص کی امارت کے سفر جاری نہیں رکھنا چاہیے''۔ایسا نہ ہو تو انسانی دماغ اور انسانی صلاحیتیں بے رخ اور بے قبلہ ہو جاتی ہیں جو شاذونادر ہی اپنی مطلوبہ منزل تک پہنچ سکتی ہیں کیونکہ ایک شخص کچھ سوچتا ہے تو دوسرا اس کے مخالف سوچنے لگتا ہے۔لہٰذا انسانی نظام حیات کے اندر امارت کا ایک ایسا نظام ہونا چاہیے جس میں سرپرستی کا عنصر موجود ہو اور اس امارت کا احترام بھی کیا جانا چاہیے۔ معاشرے میں سب سے چھوٹا یونٹ ایک گھر ہوتا ہے، اس گھر میں بھی اگر باپ، بھائی یا کسی اور بڑے کا عمل دخل نہ ہو تو اس کا نظام بھی نہیں چل سکتا۔

لہٰذا جب انسانی زندگی کا کوئی چھوٹا یونٹ بھی کسی تنظیم اور سرپرستی کے بغیر نہیں چل سکتا تو دین کا اتنا بڑا شعبہ جس کے بارے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک ضابطۂ حیات ہے، بغیر قیادت کے کیسے چلے گا؟ اس دین کو ہم نے کبھی بھی ریاست کی سرپرستی میں نہیں رکھا بلکہ اس کو بے یارومددگار گلیوں اور محلوں میں دھکیل کر مسجد کے ملا کے سپرد کر دیا اور یوں مدرسے کی تنہائیوں میں اس کو بند کر دیا۔ اس کے بعد ہم اس بات کا ماتم کرنے بیٹھے ہیں کہ مدارس پسماندہ ہو گئے ہیں اور ان کا نصاب جدید تقاضوں کے موافق نہیں رہا۔ جب اس کی سرپرستی یا راہنمائی نہیں اور اس کی پشت پر کوئی تھپکی دینے والا نہیں تو اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ ہر مدرسے کے مہتمم کو اپنی عقل وفہم کے مطابق بندوبست کرنا ہوگا۔لہٰذا وہ جس نصاب کو چاہے نافذ کر دے گا اور جن اخلاقیات کو جائز سمجھے لاگو کرے گا۔

اس کے بالمقابل عام دنیاوی امور کے لیے ہدایات اور راہنمائی کے ادارے موجود ہیں۔ لہٰذا یہ ایک ایسا سوال ہے جس پر تمام اہل فکر کو غور کرنا چاہیے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ مذہب اگر سیاست اور افکار میں موجود نہیں ہوگا تو طوائف الملوکی اور طوائف الفکری جنم لے گی۔اس وقت کی طوائف الفکری کی کیفیت کا یہی سبب ہے۔اس لیے میں ایک ہی تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں۔

تمام ماہرینِ عمرانیات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسانی تربیت وہدایت کے لیے یک رخا

Marfat.com

نصاب تعلیم قابل اطلاق اور قابل نفع ہوسکتا ہے لیکن دوطرفہ سہ طرفہ اور چہار طرفہ نظام تعلیم کسی جگہ نافذ ہو، ہرایک کی سرپرستی بھی ہو، ہرایک کو فنڈ ملیں اور پشت پناہی بھی ہو تو بھی اس کے نتیجے میں طبقات، پراگندا خیالی، بے راہروی اور فکری انتشار جنم لیں گے۔ لہٰذا ایسی صورت میں یکسوئی اور اطمینان حاصل نہ ہوگا۔ انسانیت کی معراج یہ ہے کہ ہم یک رخے نظام تعلیم کی فکر کریں۔ ہمیں پاکستان میں بالخصوص یک قبلہ نظام تعلیم استوار کرنا چاہیے جو ماضی میں ہمیں ہمیشہ اسلامی تاریخ میں نظر آتا ہے۔ مدارس کا نظام تعلیم ہمیشہ سے مہارتیں فراہم کرنے کا ایک بڑا مرکز رہا ہے، لیکن جب اس کو توڑ کر اور اس کے نتیجے میں منفعت بخش جاگیروں پر قبضہ کر کے اس کو کمزور کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کے بعد ہی ان ساری خرابیوں نے جنم لیا۔

اس کے ساتھ ہی مدارس کی پسماندگی اور جدید نظام کو قبول نہ کرنے کا پس منظر بھی پیش نظر رہنا چاہیے۔ درحقیقت یہ نظام خود وجود میں نہیں آیا بلکہ اس نے ایک وقتی تحریک کی صورت میں جنم لیا ہے۔ جب لارڈ میکالے نے ۱۸۳۳ء میں ہندوستان کے طول وعرض میں اپنا بالکل متوازی نظام تعلیم نافذ کیا تو اس وقت اہل دین کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اگر ہم اس نظام کی طرف چلے گئے تو پھر ہمارا یہ دین اور اس کا صدیوں کا سرمایہ حفاظت سے محروم ہو جائے گا؟ لہٰذا اسی حفاظتی تدبیر کے طور پر اس نظام کو اپنایا گیا، گویا ایک خاص پس منظر اور ماحول اس کا سبب بنا۔ لیکن جب اس عارضی اور حفاظتی نظام کو ہی مستقل حیثیت دے دی گئی اور مناسب راہنمائی بھی دستیاب نہیں ہوئی تو اس نظام کو افراط وتفریط کا شکار ہونا ہی تھا۔ چنانچہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مدارس کی راہنمائی کی ضرورت ہے لیکن سازشی ترکیب کے ساتھ نہیں جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ کونڈالیزا رائس کمیشن کے سامنے بیان دیتی ہے ''ہم نے پاکستان کے نظام تعلیم میں فلاں فلاں شخصیت کے ذریعے بڑی اچھی تبدیلیاں کر دی ہیں''۔ اس کے بعد اس امر میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ جو فنڈز مدارس کے لیے حکومت کی جانب سے امریکی امداد سے مقرر کیے گئے ہیں وہ اسی سازش کا حصہ ہیں۔ اگر سازش کے ساتھ لوگ مدارس کے اندر دخول کی اجازت چاہیں گے تو اجازت نہیں ملے گی۔ بلکہ نظام اور

Marfat.com

بھی خراب ہوگا۔ نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ اپنی قوم اور اپنے بچے سمجھتے ہوئے ان کی اصلاح کے لیے جو بھی عناصر آگے بڑھیں تو انشاء اللہ اہل مدارس کا دامن بھی اپنے لیے وسیع پائیں گے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۸﴾

مولانا انوار الحق

خطیب، مرکزی جامع مسجد پنجابی-کوئٹہ

موضوع کی مناسبت سے چند نکات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا مطلوب ہے۔

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ مدارس عربیہ میں ایک مخصوص، یعنی محض قرآن وسنت کی تعلیم دی جاتی ہے اور مخصوص قسم کے لوگ یہاں سے نکلتے ہیں۔ اس میں وسعت ہونی چاہیے اور دوسرے ماہرین بھی پیدا ہونے چاہییں۔ مثلاً دینی مدارس سے ڈاکٹر، انجینئر، سائنس دان اور زرعی ماہرین بھی پیدا ہونے چاہییں۔ اور چونکہ مدارس سے کوئی ڈاکٹر، انجینئر سائنس دان وغیرہ نہیں نکلتا تو اعتراض کیا جاتا ہے کہ مدارس کا کردار کچھ منفی ہے اور زیادہ کارآمد نہیں ہے۔ درحقیقت اگر ہم قدیمی ادوار یعنی عباسی اور اموی دور کے مدارس کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اس دور میں مسلم حکمران خود بھی علماء ہوتے تھے اور اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے وہ اپنے زمانے کے نامور علماء اور اساتذہ کو مقرر کرتے تھے۔

آج کیفیت قطعی مختلف ہے۔ انگریز کے آنے اور خاص طور پر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ایک طرف علی گڑھ کی بنیاد رکھی گئی تو دوسری طرف دارالعلوم دیوبند کی بنیاد پڑی۔ یہاں علماء انگریزوں کے زیر عتاب آئے اور دینی مدارس کو حکومتی ذمہ داریوں سے عملاً (دشمنی کی بنیاد پر) دور

Marfat.com

رکھا گیا۔اس طرح مدارس حکومت کی سرپرستی اور اعانتوں سے محروم رہے۔ انہوں نے اپنے مخصوص حالات اور مالی مجبوریوں کے تحت صرف قرآن وسنت کی نشرواشاعت کا بیڑہ اٹھایا تاکہ مسلمان معاشرے میں اس کا وجود برقرار رہے۔اس کے لیے انہوں نے ایک خاص نصاب تعلیم رکھا اور مخصوص اور محدود اہداف پر کام کیا۔ ان کے اہداف میں مساجد کو آباد رکھنا بھی تھا۔گویا مسجدوں کے لیے امام اور مؤذن پیدا کرنا ضروری ٹھہرا۔مکاتب میں خصوصاً قرآن کریم کی تعلیم کے لیے اساتذہ مہیا کرنا بھی ضروری تھا تاکہ ایسے حافظ اور قاری دستیاب ہوں جو بچوں کو قرآن کی تعلیم دے سکیں۔ یہاں سے ایسے داعی اور مبلّغ پیدا ہوتے تھے جو اسلام کا پیغام لوگوں کو پہنچا سکیں اور اعتراضات کا دفاع کیا جاسکے اور اس طرح قرآن وسنت کا تحفظ ممکن ہو۔یوں مدارس کے اہداف یہ تھے کہ یہاں سے خطیب اور ایسی دینی شخصیات پیدا ہوں کہ مسلمان ان کی طرف رجوع کریں۔ مدارس نے اسے اپنا ایک اہم ہدف بنایا۔اس نہج پر کام ہوا اور الحمدللہ مدارس اپنے انداز اور پروگرام میں ناکام نہیں ہوئے بلکہ بہت زیادہ کامیاب ہیں۔

جہاں تک ڈاکٹر اور انجینئر وغیرہ کا سوال ہے تو اس سے انکار نہیں ہے کیونکہ اس کی اہمیت اپنی جگہ ہے۔لیکن ظاہر ہے کہ ڈاکٹر بننے کے لیے جو وسائل، آلات، ماہرین، پروفیسر وغیرہ کی تنخواہیں اور دیگر وسائل درکار ہیں وہ مدارس کے بس کا روگ نہیں، کیونکہ ان کا معاوضہ اور مطلوبہ وسائل مارکیٹ میں دینی مدارس کی استعداد کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہیں۔جتنی رقم میں دو تین سو طلباء کی کتب آتی ہیں اتنی رقم میں تو میڈیکل تعلیم کے لیے درکار بنیادی آلات بھی نہیں خریدے جاسکتے۔

درحقیقت مدارس پر یہ بالکل ایسا ہی اعتراض ہے جیسے میڈیکل کالجوں پر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہاں سے زرعی ماہرین، انجینئر اور سائنس دان کیوں نہیں نکل رہے؟ میڈیکل کالج والے یہی کہیں گے کہ ہم نے یہ ادارہ اسی لیے بنایا ہے کہ یہاں صرف اچھے ڈاکٹر تیار ہوں سو ڈاکٹر تیار ہو رہے ہیں اور اگر ایسا نہیں ہو رہا تو آپ اعتراض کرسکتے ہیں۔

Marfat.com

بہرطور مدارس ان علوم اور مہارتوں کے حصول کے خلاف قطعاً نہیں ہیں۔ لیکن ان کے پاس وہ وسائل نہیں ہیں جو اس مقصد کے لیے درکار ہیں۔ یہ ادارے تقریباً اپنی مدد آپ کے تحت یعنی عام مسلمانوں کے عطیات اور زکوٰۃ وغیرہ کے ذریعے چلتے ہیں اور اس میں محدود کام ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن محدود کام بھی بہت بڑی خدمت ہے۔ مجھے تمام وفاقوں کے بارے میں معلوم نہیں ہے۔ صرف ایک وفاق المدارس العربیہ کا ذکر کروں گا جس کا مرکز ملتان میں ہے، جس میں صرف شعبہ تحفیظ میں ۱۴۲۸ ہجری امتحانات میں ایک لاکھ سینتیس ہزار طلبہ اور طالبات شریک ہو رہے ہیں اور ۵ ہزار چھ سو بچیاں صرف اس سال عالمہ بنی ہیں۔ ۵۰ ہزار طلبہ اور طالبات اس سال حفظ کا امتحان دیں گے۔ اسی طرح ہمارے پانچ وفاق ہیں اور الحمدللہ تمام وفاقوں میں اس حوالے سے دین کی خدمت ہو رہی ہے۔ اگر مدارس نہ ہوتے تو یہ ملک اس نعمت سے محروم ہوتا۔ یہ کوئی تعصب کی بات نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر دوسرے اداروں سے موازنہ کیا جائے تو معاشرے کی اس حقیقی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ستاون سالوں میں ہمیں ستاون حافظ بھی نہیں نظر آئیں گے۔ مدارس میں پڑھنے والے کوئی اور تو نہیں۔ یہ بھی مسلمانوں کے بچے ہیں۔ میں تو یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر ایک ہی شخص کا ایک بچہ کالج میں اور دوسرا مدرسے میں زیر تعلیم ہو تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ ان کا نہ کوئی رنگ الگ ہے، نہ زبان اور نہ ہی وطن اور ملک جدا ہے۔ قیام پاکستان بھی سکولوں اور مدارس دونوں کے تعاون سے ممکن ہوا۔ اگر سکولوں کے میدان سے قائداعظم محمد علی جناح اور لیاقت علی خان نظر آتے ہیں تو مدارس کے حوالے سے بھی علامہ شبیر احمد عثمانی، سید سلیمان ندوی، داؤد غزنوی، مولانا عبدالحامد بدایونی اور دوسرے اکابر سرگرم نظر آتے ہیں۔ گویا یہ ملک مشترکہ کاوشوں کے نتیجہ میں بنا ہے۔

بلوچستان کے ضمن میں ایک بات عرض کروں (جو پہلے بھی بیان کی گئی) کہ بلوچستان میں قبائلی نظام دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط ہے اور یہاں کے لوگ بھی مختلف ہیں۔ یہاں بہت سے نزاعات اور قتل کے حوالے سے جرگوں کے نظام نے الحمدللہ مصالحت کا ایک بہت

Marfat.com

بڑا کردار ادا کیا ہے۔ اور جرگوں کے ذریعے اس مصالحتی عمل میں ایک موثر کردار علماء کا ہوتا ہے۔تصادم،لڑائی اور جنگوں کے متعدد واقعات میں سینکڑوں لوگوں کی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ان علماء کی کوششوں سے قبائلی سرکردہ شخصیات کو ساتھ ملا کر ایسی صورتحال میں تصفیے کیے گئے ہیں۔ جب یہاں سکول نہیں تھے تو اس وقت بھی وہ مولوی صاحب ہی تھے کہ جس حد تک ممکن ہوتا تعلیم اور مکتب کا اہتمام کرتے تھے۔

جہاں تک دہشت گردی کا تعلق ہے۔اس ضمن میں خصوصاً گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعات کے بعد، پروپیگنڈے کی جنگ نے زور پکڑ لیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ میڈیا پر یہود و ہنود کی گرفت ہے۔اس کا مقابلہ میڈیا ہی کرسکتا ہے۔ ہمارا میڈیا کہاں ہے؟ یہ حقیقت ہے کہ جب ایک بات بار بار اور مختلف ذرائع ابلاغ سے کہی جائے تو جھوٹ بھی سچ لگنے لگتا ہے۔ جب دشمنوں نے اپنی ساری توپوں کا رخ مدارس کی طرف کر دیا اور ذرائع ابلاغ نے شور مچایا کہ مدارس دہشت گرد ہیں تو اچھے بھلے مسلمان بھی اس سے متاثر ہو گئے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ واقعی کچھ نہ کچھ تو ہے۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے واقعے کے حوالے سے ملزموں کی آج تک باقاعدہ تحقیق اور صحیح نشان دہی نہیں ہوئی، بلکہ ان کی اپنی متعدد رپورٹیں بھی یہی کہتی ہیں کہ ان کا کوئی صحیح اتا پتا معلوم نہیں ہے۔اس کے باوجود واقعات رونما ہونے کے ایک دو گھنٹے کے بعد ہی سارا ملبہ اسامہ بن لادن کے سر ڈال دیا گیا۔اس کے بعد اعلان جنگ بھی ہو گیا اور عالمی قوت آئی اور افغانستان کو تہس نہس کر دیا۔

یہاں تو خیر ایک الزام تھا کہ طالبان ملوث ہیں لیکن عراق میں تو نہ مدارس ہیں نہ طالبان۔ وہاں کیوں مزاحمت ہو رہی ہے۔ وہ کون کر رہا ہے؟ فلسطین میں جو کچھ ہو رہا ہے اسرائیل جو مظالم ڈھا رہا ہے اور اس کے جواب میں وہاں مسلمانوں کی مزاحمت بڑھ رہی ہے تو کیا وہاں مدارس اور علماء ہیں؟ کیا وہاں بھی طالبان ہیں؟ چیچنیا کی حالت دیکھیں۔ وہاں کون سے مدارس ہیں؟ یہ فطری بات ہے کہ جب آپ کسی کی عزت پامال کریں گے اور جان کے درپے ہوں گے بلکہ مارنے کے لیے آئیں گے،ان کے گھروں اور وطن پر قبضہ کریں گے اور انہیں ان کی اپنی زمین سے بے دخل

Marfat.com

کریں گے تو انسان تو انسان ایک حیوان بھی مزاحمت کرے گا۔ آج مسلمان اس لیے مجرم ہیں کہ ظلم کے خلاف فریاد کر رہے ہیں۔ یہ بھی گویا علماء اور مدارس کا قصور ٹھہرا۔

میں آئی پی ایس کو چند تجاویز دوں گا۔ اگرچہ یہ کوئی حکومتی ادارہ تو نہیں ایک تحقیقی ادارہ ہے لیکن یہاں کچھ حکومتی موثر شخصیات آتی جاتی ہیں۔ مدارس اس ملک کے ادارے ہیں۔ حکومت جہاں دوسرے ادارے چلاتی اور انہیں فنڈ مہیا کرتی ہے وہاں مدارس کے لیے بھی چند چیزوں میں حکومت کو رعایت فراہم کرنا چاہیے۔ ایک یہ ہے کہ ان کی بجلی، گیس اور پانی یا مفت کردیں اور یا ان سے کم ازکم چارجز لیں۔ اسی طریقے سے پانی کی ٹینکیاں وغیرہ تعمیر کی جائیں تاکہ بچوں کو پینے کا صاف پانی فراہم ہو سکے۔ اس کے علاوہ حکومت حسب توفیق درسگاہیں قائم کرے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ مدارس کے اندر بھی ہمارے عصری یا دوسرے تعلیمی اداروں جیسے ماہرین ہوں جیسے اس وقت ابھی جمع ہیں اور مشترکہ پروگرام رکھتے ہوں۔ ایک دوسرے کی بات سنیں اور سنائیں اور اسی طریقے سے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ماہرین کے ساتھ ساتھ مدارس کے علماء اور اساتذہ سے کچھ لوگوں کو طلب کیا جائے اور وہ فضا پیدا کی جائے جیسے ایک دور میں علی گڑھ اور دیوبند میں موجود تھی جب شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے دور میں یہ دونوں ادارے نزدیک ہوئے۔ علی گڑھ کے لوگ دارالعلوم دیوبند میں آنے لگے اور دیوبند کے لوگ علی گڑھ جانے لگے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ ملّا اور مسٹر کی تمیز ختم ہو۔ مسٹر یہ سمجھے کہ یہ دین میرا ہے اور ملّا بھی یہ سمجھے کہ یہ عصری علوم ہمارے اور ہمارے نفع کے لیے ہیں۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۹﴾

پروفیسر عبدالخالق سُھریانی بلوچ

صدر، ادارہ اصلاحِ ملت، جیکب آباد

بلوچستان رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا، اسلامی روایات کا حامل اور نظریاتی تحریکوں کے حوالے سے بڑا حساس صوبہ ہے۔ صوبے میں بلوچ، پٹھان اور براہوی قبائل اکثریت میں ہیں۔ یہ سب قبائل دینی تشخص کے لحاظ سے زیادہ نمایاں سمجھے جاتے ہیں۔ بلوچستان پاکستان کا وہ واحد صوبہ ہے جس میں شرعی نظام قضا قائم ہے۔ آبادی کے لحاظ سے جتنے دینی مدارس اس صوبہ میں قائم ہونے چاہییں۔ موجودہ مدارس کی تعداد اس سے زیادہ ہے۔ یہ صوبے کے عوام کی دین سے وابستگی کا بڑا ثبوت ہے۔ صوبہ بلوچستان کے مدارس کا ایک سروے ۱۹۸۸ء میں حکومت پاکستان کی جانب سے کرایا گیا تھا اس سروے کے مطابق صوبہ کے دینی مدارس کے اعداد وشمار کچھ اس طرح ہیں۔

مدارس کی کل تعداد ۳۴۸ تھی (اس وقت یہ تعداد کم وبیش دوگنا ہوگئی ہے)۔ مسالک کے اعتبار سے تقسیم اس طرح تھی:

دیوبندی مدارس ۲۷۸ بریلوی مدارس ۳۴، اہلحدیث مدارس ۳، جبکہ شیعہ مسلک کا ایک مدرسہ تھا۔ بقیہ ۳۳ مدارس کے بارے میں تصدیق نہ ہوسکی تھی۔ ان مدارس میں سے صرف ۱۶۰ کا

Marfat.com

تعلق وفاق المدارس یا کسی دوسری تنظیم المدارس کے ساتھ تھا۔

ان مدارس میں تعلیم ناظرہ، حفظ، تجوید وقرأت، تحتانی، موقوف علیہ اور دورہ حدیث تک محدود ہے۔ مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کا تعلق صوبہ بلوچستان کے علاوہ سندھ، پنجاب، سرحد اور آزاد کشمیر سے بھی ہے۔ غیر ملکی طلبہ کی خاصی تعداد بھی ان مدارس میں زیر تعلیم رہتی ہے۔

صوبہ بلوچستان میں اسلامی روایات کے مطابق پردہ سختی سے رائج رہا ہے اس کے باوجود مدارس میں طالبات کی تعداد بھی خاصی رہتی ہے جبکہ طلباء کی تعداد ۳۷ ہزار تک ہے۔ مدارس کے اساتذہ اور دیگر عملہ کی تعداد ۴۲۵ تک ہے۔ اس ریگستانی اور سنگلاخ سرزمین کے مسلمانوں کی دین سے اس قدر وابستگی اور شغف مثالی ہے، جبکہ مالی لحاظ سے ان کی حالت اتنی اچھی بھی نہیں ہے کہ اتنے مدارس کی سرپرستی ان کے لیے ممکن ہو۔

بلوچستان کے مدارس کی اندرونی کیفیت کے سلسلہ میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ ان کا نظام بالکل جدید انداز سے تو نہیں چل رہا مگر ان میں کسی حد تک جدّت دیکھی جا سکتی ہے۔ مثلاً طلبہ کی روزانہ حاضری کی خاطر رجسٹر رکھے گئے ہیں، بڑے مدارس میں جدید ہاسٹل کے انداز میں طلبہ کے لیے دارالاقامہ قائم ہیں جن میں طلباء رہائش پذیر ہوتے ہیں۔ طلبہ کو مفت خوراک، نصابی کتب اور طبّی سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں۔ کچھ مدارس میں سفری سہولت بھی دی جاتی ہے۔ اس طرح منتخب مدارس میں انگریزی زبان اور دیگر معاشرتی علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ بعض مدارس میں ہنر سکھانے کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔

اکثر مدارس میں سالانہ امتحانات کے پرچے حل کرائے جاتے ہیں۔ خصوصاً وہ مدارس جن کا الحاق مدارس کی تنظیمات کے ساتھ ہے۔ کچھ مدارس زبانی امتحانات کا اہتمام کرتے ہیں۔ البتہ دونوں قسم کے امتحانات کی اسناد دی جاتی ہیں۔ مدارس میں لائبریریاں بھی موجود ہیں جن میں درسی اور غیر درسی کتب کی بڑی تعداد موجود رہتی ہے، جس سے طلبہ استفادہ کرتے ہیں۔ مذاکرے اور

Marfat.com

تقاریر کی مشقیں بھی کرائی جاتی ہیں اس مقصد کے لیے طلبہ کی انجمنیں قائم کی گئی ہیں۔

مدارس میں تفریح کے لیے کھیل کود کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے جوان کی صحت کے لیے بے حد مفید ہوتا ہے، بڑے مدارس میں کھیل کے میدان بھی موجود ہیں جہاں فارغ اوقات میں طلبہ کھیلتے ہیں۔

بلوچستان کے دینی مدارس میں دوسرے دینی مدارس کی طرح باقاعدہ دارالافتاء بھی قائم کیے گئے ہیں جن میں علماء کرام اور مفتیانِ عظام عامۃ المسلمین کے دینی استفسارات کے تحریری یا زبانی جوابات دیتے رہتے ہیں۔

شہری مدارس کی عمارات پکی یا نیم پختہ ہوتی ہیں مگر دیہاتی مدارس اور مکاتب کچے مکانات میں چل رہے ہیں۔ بعض مدارس میں پرائمری، مڈل، ہائی اسکول اور بعض میں کالج بھی چلائے جا رہے ہیں۔ جن کے امتحانات سرکاری طور پر منعقد ہوتے ہیں اور اسناد بھی سرکاری بورڈوں یا یونیورسٹیوں سے جاری کی جاتی ہیں۔ چند اہم مسائل اور ان کے حل کے لیے تجاویز پیش ہیں:

مالی مسائل: بلوچستان کی معاشی پسماندگی، مدارس دینیہ پر اثر انداز ہورہی ہے۔ جبکہ دوسرے صوبوں میں یہ مسئلہ اتنی شدت کے ساتھ موجود نہیں ہے۔ مالی مشکلات کی وجہ سے اساتذہ کے لیے موزوں مشاہرات مقرر نہیں کیے جاتے، طلبہ کو مالی امداد کی صورت میں، اسکالرشپ وغیرہ دینا ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے بلوچستان کے مدارس کی کارکردگی جاذب اور پر کشش ثابت نہیں ہو رہی۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ بلوچسان سے طلبہ کی ایک بڑی تعداد سندھ کے مدارس میں زیر تعلیم رہتی ہے۔

اس کا حل یہ ہے کہ حکومت پاکستان بلا کسی سیاسی امتیاز کے بلوچستان کے مدارس کو زکوٰۃ کے علاوہ خصوصی مدات سے تعاون فراہم کرے تاکہ مدارس کے طلبہ اور اساتذہ مطمئن ہو کر سلسلہ تعلیم کو جاری رکھ سکیں۔

Marfat.com

نصاب تعلیم: اگر چہ یہ مسئلہ صوبہ بلوچستان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے مگر اس کے اثرات صوبے کے مدارس پر شدت سے پڑ رہے ہیں۔ قدیم نصاب کے فارغ التحصیل طلبہ معاشرہ میں سوائے مساجد کی پیش امامت یا کسی مدرسہ میں بطور استاد کام کرنے کے، کوئی مقام حاصل نہیں کر سکے۔ ضرورت ہے کہ نصاب پر خود علماء کی ایک بااختیار کمیٹی سے اصلاح کروائی جائے اور اسے مربوط بنایا جائے نیز جدید علوم کا نصاب میں اضافہ کیا جائے تاکہ مدارس سے فارغ التحصیل طلبہ حکومت کے تمام محکموں میں ملازمت کے لیے قابل قبول ہو سکیں۔ قدیم نصاب کی تمام غیر ضروری کتب اور قدیم یونانی فلسفہ اور اس کی کتابیں خارج از نصاب کی جائیں۔

نظام امتحانات: وفاق المدارس اور دوسری تنظیمات کے قیام کے بعد اب مدارس کے امتحانات کا طریقہ جدید ہو گیا ہے مگر اسے زیادہ موثر بنانے کی ضرورت ہے۔ تحریری امتحان کے ساتھ زبانی امتحان (Oral) لازمی قرار دیا جائے تاکہ طلبہ میں بحث اور گفتگو کی صلاحیت پیدا ہو اور ان کی ہچکچاہٹ ختم ہو۔ نیز ان میں صحیح عبارت پڑھنے کی استعداد پیدا ہو۔ اس ضمن میں ایک اہم بات یہ ہے کہ مدارس کے تمام درجات کی اسناد کا اسکول، کالج اور یونیورسٹی سے موازنہ کر کے انہیں متعلقہ عصری اسناد/ڈگریوں کے برابر قرار دیا جائے۔ اس وقت صرف آخری سند کا موازنہ کرایا گیا ہے جو بعض اوقات نظر انداز بھی کیا جاتا ہے۔

اساتذہ اور طلبہ کے مسائل: بلوچستان اور ملک کے دیگر صوبوں کے مدارس کے اساتذہ کو، جو دینی علوم کی ترویج کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دے رہے ہیں، چند ضروری سہولیات فراہم کی جانی چاہییں۔ مثلاً ریٹائرمنٹ کی عمر مقرر کر کے ان کو پنشن پر جانے کا حق دیا جائے اس سلسلہ میں حکومت خصوصی فنڈ مہیا کرے۔ اسی طرح دیگر سرکاری ملازموں کی طرح دینی مدارس کے اساتذہ کو علاج معالجہ کی سہولیات اور رہائشی اسکیموں میں ان کے لیے اراضی مختص کی جانی چاہیے۔

پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو انعامات اور میڈل دیے جائیں اور فارغ التحصیل طلبہ

Marfat.com

کو مزید علم حاصل کرنے اور مطالعاتی دوروں کے لیے ملک سے باہر بھیجا جائے (خصوصاً عرب ممالک کی جامعات میں داخلہ دلوایا جائے)۔ نیز طلبہ کو اسکالرشپ/وظیفہ جات دیے جائیں۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۱۰﴾

ابوتراب علی محمد

استاد، جامعہ سلفیہ-کوئٹہ

پاکستان اور خصوصاً بلوچستان میں دینی مدارس نے پاکستان بننے سے لے کر آج تک معاشرتی اقدار و روایات کو بلند سے بلند تر کیا ہے اور مغرب سے درآمدہ معاشرتی اور ثقافتی برائیوں کے آگے ایک بند باندھے رکھا ہے۔ تاہم بڑھتی ہوئی مغربی یلغار کو روکنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے تعلیمی نظام میں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق تبدیلیاں کریں۔ اس کے لیے ناگزیر ہے کہ اپنے اسلاف کی طرف رجوع کیا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں صفّہ کے مدرسے میں منطق اور علم الکلام کے مضامین شامل نہیں تھے۔ بعد میں ضرورت کے تحت ان ہی کی طرح دیگر بہت سے مضامین کو رائج کیا گیا۔ چنانچہ یورپ میں جس وقت تاریکی چھائی ہوئی تھی اس وقت دنیائے اسلام کے بڑے بڑے شہر علمی مراکز کی حیثیت سے مشہور تھے۔ یہی وہ دور تھا جس میں ابن سینا، ابن حیان، الخوارزمی، ابن یعقوبی، ابن طفیل، ابن رشد، محمد بن زکریا رازی، ابن الہیثم اور یعقوب بن الاسحاق الکندی جیسے عظیم سائنس دان اور فلسفی پیدا ہوئے۔ اس دور میں امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، علامہ ابن حزمؒ، علامہ طبریؒ، علامہ ابن کثیرؒ، علامہ ابن تیمیہؒ، حافظ ابن حجر عسقلانی، امام

Marfat.com

فخر الدین الرازیؒ اور دیگر علماء کی طرح نابغہ عصر آئمہ محدثین اور فقہاء نے بھی عالم اسلام کو اپنے علمی کارناموں سے منور کیا۔

یورپ کے سائنس دانوں نے عقلی انکشافات اور حواسی اکتشافات کے زیر اثر نہ صرف مذہبی تعلیمات سے اعلان برأت کیا بلکہ وجود باری تعالیٰ سے انکار جیسے ملحدانہ افکار کا بھی پرچار کیا گیا مگر مسلمان سائنس دانوں نے سائنسی معلومات اور انکشافات کو خالق کائنات کے عظیم رازوں کی دریافت قرار دیتے ہوئے حق الیقین کے ساتھ ساتھ عین الیقین کا ذریعہ سمجھا۔ آج بھی موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق منطق، فلسفہ، علم کلام کی جگہ اپنے مدرسوں میں "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (۵:۳) (آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے) پر عمل کرتے ہوئے کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے جدید ٹیکنالوجی کمپیوٹر وغیرہ کو دینی تعلیم کا جزو بنایا جائے اور ہر طالب علم کو عربی اور اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی زبانوں پر مکمل عبور حاصل ہو تو ہم بلوچستان اور پاکستان کے رہنے والے، ابن سینا، ابن حیان، ابن رشد جیسے عظیم سائنس دانوں اور مسلم فلاسفاء کا نمونہ پیش کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اپنے نصاب میں جدید ٹیکنالوجی کو شامل کر لیں تو بلوچستان کے دور دراز گاؤں کے ایک مدرسے کے کچے کمرے میں بیٹھا ہوا طالب علم دنیا کی لائبریریوں اور کتب خانوں کے علاوہ سائنسی اور حربی معلومات سے استفادہ کر سکتا ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۱۱﴾

حافظ محمد سلفی
جامعہ ستاریہ، کراچی

دین اسلام کی پہلی وحی اس بات کی علامت ہے کہ اس دین کا تعلق تعلیم اور تعلّم سے ہے۔ پھر فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہ ''میں معلم بنا کے بھیجا گیا ہوں''۔ تاکید کے لیے کافی ہے۔ مکہ مکرمہ میں دارارقم اور مدینہ میں اصحاب صفحہ کے علاوہ جہاں بھی مسجد بنی مدرسہ بھی شروع ہوا۔ پھر یہی منبر ومحراب علم و دانش کے امین بنے۔ بغداد، اندلس، الازہر، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، ندوۃ العلماء، دیوبند، دارالحدیث دہلی سب علم کے گھوارے ہوئے کہ ملت کی رہنمائی اہل دانش ہی سے ہوتی ہے۔ آج بھی دینی مدارس وطن پاک میں ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور حفظ و ناظرہ کے مکتب لاکھوں میں۔

برصغیر میں انگریز کی آمد سے قبل جو طریقہ تعلیم تھا وہ حکومتی اور نجی، ساری ضروریات پوری کر رہا تھا۔ مگر انگریز نے آ کر نصاب تبدیل کر دیا۔ نتیجہ سامنے ہے۔ آج ملک میں چار نظام تعلیم عمل پیرا ہیں۔ (۱) دینی مدارس (۲) حکومتی ادارے (۳) امریکن اسکولز (۴) کیمبرج سسٹم، جو طبقاتی نظام پیدا کر کے اتحاد امت کو پارہ پارہ کر رہے ہیں۔ نصاب اور نظام تعلیم کی کوششیں آج سے قبل نومبر ۱۹۴۷ء میں تعلیمی قرارداد کے ذریعے ۵۴ء میں ۵ سالہ منصوبہ تعلیم، ۵۶ء میں ۵ سالہ منصوبہ۔ ۶۰ء میں ۵ سالہ منصوبہ، ۶۵ء میں نور خان کمیشن، ۶۹ء میں کمیشن برائے ترقی تعلیم، ۷۲ء کی قومی

Marfat.com

پالیسی، ۷۸ء کے بعد ۸۳ء میں ایکشن پلان فار ایجوکیشن منظور ہوا۔ مگر تمام منصوبوں میں نظریاتی پہلو کو اہمیت دینے کے بجائے بالعموم انتظامی اور مالی امور پر بحث کر کے بات ختم کر دی گئی۔

زندگی تبدیلی کا نام ہے اگر نصاب تعلیم وقت کے روحانی و مادی تقاضوں کو پورا نہ کر سکے تو لاحاصل ہے۔ البتہ بنیاد سے وابستہ رہتے ہوئے نصاب میں تبدیلی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے جس کے لیے حکومت کے تعلیمی ماہرین اور مختلف وفاق ہائے تعلیم کے ذمہ داران اخلاص اور نیک نیتی سے تعاون کریں تو یہ اہم ترین کام جلد ممکن ہو سکتا ہے۔ بعض دینی مدارس نے اپنے نصاب کے ساتھ حساب، انگریزی اور مطالعہ پاکستان کو نہ صرف جگہ دی ہے بلکہ کمپیوٹر کی تعلیم کو جامعہ ستاریہ جیسے اداروں میں بھی روشناس کرایا گیا ہے۔ مگر قومی سطح پر عمومی پالیسی اور معیاری نصاب کا نہ ہونا باہمی مشاورت سے ہی طے ہو سکتا ہے، تاکہ ملت کے روحانی و مادی تقاضوں کے ساتھ ساتھ قومی اتحاد اور فکری یگانگت پیدا ہو سکے، جو اقوام کی بقا کی بنیاد بنتی ہے۔ پھر یکساں نصاب تعلیم کی موجودگی میں بے شمار شکوک و شبہات رفع ہو جاتے ہیں، جو آج جان بوجھ کر پیدا کیے جا رہے ہیں۔ ان مدارس کی اہمیت اور ان کے فارغ شدہ طلباء کی معاشرے میں خدمات ایک طویل موضوع ہے جس کے بیان کی گنجائش یہاں نہیں۔

دینی مدارس پر خاص توجہ کچھ کچھ سمجھ میں آتی ہے۔ ایک تو ان کے معاشرے پر فعال اثرات بعض حلقوں کو پسند نہیں۔ دوسرا نظریۂ اشتراکیت کے ناکام ہونے کے بعد، نظر کرم ادھر ہوئی ہے۔ مگر ان شاء اللہ اب امپیریل ازم کی باری ہے۔ اس لیے کہ یورپ کا پڑھا لکھا طبقہ اسلام کے خلاف سن سن کر اسلام کی طرف متوجہ ہوا تو بہت سوں کو ہدایت نصیب ہوئی۔ اپنے معاشرے میں بھی ان مدارس کے فرائض پوشیدہ نہیں۔ امام، خطیب، قاضی اور لیڈر مہیا کرنے کے علاوہ ایک ایمان دار صوم وصلوٰۃ کا پابند شہری مہیا کرنا انہی مدارس کا فعال کردار رہا ہے۔ لہٰذا قومی تعلیمی پالیسی میں مدارس کے وجود سے مفر نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت اپنی ذمہ داریاں نبھائے، کیونکہ پرائیویٹ ادارے اتنا بڑا کام نہیں کر سکتے۔ اس کی مثال سعودی عرب کے نظام تعلیم میں ملتی

Marfat.com

ہے کہ وہاں ضروری دینی مطالعہ اور عصری علوم کی کفایت کے ساتھ انگریزی زبان کو بھی پرائمری سے لازم کیا گیا ہے اور خواتین کے لیے اعلیٰ تعلیم کی سہولت الگ سے دستیاب ہے۔

ضروری ہے کہ دینی مدارس کے نصاب میں فی الحال انگریزی اور حساب لازمی کر دیا جائے۔ اس کی کامیابی کے بعد مطالعہ پاکستان اور دیگر مضامین کو مناسب مقدار میں جگہ دی جائے۔ تاہم علماء کرام اور ماہرین تعلیم مل کر ہی یہ فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔ آئی پی ایس بھی بہتر طور پر پل کا کام دے سکتا ہے۔ آخری گزارش یہ ہے کہ ہمارے دینی مدارس کے انتظامی اور ساختیاتی نقائص پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۱۲﴾

مولانا وزیر القادری

کوئٹہ، بلوچستان

بلوچستان میں دینی مدارس کے قیام کا ایک اہم پہلو ان کا مساجد کے ساتھ لازم وملزوم ہونا ہے۔ یعنی بالعموم جہاں مسجد ہے وہاں ایک دو کمرے مزید بنا کر مدرسہ بنایا گیا ہے۔ تاہم کہیں بڑے بڑے مدارس بھی ہیں۔ علماء نے ۱۹۷۴ء میں یہ محسوس کیا کہ مدارس کی اسناد اور ان سے فارغ شدہ علماء کو بھی یونیورسٹیوں یا کالجوں اور سکولوں میں جگہ دی جائے تاکہ یہ وہاں بھی کوئی اسلامی کردار ادا کر سکیں اور اسلامیات اور عربی کے شعبے کو سنبھالیں اور جب لوگ صرف انگریزی تعلیم کی طرف جا رہے ہیں، ان کو دین سے منسلک رکھنے کا ایک ذریعہ بنیں۔ اس کے لیے تنظیم المدارس، وفاق المدارس اور دیگر تنظیمیں بنیں جس کی تفصیل کی اس وقت ضرورت نہیں ہے۔

اس وقت لاکھوں طلباء مدارس کے مختلف شعبوں میں پڑھ رہے ہیں۔ ان طلباء کی خورد و نوش، ان کی تعلیم، علاج معالجہ، ان کے کرائے اور دیگر اخراجات کا پورا بوجھ مدارس ہی پر ہوتا ہے۔ یہ کون پورا کرتا ہے؟ پہلے امداد تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہے۔ لیکن مخیّر حضرات اپنی جیب سے بھی خرچ کرتے ہیں۔ دینی مدارس کی ضرورت ہر موقع پر حکومت اور معاشرے کو رہی ہے۔ حکومت نے بھی ضرورت پڑنے پر ان سے فائدہ اٹھایا ہے۔ لیکن حکومت وقت نے بالعموم علماء اور مدارس کو دُور رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس سے قبل مدارس کی امداد بذریعہ ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ خصوصی تعلیم، زکوٰۃ

Marfat.com

اور اوقاف کے ذریعے ہوا کرتی تھی لیکن پچھلے دس بارہ سال سے ایسا نہیں ہو رہا۔ شاید یہ ان افراد کی کوششوں کا نتیجہ ہے جو علماء کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اتفاق سے برسر اقتدار بھی ہیں۔

حکومت پاکستان نے شعبہ تعلیم کو کمپیوٹر اور دوسرے لوازمات دیے لیکن وہ اب تک مدارس تک نہیں پہنچے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں کمپیوٹر اور دیگر تعلیمی سہولتیں فراہم کی جائیں لیکن ہم حکمرانی نہیں کرنے دیں گے۔ حکمرانی مہتمم کی ہوگی۔ اس لیے کہ مہتمم دینی مدارس کے نصاب کو بہتر جانتا ہے اور طلبہ کے معاملات کو بھی بہتر سمجھ سکتا ہے۔ بلوچستان میں شیخ الحدیث کی تنخواہ چار سے پانچ ہزار ہے۔ اس قدر کم معاوضہ کے ساتھ جو کام وہ کر رہا ہے یہ کسی اور شعبہ میں نہیں ہے۔ پھر بھی دینی مدارس کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

میری خاص طور سے وفاقی وزیر تعلیم سے گزارش ہے کہ مدارس کے بارے میں نصاب سازی ہو تو اس میں علماء کو شریک کیا جائے اور اگر انہیں اعتماد میں لیا جائے تو ہم ہر معاملے میں حکومتی اداروں کے ساتھ تعاون تعاون کرنے کے لیے تیار ہیں۔ تاہم یہ بات سب کے علم میں رہنی چاہیے کہ مدارس میں رائج نصاب میں پہلے ہی انگریزی اور ریاضی شامل کر دی گئی ہے اور اس کے امتحانات بھی ہو رہے ہیں۔

آج کی اس محفل کی وساطت سے میں یہ یاد دہانی بھی کرانا چاہتا ہوں کہ مدارس کو متحد رہنا ہوگا۔ علماء جب تک منتشر رہیں گے، ترقی نہیں کر سکیں گے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۱۳﴾

مولانا فیض الرحمٰن عثمانی

ادارہ علومِ اسلامی، اسلام آباد

میں اس وقت جس رائے کا اظہار کرنا چاہتا ہوں اس کا ایک پس منظر ہے جس کے بغیر میری رائے کی اصل روح شاید آپ کی سمجھ میں نہ آئے۔ وہ پس منظر یہ ہے کہ (بنیادی طور پر میں بھی دینی مدرسے کا فارغ التحصیل ہوں لیکن) جس سال (غالباً ۱۹۶۶ء) میں نے دینی مدرسے میں پڑھنے کا آغاز کیا، اسی وقت سے میں نے محسوس کیا کہ دینی مدارس کے نصاب میں اصلاح کی ضرورت ہے، یعنی ان میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان میں تبدیلی واضافہ اور تدریس کے طریقوں میں بھی اصلاح ہونی چاہیے۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ نظام اور نصاب کو عصری علوم کا کچھ رنگ دیا جائے اور جس سطح اور مقدار میں یہ دینی مدارس میں کھپ سکیں وہ لازماً شامل ہونے چاہییں۔

۱۹۶۵ء سے لے کر ۱۹۸۶ء تک میں مسلسل اس موضوع پر سوچتا اور دینی مدارس سے ہی وابستہ رہا ہوں۔ اس دوران اگرچہ میں یونیورسٹیوں اور کالجوں میں بھی گیا اور ان اداروں سے بھی فیض حاصل کیا لیکن بنیادی طور پر میرا تعلق دینی مدارس ہی سے رہا۔ ۱۹۸۶ء میں ہم نے ایک ادارے کی بنیاد رکھی۔ ادارہ علوم اسلامی (انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سائنسز) کے نام سے یہ ادارہ

Marfat.com

آج نوا ایکڑ رقبے پر قائم ہے جس میں دینی اور عصری علوم کو بڑے موثر انداز میں یکجا کیا گیا ہے۔ گویا دینی علوم میں رسوخ اور دینی برداشت جو دینی اداروں کا امتیاز ہے، اس کو بھی برقرار رکھنے کی کوشش کی اور عصری علوم کو نصاب میں اس طرح شامل کیا ہے کہ گزشتہ کئی سالوں سے راولپنڈی اور فیڈرل بورڈوں کے میٹرک کے امتحانات میں جنرل گروپ میں ہم پہلی پوزیشنیں لے رہے ہیں۔ پس منظر میں نے اس لیے بیان کیا کہ اس وقت میں ذرا تلخ اور تھوڑی سی مختلف بات کہنا چاہتا ہوں۔

اس مجلس میں جو بات سامنے آئی وہ یہ ہے کہ اس وقت یہ ایک سلگتا بلکہ بھڑکتا ہوا مسئلہ ہے۔ صف اول کے مسائل کے طور پر دنیا بھر میں ان دینی مدارس کی اصلاح کی بات ہو رہی ہے۔ اس سلسلے میں اس قسم کی مجالس انتہائی نیک نیتی سے ہو رہی ہیں۔ یہاں علمی تجزیہ ہوتا ہے اور گفتگو دلائل اور براہان کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اس کا اندرونی تاثر الگ ہے اور میں اسے مفید سمجھتا ہوں۔ لیکن کل جب ذرائع ابلاغ میں اس سیمینار کے حوالہ سے بات آئے گی، اس سے عمومی طور پر یہی تاثر بڑی شدت سے ابھرے گا کہ دینی مدارس میں کوئی بہت بڑی کمی ہے جس کو دور کرنا چاہتے ہیں اور دینی مدارس دنیا کے لیے کوئی بہت بڑا فتنہ ہیں لہٰذا اس کی اصلاح کرنی چاہیے!

یوں اس پوری بحث کے دو رخ ہیں۔ میں نے تو خود بھی عرض کیا کہ میں دینی مدارس کی اصلاح کی بات کر رہا ہوں اور محض بات ہی نہیں کر رہا، بلکہ ہم نے تجزیے کی بنیاد پر پچھلے کم و بیش بیس سال سے اس کامیاب تجربے کا مظاہرہ کیا اور بہترین نتائج حاصل کیے ہیں۔ لیکن میں سمجھ رہا ہوں کہ اس وقت دینی مدارس کے خلاف شعوری طور پر ایک سازش ہو رہی ہے جبکہ ہم میں سے کچھ لوگ غیر شعوی طور پر اس سازش کو تقویت دے رہے ہیں۔ چنانچہ اس حوالے سے یہاں ایک عجیب و غریب صورتحال بن چکی ہے۔ مثلاً مجھ سے ایک صحافی نے پوچھا کہ آپ کے ہاں دہشت گردی اور جہاد پڑھایا جاتا ہے۔ جواب میں، میں نے کہا کہ بھئی ہم تو اسلام پڑھاتے ہیں اور اسلام کے کوئی ستر سے اوپر شعبے ہیں جن میں سے ایک شعبہ جہاد ہے، ہم وہ بھی پڑھاتے ہیں۔

Marfat.com

مجھے پاکستان میں کوئی ایسا مدرسہ معلوم نہیں جہاں صرف جہاد پڑھاتے ہوں۔ اور جہاں تک دہشت گردی کی بات ہے، میں چیلنج کرتا ہوں کہ ایک بھی مدرسہ ایسا نہیں کر رہا۔ مجھے کسی وقت بھی کوئی بھی حکومتی کارکن کسی مدرسے سے ایک کلاشنکوف بھی برآمد کر دے تو میں اس کی ذمہ داری قبول کرلوں گا۔ جبکہ یونیورسٹی کے ہاسٹلز سے آپ کلاشنکوفوں کے انبار نکال سکتے ہیں۔ کئی کئی دنوں تک یونیورسٹیاں بند رہتی ہیں۔ لہٰذا جس کی اصلاح ہونی چاہیے اس کی اصلاح کی بات نہیں ہو رہی اور جو خود اصلاح شدہ ہے اس کی اصلاح کی بات ہو رہی ہے۔ مدارس کی اصلاح سے زیادہ عصری اداروں کی اصلاح کی بات ہونی چاہیے۔ مدارس نے معاشرے کو مساجد کے ائمہ، خطیب، مدرس اور مفتی فراہم کرنے کی ذمہ داری لے رکھی ہے، سو وہ یہ سب فراہم کر رہے ہیں۔ یعنی جس شے کی تیاری کے لیے یہ ادارے ذمہ دار ہیں، وہ بخوبی ہو رہی ہے۔ جبکہ سکولوں اور کالجوں نے ذمہ داری لی تھی کہ سائنس دان، بیوروکریٹ اور سیاست دان فراہم کریں گے، وہ ادارے اس مقصد میں کس حد تک کامیاب ہیں، اس کا تجزیہ ہونا بھی لازم ہے۔ مکمل صورت حال کی بہتری اس کے بغیر ممکن نہیں۔ میری بات میں اگر آپ نے تلخی محسوس کی ہوگی تو وہ سچائی کی تلخی ہے اور سچائی میرا مشن ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۱۴﴾

عبدالمجید خارانی

رکن مجلس شوریٰ، جمعیت اہلحدیث

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسلامی مملکتِ پاکستان میں اسلام کی تعلیم وترویج کے لیے کوئی خاطرخواہ انتظام نہیں کیا گیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک زمانے میں سوویت یونین قائم تھا، اس کے پروگرام خاص طور پر بلوچستان میں اسلام کے خلاف کارروائیوں کی صورت میں ہوتے تھے۔ لیکن ان کے جواب میں حکومت کی طرف سے کوئی بات نہیں ہوتی تھی۔ البتہ جو کچھ بھی کیا وہ انہی اہل مدارس نے کیا۔ اب کیا بات ہے کہ کوئی روسی یا امریکی نظام پڑھنا چاہتا ہے تو اسے اجازت ہے۔ کوئی عیسائی یہاں اپنا چرچ یا یہودی اپنے عبادت خانے بنانا چاہتے ہیں تو انہیں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اس بارے میں اسلام کیا پروگرام دیتا ہے اور حکومت اس بارے میں کیوں خاموش ہے؟ یہ بڑے اہم سوالات ہیں۔

مدارس کے بارے میں بے نظیر، نواز شریف اور آج پرویز مشرف صاحب کے زمانے میں بھی بار بار تحفظات کا اظہار کیا جاتا رہا ہے۔ خصوصاً اس کے نظام پر تنقید ہوتی رہی ہے۔ لیکن ہر دفعہ اس بات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ ہمارے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی ۸۰ فیصد کی تعلیمی حالت خستہ ہے۔ سرکاری اداروں کی امتحان گاہوں میں جس بُری طرح نقل ہوتی اور اس سے چشم پوشی کی جاتی ہے، کیا یہ سب حکومت کے علم میں نہیں۔ مدارس میں کلاشنکوف نہیں چلتی نہ ہی

Marfat.com

طلبہ میں تصادم ہوتا ہے۔ جبکہ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ وہاں کے ہاسٹل جماعتوں اور گروپوں کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ اسی طرح عام مشاہدات ہیں کہ لڑکا خاران میں بیٹھا ہوا ہے لیکن اس کے پرچے پنجگور میں حل ہو رہے ہیں۔ کیا یہ پڑھنے والے لوگوں پر ظلم نہیں ہے۔

میں انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اور حکومت سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انہیں اس بارے میں پروگرام مرتب اور اس موضوع پر سیمینار منعقد کرنے چاہییں۔ مدارس کے فارغ شدہ طلبہ کو اپنی یونیورسٹی یا کالج کے امتحانی بورڈ اور اسی طرح درس و تدریس کے سلسلے میں شامل کریں انشاءاللہ ایک سال کی مدت میں تعلیم، اخلاق اور آداب میں نمایاں فرق نظر آئے گا۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۱۵﴾

عبدالمتین اخوندزادہ
قیم جماعت اسلامی کوئٹہ، بلوچستان

مدارس کے حوالے سے بنیادی بات یہ ہے کہ جب حکومتیں مسلمانوں کے پاس نہیں رہیں تو اس کے نتیجے میں مدارس ذاتی اور انفرادی ہو گئے۔ اب بھی نصاب کی تبدیلی پر اصرار کی بجائے راستہ یہی ہے کہ حکومت پہلے اپنی نیت کی اصلاح اور وہ اقدام کرے جن سے مدارس کے لیے بجلی، صاف پانی کی دستیابی اور اسی طرح تعلیمی نظام کے لیے دیگر ضروری سہولتوں کی فراہمی کا اہتمام ممکن ہو جائے۔ اس کے بعد نصاب کی بات ہونی چاہیے۔ اگر نصاب کی تبدیلی کی بات پہلے شروع ہو جائے تو چونکہ خدشات موجود ہیں، اس لیے کوئی بھی عالم، مہتمم وغیرہ بات سننے کو تیار نہیں ہوگا۔

بلوچستان میں مدارس کی دو تین اقسام ہیں۔ اگر مستقبل کی ترجیحات کے حوالہ سے تجزیہ ہو تو جو بڑے مدارس بڑے شہروں میں ہیں ان میں تھوڑی بہت بہتری نظر آئے گی۔ قالین، کمپیوٹر، انٹرنیٹ وغیرہ بعض مدارس میں موجود ہیں، لیکن درمیانے درجے کے مدارس جو چھوٹے قصبوں یا چھوٹے شہروں میں ہیں ان میں یہ بنیادی سہولیات نہیں ہیں جو کہ عام گھر میں یا عام معاشرتی زندگی میں بھی حاصل ہوتی ہیں۔ تیسرا درجہ گاؤں کے مدارس پر مشتمل ہے، دور دراز علاقوں میں واقعی خستہ حالی کے تناظر میں یہاں کے علماء قابل قدر کام کرتے ہیں۔ آئندہ کے لیے بہت سی تجاویز ہو سکتی ہیں لیکن بنیادی تجویز یہ ہے کہ کوئی ایسا ادارہ ہو جو خبر گیری اور آگاہی کا انتظام کرے اور اس کے

Marfat.com

تحت مدارس کے لیے انتہائی ضروری سہولیات فراہم کی جائیں۔اس کے ساتھ ساتھ نصاب میں تبدیلی کی ضرورت مسلّم ہے۔ٹائم ٹیبل اور شیڈول میں بہتری کی بھی ضرورت ہے کیونکہ اس کے بغیر بہت سا وقت ضائع ہوتا ہے۔جبکہ جدید ذرائع یعنی سمعی و بصری معاونات اور جدید ترین مسائل اور سہولیات کی بھی مدارس کو ضرورت ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

﴿۱۶﴾

مولانا انوار الحق حقانی

خطیب، مرکزی جامعہ مسجد پنجابی-کوئٹہ

محترم شفیق احمد صاحب کوئٹہ سے ایم پی اے ہیں۔انہوں نے کچھ باتیں کہیں۔ ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ جہاد مسلمانوں کے خلاف نہ ہو۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ جو اسلامی شرعی جہاد ہے وہ کبھی بھی مسلمانوں کے خلاف نہیں ہوتا۔ یہاں پر جو کچھ فرقہ وارانہ چیزیں ہوتی ہیں۔ ان کو تمام مسالک کے ذمہ دار حضرات نے رد کیا، اور اس کی مذمت کی ہے۔آج اس محفل کے توسط سے میں بھی یہی کہوں گا کہ جو شخص خواہ وہ کسی بھی عقیدے یا مسلک سے تعلق رکھتا ہے، اس قسم کی دہشت گردانہ کارروائیاں کرتا ہے تو نہ اس کو ہم اچھا سمجھتے ہیں نہ اسے مجاہد گردانتے ہیں۔ وہ ایک فاسق اور فاجر آدمی ہے اور فساد کرتا ہے اور حکومت کی ذمہ داری ہے کہ ایسے مفسدین کو پکڑے اور ان کو قرار واقعی سزا دے۔

فرقے بننے کی بات کافی حد تک درست ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے لیے بنیادی حوالہ قرآن وسنت اور پھر اس کے بعد خلافت راشدہ کا دور ہے۔مسلمانوں کے جتنے مکاتب فکر ہیں کم ازکم خلافت راشدہ میں تو کسی نہ کسی بزرگ پر سب متفق ہیں۔کوشش کرنی چاہیے کہ ہم اپنے اعمال، عقائد یا نظریات کو خلافت راشدہ کی راہنمائی تک محدود رکھیں۔ اس سے یہ تفریق کافی حد تک قابو میں آسکتی ہے۔ جہاں تک مدارس کے پانچ وفاقوں میں منقسم ہونے کی بات ہے، ان کے حوالے

Marfat.com

سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر چہ ان کا ادغام فی الفور شاید ممکن نہ ہو مگر آگے چل کر ایسا ممکن ہے کہ تمام وفاق ایک مشترکہ نظامِ امتحان پر متفق ہو جائیں۔

ایک بات یہ بھی کہی گئی کہ اجتہاد کیوں بند ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ جن معاملات سے متعلق قرآن کریم اور احادیث شریف میں واضح ارشادات موجود ہیں ان میں اجتہاد نہیں ہو سکتا اور پہلے بھی کبھی نہیں ہوا۔ اجتہاد ان چیزوں میں ہوا ہے جہاں قرآن و سنت خاموش ہوں۔ اور پھر اجتہاد کسی عام آدمی کا کام نہیں بلکہ اس کے لیے ایک خاص درجے کا علم درکار ہے۔ لہٰذا ایسا اجتہاد ہوتا رہا ہے اور اب بھی پیش آمدہ اور دورِ حاضر کے مسائل میں علماء نے اجتہاد کیا ہے۔ مثلاً انتقال خون، اعضاء کی پیوند کاری یا اسی طرح ٹیسٹ ٹیوب بے بی وغیرہ کے بارے میں علماء کی آراء آ چکی ہیں۔ لیکن عموماً جب اجتہاد کا حوالہ دیا جاتا ہے تو ایسے واضح احکامات کی بات ہونے لگتی ہے جن میں اجتہاد نہیں ہو سکتا۔

نصاب میں تبدیلی لانے کی ضرورت کے حوالہ سے عرض یہ ہے کہ آج سے پندرہ بیس سال پہلے مدارس میں ایسے طلبہ ہوتے تھے کہ دورۂ حدیث تک چلے جاتے تھے لیکن انہیں لکھنا تک نہیں آتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ دستخط کرنا بھی نہیں جانتے تھے حالانکہ پاکستان کے اعلیٰ مدارس سے فارغ التحصیل ہوتے تھے بلکہ بعض تو اُردو کی کتاب بھی نہیں پڑھ سکتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ان کی زبان پشتو، بلوچی یا سندھی ہے تو وہ اُردو کیسے پڑھیں۔ لیکن مدارس میں تبدیلیاں لائی گئی ہیں اور آج تمام امتحانات تحریری ہیں اور تین زبانوں، یعنی اردو، فارسی اور عربی میں جوابات دیے جا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ آٹھویں جماعت تک تو سکول کا نصاب لازم ہے۔ اس کے بغیر آگے داخلہ نہیں مل سکتا اور میٹرک کے لیے بھی نصاب رکھا گیا ہے۔ گویا کچھ تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ اسی طرح مزید تبدیلیاں بھی ہو سکتی ہیں۔

جعلی اسناد کے حوالے سے حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً جہاں سرکاری سکولوں میں ان اسناد کی بنیاد پر ملازمت مل جاتی ہے وہاں خاص طور پر خواتین کو ایسی اسناد جاری ہوئی ہیں،

Marfat.com

اور یہ شکایت پنجاب میں زیادہ ہے۔اسی طریقے سے۲۰۰۲ء کے عام انتخابات کے حوالے سے بھی بعض جگہ ایسی غلطیاں کی گئی ہیں یعنی جعلی ڈگریاں واقعتاً دی گئی ہیں۔ایسے واقعات ہوئے ہیں جنہوں نے یہ غلطیاں کی ہیں سب سے پہلے اگر وہ کسی وفاق میں ہیں تو اس وفاق کے ذمہ داروں کو خود ان کے لیے سزا تجویز کرنی چاہیے کہ انہوں نے غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔اس طرح چند ادارے سارے اداروں کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں۔

آخر میں یہ گزارش کروں گا کہ مدارس چلانے والے علماء بالکل معصوم تو نہیں ہیں۔اہل سنت معصوم صرف انبیاء کو مانتے ہیں اور باقی صحابہ کرام اور آئمہ کرام کو ہم محفوظ سمجھتے ہیں معصوم نہیں،اور اہل مدارس اس زمرے میں نہیں آتے۔اس لیے بہرحال غلطیاں ممکن ہیں۔لہٰذا ان کی نشان دہی ہونی چاہیے اور جس حد تک ہو سکے اس کی اصلاح بھی ہونی ضروری ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

پیش منظر: خلاصۂ بحث اور تجاویز

- قومی پالیسی اور حکومت کا کردار
- تصورِ تعلیم، نصاب اور طریق تدریس
- دینی تعلیم اور تحقیق و صحافت

Marfat.com

Marfat.com

پیش منظر: خلاصۂ بحث اور تجاویز

قومی پالیسی اور حکومت کا کردار

دینی مدارس بلاشبہ ایک قیمتی خدمت سرانجام دے رہے ہیں تاہم اس امر کی ضرورت ہے کہ وہاں سے فارغ التحصیل لوگ ایک مخصوص کام کے ہی قابل نہ ہوں بلکہ معاشرے کے مختلف شعبوں کے لیے اپنی افادیت ثابت کر سکتے ہوں۔ یہ استدلال کہ عالم دین کے لیے ایسے فنون کی تعلیم غیر ضروری ہے جن کا دائرہ تخصص کے ساتھ کوئی براہ راست تعلق نہیں، درست نہیں ہے کیونکہ عصری امور سے ناواقفیت علمائے دین کے سماجی بہبود میں کردار کو محدود کرنے کا سبب بنتی ہے۔ مدارس کے پیش نظر یہ مقصد ہونا چاہیے کہ وہ طلباء کی شخصیت کی ایسی تعمیر کریں کہ وہ مستقبل میں معاشرے کے مفید شہری بن سکیں۔ اگر علماء کرام فی الواقع اللہ کے رسول کے ورثاء ہیں اور حقیقت میں معاشرہ میں قائدانہ کردار ادا کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنے طلبہ میں قائدانہ کردار اور صلاحیت پیدا کرنی ہوگی کہ امت مسلمہ کی ترقی وفلاح کے لیے مطلوب اسلامی فکر وذہن کے رجال کار کی تیاری کے معاملہ میں وہ خود کفیل ہو سکیں۔ تاہم جدید ضرورتوں اور تقاضوں کی تکمیل کے لیے جہاں مدارس کو متوجہ کرنا مشاورت دینا اور ان کے لیے سہولتیں فراہم کرتے ہوئے ترغیبات دینا اہم ہے، وہیں کسی بھی حلقے کی طرف سے اپنے تئیں فیصلے ان پر مسلط کرنا درست نہ ہوگا۔ مدارس کی بہتری کے پروگرام پر عمل درآمد مرکزی سطح پر وفاق اور مدرسہ کی سطح پر مہتمم کے ذریعہ ہو۔ اسی صورت میں یہ تاثر بھی ختم ہو سکتا ہے کہ حکومت مدارس پر کنٹرول حاصل کرنا چاہتی ہے۔

Marfat.com

مدارس کے بارے میں اس خصوصی یاددہانی کے باوجود یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیے کہ مدارس، عام تعلیمی نظام، کیمبرج اور آکسفورڈ کے زیراہتمام علیحدہ علیحدہ نظام ملک کو تقسیم در تقسیم کے عمل میں مبتلا کررہے ہیں۔ اس تناظر میں مثالی صورت تو یہ ہوگی کہ پورے ملک کے لیے یکساں تعلیمی نظام ہو۔ کسی ادارے کو کسی پرائیویٹ یا غیر ملکی ایجنسی سے وابستگی کی اجازت نہ ہو۔ تعلیم میں یکسانیت کم از کم میٹرک اور زیادہ سے زیادہ انٹرمیڈیٹ تک ناگزیر ہے۔ اس مرحلہ کے بعد جس طالب علم نے جس پیشہ ورانہ میدان میں جانا ہو وہ اس کے مطابق اپنی تعلیم جاری رکھ سکتا ہے۔ تاہم اس مثالی نظام کے مطابق منزل کے حصول میں طویل عرصہ لگ سکتا ہے۔ عبوری عرصہ کے لیے ایک ایسا نظام الاوقات طے کرنا ہوگا جس کے دوران دینی مدارس اور دیگر درس گاہیں متوازی اداروں کے طور پر قائم رہیں لیکن ان میں باہم ربط وتعاون موجود ہو۔

دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ کے درمیان ایک طرح کے خاص تعاون کی اہم مثال موجود ہے جب شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے دور میں انہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ دارالعلوم سے کچھ فارغ التحصیل طلبہ علی گڑھ میں انگریزی کی تعلیم حاصل کریں گے اور علی گڑھ سے انگریزی خواندہ طلبہ دارالعلوم دیوبند جاکر علوم اسلامیہ کی تعلیم پائیں گے۔ آج بھی مثال کے طور پر کہ دارالعلوم کورنگی، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن اور جامعۃ الرشید احسن آباد (یہ تینوں کراچی کے ممتاز ادارے ہیں) کی مجالس علمیہ اور جامعہ کراچی اور این ای ڈی کی اکیڈیمک کونسلیں اپنی اپنی کمیٹیاں تشکیل دے کر ان کے مشترکہ اجلاسوں کے ذریعے باہم تعاون کی راہیں تلاش کرسکتے ہیں اور باہم اثر انداز ہوکر پورے نظامِ تعلیم کو فکری اور نظری جہت دے سکتے ہیں۔ درحقیقت باہمی مفاہمت کے تحت ان اداروں میں کچھ ایسے مشترک معیارات کا تعین ہوسکتا ہے جن کی پیروی کرتے ہوئے ان اداروں کے طلبہ کو شہادۃ العالیہ اور گریجویشن کے بعد محدود اور متعین نشستوں پر ایک دوسرے کے اداروں میں داخلے کی سہولت مل جائے۔

دیگر تعلیمی بورڈوں کے ساتھ دینی مدارس کے لیے علیحدہ بورڈ تشکیل دیا جائے۔ نیز دینی

Marfat.com

مدارس میں شروع ہی سے عام سرکاری اسکول کا نصاب پڑھایا جائے اس صورت میں جب تک علیحدہ بورڈ نہ ہو تب بھی کوئی بھی طالب علم کسی بھی بورڈ سے میٹرک کا امتحان دے سکے۔ تاہم مدرسہ کا مہتمم اگر کوئی اضافی کتاب پڑھانا چاہے تو اس پر کوئی اعتراض نہ ہو۔

گویا دینی مدارس یہ تسلیم کرلیں کہ یا تو وہ اپنے نصاب یا داخلے کی شرائط میں یہ چیز شامل کر لیں گے کہ جو طالب علم داخل ہو وہ میٹرک پاس ہو، اور میٹرک پاس کر کے دینی مدارس میں آئے۔ اور اگر کوئی طالب علم میٹرک پاس کیے بغیر دینی مدارس میں آئے تو دینی مدارس کے نصاب میں اس کا اہتمام ہو کہ وہ ابتدائی تین سالوں میں اس کو انگریزی، مطالعہ پاکستان، ریاضی اور جنرل سائنس، یہ چار مضامین میٹرک کی سطح تک پڑھا دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ دینی مدارس میں ہنرمندی (ووکیشنل) کی تعلیم کو بھی فروغ دیا جانا چاہیے جبکہ کمپیوٹر کی تعلیم مدارس کے لیے لازمی (اگرچہ عصری مدارس میں لازمی نہیں ہے) قرار دی جائے۔

جن مدارس کے پاس وسائل نہیں ہیں وہاں میٹرک، ایف اے اور بی اے کی سطح پر پڑھانے کے لیے استاد کی مطلوبہ قابلیت طے ہو۔ مدارس کو اجازت ہو کہ وہ قرب وجوار میں سرکاری تعلیمی اداروں، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے یا ان سے باہر بھی جس مدرس کو چاہیں مقرر کریں۔ مدرس اس کا انتخاب کر کے اطلاع کر دیں تو حکومت ان اساتذہ کی تنخواہ کی حد تک مدارس کی مالی امداد کر دے۔

سکولوں اور کالجوں کی سطح پر دینی تعلیم رائج کی جائے تاکہ جب طالب علم گریجویشن کر لیں تو اسلامی تعلیمات سے بخوبی واقف ہوں۔ اس کی ایک خصوصی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عصری تعلیم میں آرٹس اور سائنس گروپ کی طرح مذہبیات کا گروپ قائم کیا جائے جس میں تقابلی مطالعہ بین المذاہب/ بین المسالک کا عنصر بھی شامل ہو۔

مدارس کے تمام درجات کی اسناد کا اسکول، کالج اور یونیورسٹی سے موازنہ کر کے انہیں مخصوص اسناد/ ڈگریوں کے برابر قرار دیا جائے۔ اس وقت صرف آخری سند کا معادلہ کرایا گیا ہے جو بعض اوقات نظر انداز بھی کیا جاتا ہے۔ نیز دینی مدارس کے ذہین طلبہ کو اسلامی ممالک کی یونیورسٹیوں

Marfat.com

میں اعلیٰ تعلیم کے لیے بھجوایا جائے۔

اسلامی یونیورسٹی کے دائرہ کار کو پھیلاتے ہوئے اسے اختیار دیا جائے کہ وہ دینی تعلیم کے اداروں کو ملحق کرے۔اس طرح دینی مدارس کے لیے ایک راستہ کھولا جائے کیونکہ یہ یونیورسٹی دینی مضامین کی تعلیم کے فروغ کے لیے اکلوتا اعلیٰ ترین ادارہ ہے جس کا کوئی فیڈنگ انسٹی ٹیوشن (Feeding Institutions) نہیں ہے۔دینی مدارس کو اس کے لیے فیڈنگ انسٹی ٹیوشن بنایا جائے۔ یونیورسٹی کے چارٹر میں وسعت پیدا کر کے یہ کمی پوری کی جاسکتی ہے۔اس سے فرقہ واریت کے ازالے میں مدد ملے گی اور فیڈنگ انسٹی ٹیوشن کی حیثیت سے مدارس میں تعلیم ایک معیار پر آجائے گی جبکہ یہ نیا بورڈ بنانے کا متبادل بھی ہوسکتا ہے۔

حکومت اگر چاہے تو معاشرے میں دینی مدارس کے کردار کو وسعت دے سکتی ہے۔ عدالتوں میں قاضی کا تقرر ہو یا اسکولوں اور کالجوں میں عربی، فارسی اور اسلامیات کی تعلیم، یہاں ایسے افراد کو ذمہ داری دی جاسکتی ہے۔البتہ ہر شعبہ کے لیے مخصوص نصاب ہونا چاہیے۔مدارس کے اساتذہ کی تربیت بھی انتہائی ضروری ہے۔حکومت کے تعاون یا اس کے بغیر علماء ملک میں بعض ایسے مدارس قائم کریں جہاں شیعہ سنی دیوبندی بریلوی اور اہلحدیث مکاتب فکر کی اکٹھے تعلیم دی جائے اور ایک دوسرے کی فکر کو پڑھا جائے تا کہ اتحاد و اتفاق کے لیے کام آسان ہو۔ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت اپنی ذمہ داریاں نبھائے، کیونکہ پرائیویٹ ادارے اتنا بڑا کام نہیں کر سکتے۔

حکومت جہاں دوسرے ادارے چلاتی اور انہیں فنڈ مہیا کرتی ہے وہاں مدارس کے لیے بھی چند چیزوں میں حکومت کو رعایت فراہم کرنا چاہیے۔مثلاً بجلی، گیس اور پانی مفت کر دیں اور یا کم ازکم ان سے وہ چارجز لیں جس میں نفع یا دیگر ٹیکس شامل نہ ہوں۔اسی طریقے سے پانی کی ٹینکیاں وغیرہ تعمیر کی جائیں تا کہ بچوں کو پینے کا صاف پانی فراہم ہوسکے۔دینی مدارس کے اساتذہ کے لیے ریٹائرمنٹ کی عمر مقرر کر کے ان کو پنشن پر جانے کا حق دیا جائے اس سلسلہ میں حکومت خصوصی فنڈ مہیا کرے۔دیگر سرکاری ملازموں کی طرح دینی مدارس کے اساتذہ کو علاج معالجہ کی سہولیات دی

Marfat.com

جائیں۔ نیز رہائشی اسکیموں میں ترجیحاً دینی مدارس کے اساتذہ کو اہمیت دی جائے ان کے لیے اسکیموں میں اراضی مختص کی جائے۔ پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو انعامات اور میڈل دیے جائیں۔ اور اعلیٰ صلاحیت کے حامل منتخب طلبہ کو مطالعاتی دوروں پر یا اعلیٰ ڈگری کے حصول کے لیے ملک سے باہر بھیجا جائے۔ اس نوعیت کے اقدامات حکومت کے بارے میں اعتماد کی بحالی کے حوالہ سے بھی مؤثر ثابت ہوں گے۔

مدارس کا باقاعدہ سروے کر کے ان کی درجہ بندی کی جائے، ان کی ضروریات کا تعین کیا جائے اور پھر ہر کیٹیگری کے مطابق مدارس کی ترقی و بہتری کے لیے حجم اور ضروریات کے حساب سے منصوبہ بندی کی جائے۔

تصورِ تعلیم، نصاب اور طریق تدریس

مدارس کے موجودہ نصاب کو آگے بڑھانے کے لیے کیا ہوسکتا ہے؟ اس پر مسلسل غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس میں اسلامی تشخص، علوم اور جدید وسائل تدریس سبھی کچھ ہونا چاہیے۔ اپنے نظریاتی تشخص پر کبھی بھی سودابازی نہیں کی جانی چاہیے۔ لیکن تبدیلی کا آغاز تجدید نصاب کے ذریعے سے کچھ اس طرح سے ہونا چاہیے کہ تھوڑے عرصے میں پورے ملک کا نصاب ایک ہو جائے۔ نصاب میں بہتری اور اسے مربوط بنانے کا عمل علماء کی بااختیار کمیٹی سے کروایا جائے۔ قدیم نصاب کی نسبتاً غیر متعلقہ کتب، قدیم یونانی فلسفہ اور اس کی کتابیں خارج از نصاب کرنے پر غور کیا جائے (البتہ ایسے مواد کو اضافی مطالعے کے لیے لائبریریوں میں دستیاب رہنا چاہیے)۔ زندگی تبدیلی کا نام ہے اگر نصاب تعلیم وقت کے روحانی و مادی تقاضوں کو پورا نہ کر سکے تو لا حاصل ہے۔ البتہ بنیاد سے وابستہ رہتے ہوئے حکومت کے تعلیمی ماہرین اور مختلف وفاق ہائے تعلیم کے ذمہ داران اخلاص اور نیک نیتی سے تعاون کریں تو یہ اہم کام جلد ممکن ہوسکتا ہے۔

تمام مدارس تمام علوم پڑھائیں۔ تمام فقہوں کی امہات الکتب تمام مدارس میں پڑھائی

Marfat.com

جائیں۔ ممکنہ حد تک سب اداروں میں یکساں نصاب تعلیم مقرر ہو، مسلک پر زور دینے کی بجائے قرآن حکیم کی تعلیم وتدریس ایک عالمگیر کتابِ ہدایت کی حیثیت سے کی جائے اور سنت اور سیرت یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا مطالعہ ایک عالمگیر ہادی کے طریق زندگی کے طور پر کیا جائے۔ اسی طرح فقہ واصول فقہ کے مضمون کے ساتھ مروج قوانین اوران کے ارتقاء کا مطالعہ بھی کیا جائے تاکہ مدرسہ معاشرے کو قانون کے دائرے میں رہ کر کام کرنے کی صلاحیت کے حامل موزوں افراد کا رفراہم کر سکے۔ مدارس کا اصل نصاب قرآن اور حدیث ہے۔ اور قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لیے عربی زبان اوراس سے متعلق مضامین اس میں شامل ہونے چاہییں۔

معاشی نظام کے حوالے سے اسلام کی تعلیمات میں جامع راہنمائی موجود ہے۔ تاہم علمائے کرام اس ضمن راہنمائی اسی وقت فراہم کر سکتے ہیں جب وہ جدید اقتصادی مسائل اوراس حوالے سے آج کی زبان سے آگاہ ہوں۔ جدید یعنی اسلامی معاشیات (بیع، ہدیہ وغیرہ، بیع وشرأ وغیرہ) کو شامل نصاب کر کے جدید اصطلاحات میں پڑھا اور سمجھا جائے۔ یہ مقصد اسلامی معاشیات و جدید معاشیات کے تقابلی مطالعہ کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ تاکہ مدارس کے گریجویٹ جدید معاشیات سے آگاہی کے بعد بہتر تقابلی استدراک کے ساتھ اسلامی اقتصادیات کے فروغ میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔ مدارس اپنے اصل نصاب کو برقرار رکھتے ہوئے اگر یونان کے فلسفے کی زائد کتابیں نکال کر اس کی جگہ انگریزی زبان کو دے دیں تو یہ ضرورت بڑی حد تک پوری ہو جاتی ہے۔ انگریزی زبان اب انگریز کی زبان نہیں رہی بلکہ عالمگیر عملی زبان بن چکی ہے۔ اسی طرح کمپیوٹر اور آئی ٹی سے تعارف بھی ہو جانا چاہیے۔ اس کے ماہرین ظاہر ہے فوری طور پر مدارس میں تیار نہیں ہوں گے، تاہم مناسب انتظام وانصرام کے بعد ایک خاص مرحلے پر دینی مدارس اس حوالے سے بھی خود کفیل ہو سکتے ہیں۔

زمینی علوم یعنی کیمسٹری، جینیات، شماریات، حیوانیات وغیرہ کی اہمیت مسلمہ ہے لیکن ان کے عمومی تعارف سے زیادہ ان میں مدارس کے طلبہ کو الجھایا نہ جائے۔ ایسی صورت میں نہ یہ

Marfat.com

سائنس کے کام کے رہیں گے نہ دین کے کام کے۔

خاندان کے ادارہ کی اسلامی معاشرت میں غیر معمولی اہمیت ہے۔اس ادارہ کو کس طرح محفوظ اور مؤثر بنایا جائے، اس کے لیے بنین سے زیادہ بنات کے مدارس کے قیام اور ان کے ذریعہ خواتین کی علمی حوالے سے تربیت ضروری ہے۔خواتین تربیت یافتہ ہوں اور انہیں احساس دلایا جائے تو موجودہ عالمی صورت حال میں وہ ایک اہم کردار ادا کرسکتی ہیں کیونکہ خواتین کا اہم ترین رول ماں کا ہے جو شخصیت کی تعمیر کے ابتدائی مراحل کے دوران مؤثر طور پر ادا ہونا چاہیے۔ خاندان کے ادارہ کی حفاظت کے حوالے سے یہ ضروری نہیں کہ کوئی نیا اور بڑا بوجھ دینی مدارس کے طلبہ پر ڈال دیا جائے۔اس کے لیے مختصر دورانیہ کے خصوصی کورسز مکتفی ہو سکتے ہیں۔

ان تمام ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ نصاب میں ضروری تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔بہت ساری کتابیں ایسی ہیں جن میں تکرار اور اعادہ ہے۔کوشش یہ ہونی چاہیے کہ انہیں کم کردیا جائے اور انہیں ایک مربوط طریقے سے پڑھایا جائے۔ بہت سی کتب کی زبان بہت مغلق ہے کیونکہ یہ دور وسطیٰ میں لکھی ہوئی کتابیں ہیں۔ان میں بھی اصلاح اور کچھ زائد مواد شامل کرنے کی ضرورت ہے۔بہتر ہوگا کہ عہدِ جدید کے علماء ان کتب کو اصل حوالہ جات کا لحاظ رکھتے ہوئے نئے سرے سے مرتب کریں۔

نصاب میں بہتری کے حوالہ سے یہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ علوم مادیؔ کی تحصیل میں بھی علم وحی کو ہی معین ونگران بنایا جائے۔مغرب سے آنے والی ہر تحقیق اور علم کو حرف آخر نہ سمجھا جائے بلکہ اسے ''وحی'' کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔کیونکہ وحی حق ہے اور باقی سب ظن وتخمین۔دوسری جانب مدارس میں مذہبی منافرت،فرقہ پرستی اور سیاست کا خاتمہ کرنا ہوگا۔نیز صبر وتحمل کا درس اور عقائد کو نہ چھیڑنے کی ہدایت کرنا لازم بھی ہوگا۔

یہ امر خوش آئند ہے کہ دینی مدارس نے خواتین کی تعلیم پر توجہ دی ہے۔اور اب صرف خواتین کے لیے مخصوص دینی تعلیم کے ادارے بڑی تعداد میں قائم ہوگئے ہیں۔ایسا ممکن ہونا چاہیے کہ

Marfat.com

خواتین تخصص کے درجہ تک کی تعلیم دینی ماحول میں حاصل کرسکیں۔

مدارس میں اساتذہ کی تربیت کے لیے کوئی انتظام نہیں جب کہ دنیا میں ہر جگہ یونیورسٹی، سکول اور دیگر اداروں میں رجال کی تربیت کے لیے ادارے موجود ہیں۔ اگر مدارس کے لیے بھی وفاق کی سطح پر کوئی ادارہ قائم ہو تو نوجوان اساتذہ کو باقاعدہ تربیت دے کر انہیں موثر استاد بنایا جاسکتا ہے۔ تربیت سے مراد اخلاقی تربیت ہی نہیں بلکہ فن تدریس کی تربیت بھی ضروری ہے (جامعۃ الرشید کراچی میں اس کا اہتمام موجود ہے)۔ اسی طرح دوسرے ادیان کو سمجھنے کے لیے بھی ملکی سطح پر ادارے قائم کرنے چاہییں۔

مدارس کے اساتذہ کو صرف ونحو اور دوسرے علوم، جو کہ قرآن وسنت کے سمجھنے میں معاون ہوتے ہیں، کی تدریس کے لیے نئے طریقوں سے واقف ہونا ضروری ہے۔ دینی مدارس اگر جدید سمعی وبصری ذرائع یعنی الیکٹرانک میڈیا کا استعمال کریں تو بہت کم وقت میں طلبہ تک بہت زیادہ علم منتقل کرسکتے ہیں۔ اگر مختلف اہم موضوعات پر مدارس میں ورکشاپیں منعقد ہوں اور اس مقصد کے لیے پروجیکٹر اور ٹرانسپرینسی وغیرہ کا استعمال کیا جائے تو مختصر وقت میں بہت بڑا کام کیا جاسکتا ہے۔ البتہ اس کے لیے ایک چیلنج ایسے اساتذہ کی تیاری ہے جو ایسے نظام میں کام کرنے کے اہل ہوں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ریفریشر کورسز کا اہتمام کرنا ضروری ہوگا جس کے لیے اساتذہ کی چھٹیوں کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ساتھ ساتھ کمپیوٹر اور معلومات کے دیگر ذرائع، جن سے طالب علم علمی طور پر زیادہ سے زیادہ استفادہ کرسکے، کا سکھانا بھی ضروری ہے۔

طالب علم کو اس قابل بنانا کہ وہ دور جدید کے فتنوں کا کماحقہٗ ادراک کرسکے اور اس دور کی تعلیمات کو قرآن وسنت کی تعلیمات پر منطبق کرسکے، مدارس کا بنیادی مقصد ہونا چاہیے۔ مدرسہ میں طالب علم ۲۴ گھنٹے رہتا ہے اس لیے اس کی تربیت کے غیر معمولی مواقع میسر ہوتے ہیں۔ ان مواقع سے استفادہ کا مناسب بندوبست ہونا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ مدارس میں اساتذہ اپنے مضامین کو پورے سال میں اس طرح سے تقسیم کریں کہ تعلیمی سال کے

Marfat.com

اختتام تک کورس مکمل ہو جائے۔ اس سلسلے میں مدرسے کی انتظامیہ اساتذہ سے سال کے آغاز ہی میں مضامین کی مرحلہ وار تقسیم کا تقاضا کر سکتی ہے۔ مدارس کے لیے کچھ یکساں نصاب، جس پر پانچوں بورڈ متفق ہوں اور جس میں جدید علوم شامل ہوں ترتیب دینے کے لیے ہائر ایجوکیشن کمیشن اور انٹر بورڈ کمیٹی آف چیئرمین اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

اس امر پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ملکی سطح پر چار پانچ ادارے خصوصی طور پر مدارس کے لیے قائم کر دیے جائیں۔ میڈیکل کالج، لاء کالج یا عمرانی علوم اور مینجمنٹ کے لیے کوئی ادارہ قائم کیا جائے۔ تاکہ یہاں سے فارغ التحصیل افراد کو ان اداروں میں خصوصی طور پر تعلیم دی جا سکے۔ اسی طرح دینی تعلیم کے بہت سے ادارے زیادہ تر صبح کے وقت کام کرتے ہیں۔ شام کے وقت کام کرنے والے مدارس بہت کم ہیں۔ ایسے ہزاروں لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ دینی علوم حاصل کریں لیکن جب وہ معلومات حاصل کرنے جاتے ہیں تو ان کے لیے کوئی ادارہ ہی نہیں ہوتا۔ ایسے افراد کو مخصوص دینی تعلیمی اداروں کی شام کی نشست میں داخلہ دیا جا سکتا ہے۔

یونیورسٹی بالعموم کسی پرائمری ادارے کی دیکھ بھال نہیں کرتی، اس کا اپنا معیار اور دائرہ کار ہے۔ جبکہ مدارس میں بڑے بڑے اداروں نے بھی ناظرہ کا شعبہ کھول رکھا ہے۔ ابتدائی سطح کی تعلیم سے متعلق شعبے چھوٹے مدارس کے حوالے کر دیے جانے چاہئیں۔ بہتر تعلیمی ماحول کے حوالہ سے طلبہ کے لیے مناسب کھانے اور رہائش کا بندوبست اور معیاری اساتذہ کی فراہمی بھی مدرسہ کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ کھیل کود کا مناسب انتظام بھی ہونا چاہیے۔ حفظان صحت اور صفائی کا خیال مہتممین مدرسہ اپنی ذمہ داریوں میں شامل کریں۔

مدارس کے وفاقوں کے قیام کے بعد اب مدارس کے امتحانات کا طریقہ جدید ہو گیا ہے مگر اسے زیادہ موثر بنانے کی ضرورت ہے۔ تحریری امتحان کے ساتھ زبانی (Oral) امتحان لازمی قرار دیا جائے تاکہ طلبہ میں بحث اور گفتگو کی صلاحیت پیدا ہو اور ان کی ہچکچاہٹ ختم ہو۔ نیز ان میں صحیح عبارت پڑھنے کی استعداد پیدا ہو۔

Marfat.com

بہتر تعلیمی ماحول کے حوالہ سے طلبہ کے لیے مناسب کھانے اور رہائش کا بندوبست اور معیاری اساتذہ کی فراہمی بھی مدرسہ کی بنیادی ذمہ داری ہے۔

دینی تعلیم اور تحقیق وصحافت

اسلامی علوم میں تحقیق کی صورت حال کسی طور تسلی بخش نہیں ہے۔ دینی مدارس ہوں یا یونیورسٹیوں کے شعبہ ہائے اسلامیات وعربی، دراصل وہ ایک ہی منزل کے راہی ہیں۔ آپس میں معلومات اور تجربوں کے تبادلے سے منزل کی طرف بہتر طور پر قدم اٹھائے جا سکتے ہیں۔ اسلامی موضوعات پر تحقیقی رجحانات کی بطورِ خاص حوصلہ افزائی کرنی چاہیے اور اس عمل میں اپنا حصہ ڈالتے رہنا چاہیے۔

دینی مدارس کے مختلف وفاقوں کو الگ الگ اور مشترکہ فورم پر اجتماعی حیثیت سے صورت حال کا جائزہ لینا چاہیے اور خود احتسابی کے جذبہ کے ساتھ ان خامیوں کو دور کرنے کے لیے مشترکہ حکمت عملی وضع کرنی چاہیے جن کے باعث آج دینی مدارس علوم دینیہ میں گہرا رسوخ رکھنے کے باوجود تحقیقی وتصنیفی میدان میں بہت پیچھے دکھائی دیتے ہیں۔

دینی مدارس کی قیادت کو آج کے اس خوفناک چیلنج کا ادراک واحساس کرنا چاہیے جو عالمی تہذیبی کشمکش کے حوالے سے مسلم امہ کو درپیش ہے اور جس میں انسانی حقوق اور گلوبلائزیشن کے عنوان سے مسلمانوں کے عقائد وافکار، تہذیب وثقافت، خاندانی نظام، معاشرتی اقدار اور مسلم ممالک کے اسلامی تشخص کو مسلسل ہدف بنایا جا رہا ہے۔ اس کشمکش کے علمی، اعتقادی اور ثقافتی پہلوؤں کو اجاگر کرنا، فکر وفلسفہ اور علم وتحقیق کے جدید ہتھیاروں کے ساتھ اس یلغار کا سامنا کرنا اور مسلمانوں کو اس سیلاب بلا سے محفوظ رکھنے کے لیے ان کے گرد تعلیم وتربیت، دعوت واصلاح اور فکری بیداری کا حصار قائم کرنا اپنے اہداف ومقاصد کے حوالے سے دینی مدارس کی ذمہ داریوں میں شامل ہے اور انہیں اس اہم ترین ذمہ داری سے صرف نظر نہیں کرنا چاہیے۔

Marfat.com

تحقیق کے ذریعے مسائل کو حل کیا جائے نہ کہ مسائل پیدا کیے جائیں۔ ماضی سے جڑے رہنے یا ترقی کے زعم میں ماضی سے کٹنے کی بجائے اسی کا ارتقاء اور اس سے قرب کے راستے دریافت کیے جائیں۔ ایسے موضوعات میں وہ تمام عنوانات شامل ہو سکتے ہیں جن میں مختلف مکاتب فکر کے مابین حساس موضوعات پر مبنی برانصاف تحقیق کے ذریعے ہر دو فریق کے لیے معتدلانہ مؤقف کی نشاندہی کی کوشش کی جائے۔

دینی مدارس کو تین سطح کے علمی کاموں تک رسائی کو اپنے اہداف و مقاصد میں شامل کرنا اور ان کے طریق کار سے استفادہ کرنا چاہیے:

اوّل، بین الاقوامی سطح پر وہ مسلم اور غیر مسلم علمی و تحقیقاتی ادارے جو دینی مدارس کی دلچسپی کے موضوعات پر کام کر رہے ہیں اور ان کی علمی کاوشیں مختلف حوالوں سے سامنے آ رہی ہیں۔ دوم، پاکستان اور دیگر مسلم ممالک کے علمی ادارے اور تحقیقاتی مراکز جو ان موضوعات پر کام میں مصروف ہیں۔ اور سوم، دوسرے مسالک اور مکاتب فکر کی علمی تحقیقات اور مساعی جو جدید پیش آمدہ مسائل پر علمی جدوجہد کر رہے ہیں۔

فرضی موضوع پر تحقیق کرنے یا کسی سابقہ تحقیق میں عنوان کی معمولی سی تبدیلی کر کے تحقیق کرنے کے بجائے مناسب ہو گا کہ مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ کی ایک معقول تعداد مختلف جامعات میں پی ایچ ڈی کرے۔ ماہرین اجتماعیات کے علاوہ استشراق اور تقابل ادیان و ثقافت کے مختلف شعبہ ہائے حیات کے ماہرین کو موضوع کے تعین اور تجویز کرنے میں شامل کیا جائے۔ دوسری جانب پاکستان میں مصروف عمل اسلامی اداروں مثلاً اسلامی نظریاتی کونسل، وفاقی شرعی عدالت، بینکنگ کونسل اور محکمہ زکوٰۃ اور بیت المال وغیرہ کے نمائندوں کو ایڈوانس سٹڈیز بورڈ کے اجلاس میں بھی شریک کیا جانا چاہیے اور ان کو درپیش مسائل پر طلبہ سے تحقیق کرائی جائے۔

جہاں تک دینی مدارس میں تحقیق اور تعلیمی نصاب کا تعلق ہے اس میں تقابل ادیان اور اسلامی دنیا میں غیر اسلامی تحریکوں کا مطالعہ شامل کیا جانا چاہیے، لیکن یہ مطالعہ ابتدائی سالوں کے

Marfat.com

بجائے انتہائی آخری سالوں میں کرنا چاہیے تاکہ بے لاگ تحقیق کے لیے جو صلاحیت کار طالب علم کو درکار ہے اسے حاصل ہو چکی ہو اور وہ تعصّبات سے پاک تحقیقی عمل سے بہ آسانی گزر سکے۔

قرآن مجید، حدیث، سیرت اور عصر حاضر کے مسائل کی روشنی میں مخصوص موضوعات پر تحقیقی کام کے لیے ایسے ادارے قائم کیے جائیں جو خصوصی طور پر کسی ایک موضوع پر بھی کام کے ذمہ دار ہوں۔ یہ کام حکومت اور نجی شعبہ دونوں سطح پر توجہ کا متقاضی ہے اور باہم اشتراک اور علیحدہ علیحدہ دونوں بنیادوں پر ممکن ہے۔

جدید سائنس کو درپیش مسائل سے متعلق اسلامی شریعت کی راہنمائی حاصل کرنے کے لیے اس کی تعلیمات میں استشہاد کی ضرورت سے انکار نہیں مگر اس کے لیے اصولی ڈھانچے میں تحریف کی جسارت کی بجائے اسے سمجھنے اور نیت نیتی سے تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ جس طرح مغرب کے اندر استشراق ہے، ہمارے مدارس اور یونیورسٹیوں میں ایک چھوٹا سا مگر سنجیدہ گروپ استغراب کا ہو جس میں مغربی افکار، سوچ، مغربی تاریخ اور مغربی انسان کی نفسیات کا احساس مرعوبیت کے بغیر ناقدانہ مطالعہ ہو۔

ہم اس طرف بھی متوجہ ہوں کہ مغرب نے مادی ترقی کیسے کی اور اس ضمن میں ان کے کیا افکار و حالات ہیں؟ ہمیں ان کی نفسیات اور افکار کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس ضمن میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ مادی ترقی نے مغربی معاشروں کو جو قباحتیں دی ہیں ان سے تحفظ کیسے ہو۔

اسلامی تاریخ، بالخصوص سپین میں مسلمانوں کے زوال، صلیبی جنگیں، ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت اور زوال، نیز منگولوں کی آمد اور عباسی خلافت کا خاتمہ وغیرہ، سب بہت اہم موضوعات ہیں۔ جب تک ہمارے دینی سکالرز، علماء اور طلباء کو ان حالات کا پتا نہ ہو وہ جدید دور میں اپنے لیے راستے کا انتخاب نہیں کر سکتے۔

دینی مدارس میں اختلاف رائے اور تعبیری تنوع کو باقاعدہ ایک حصے کے طور پر نصاب میں شامل کیا جائے۔ دیگر فقہ کی امہات الکتب سے ایک خاص درجے کے بعد طلباء کو متعارف کروایا

Marfat.com

جائے۔ظاہر ہے کہ ہرایک کے لیے یہ ممکن نہیں ہے مگر کچھ ادارے اور افراد ایسے ہونے چاہییں جو اس پر توجہ مرتکز کریں۔ جو قدیم مذاہب اور افکار اب ختم ہو گئے ہیں، ان کا تاریخی طور پر تو ہم مطالعہ کر سکتے ہیں لیکن اس وقت نئے افکار کا مطالعہ زیادہ ضروری ہے۔

تحقیق کے حوالہ سے اس امر پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ پانچوں وفاق مل کر ایک مجمع الفقہ قائم کریں۔ جہاں پر اختلافی مسائل کو حل کیا جا سکے۔ اگر رجسٹریشن کے مسئلے پر پانچوں وفاق اکٹھے ہو گئے ہیں تو اس کا دائرہ زیادہ امور تک بھی بڑھایا جا سکتا ہے۔ غیر ملکی زبانوں کی تدریس کے حوالہ سے بھی بات صرف انگریزی زبان تک ہی محدود نہیں رہنی چاہیے بلکہ ایک جامع ادارہ کے قیام کی ضرورت ہے جہاں کئی زبانوں کی تدریس ہو اور وہ مدارس اپنے انتظام کے تحت قائم کریں۔ یقیناً الگ الگ ہر وفاق کے لیے یہ مشکل ہو گا لیکن سب مل کر ایسے ادارے قائم کرنے کا فیصلہ کریں تو مشکل نہ ہو گا۔

مغرب کی بہت سی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کے اداروں کو تجارتی و اجتماعی ادارے مالی اعانت فراہم کر کے اپنے مطلوبہ موضوعات پر ان سے تحقیق کراتے ہیں۔ اس سلسلے میں توجہ دینے، تحریک دلانے اور پالیسی وضع کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

تمام مدارس اور طلبہ کے لیے اگرچہ یہ ممکن نہ ہو مگر یہ لازم ہے کہ کچھ منتخب علماء اور خواتین عالمات کو جدید موضوعات کے بارے میں اس نقطۂ نظر سے باقاعدہ تربیت دی جائے کہ عالمی مسائل، مطالبات اور تقاضوں کی روشنی میں وہ اپنے مؤقف کو مضبوط دلائل کے ساتھ اور مؤثر انداز میں پیش کرنے کے قابل ہوں۔ اس کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن کریم اور علومِ اسلامیہ کو اصل عربی مآخذ کے ذریعے سمجھا جائے اور پھر علماء میں سے کچھ ایسے باصلاحیت لوگ ہوں جو انگریزی اور دوسری بین الاقوامی زبانوں میں یہ پیغام غیر مسلموں تک پہنچا سکیں۔ ابلاغ میں عصری اور بین الاقوامی زبانوں کا محاورہ موجود ہونا وقت کا ایک اہم تقاضا ہے۔

دینی صحافت کے مباحث کے علاوہ ان کی طباعت و اشاعت، اصول ابلاغ اور زبان اور

Marfat.com

طباعت واشاعت کا تجزیہ کرنا اور اسے بہتر بنانا بھی ضروری ہے۔ معیار کو بہتر بنانے کے لیے عملے میں تعلیم یافتہ صحافی اور تربیت یافتہ افراد کو شریک رکھنا ضروری ہے تاکہ وہ ان رسائل کو مرتب کرتے وقت تکنیکی اور فنی پہلوؤں کو مدنظر رکھ سکیں۔ ہر رسالے کے سرپرست کو چاہیے کہ وہ ایم اے ابلاغیات (صحافت) عملہ رکھے یا اپنے افراد کو یہ ایم اے کروائے۔ ریسرچ کے بنیادی اصول بھی انہیں معلوم ہوں۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ دیگر ادارے چھوٹے چھوٹے شارٹ کورسز کروائیں جن میں بنیادی چیزیں سکھادی جائیں جس سے تحقیق اور ابلاغ دونوں کا معیار بہتر ہو۔

ان رسائل وجرائد میں کام کرنے والے عملے کے لیے مختلف تربیتی کورسز میں ایڈیٹروں، رپورٹروں اور مترجمین کو خصوصی تربیت دی جائے تاکہ وہ مجلّاتی صحافت کے میدان میں اپنی صلاحیتوں کو بہترین انداز میں استعمال کرسکیں۔ مدارس کی ایک اہم ذمہ داری معاشرے کو خطیب، امام جماعت، مبلغ اور قرآن کریم کی تعلیم دینے کے لے استاد کی فراہمی ہے۔ اس شعبہ سے وابستہ طلبہ کو متعلقہ دینی کورس پڑھانے کے ساتھ ساتھ دعوت وتبلیغ کے نئے طریقے اور جدید تکنیک اور تعلقات عامہ (Public Relations) کا کورس کرایا جائے۔

ضرورت ہے کہ دینی مدارس کے پاس زیادہ سے زیادہ جدید ٹیکنالوجی ہوتا کہ وہ اس کے ذریعے سے بہتر سے بہتر کام کرسکیں اس لیے کہ جدید ٹیکنالوجی وقت محنت اور وسائل تینوں ہی میدانوں میں سہولت پیدا کرتی ہے۔ نیز مندرجات اور زبان کو جدید تعلیم یافتہ، ذہن اور نوجوان نسل کے لیے پرکشش، آسان اور دلچسپ بنایا جائے۔

دینی رسائل کو عوام الناس کے لیے زیادہ فائدہ مند بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ان میں جزوی اور فروعی مسائل پر زور دینے کی بجائے مشترک قدروں پر ایک دوسرے سے تعاون اور اختلافی پہلوؤں میں مثبت اور عدم جارحیت کا انداز اختیار کیا جائے۔ دوسری جانب حکومتی سرپرستی کے علاوہ ایڈورٹائزنگ ایجنسیوں کو بھی ان رسائل کو اشتہارات دینے پر متوجہ کیا جائے تاکہ ان کی حالت بہتر ہوسکے۔

Marfat.com

مذاہب کے تقابلی جائزے کے حوالہ سے ہم کتنے Objective ہیں؟ تحقیق اور ابلاغ کے حوالہ سے یہ بھی ایک اہم موضوع ہے۔اس کے لیے باقاعدہ نظام اور ضابطۂ اخلاق کی ضرورت ہے۔

جرائد کی درجہ بندی اور ان میں صحت مند مقابلہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ جس کے بعد یہ کہا جاسکے کہ پاکستان، جنوبی ایشیا، مشرق وسطی یا پوری دنیا میں وہ اسلامک ریسرچ جرنلز ہیں جن کو ہم اے کلاس اسلامی جرنلز سمجھتے ہیں۔

آج کی دنیا میں مختلف اداروں اور تنظیموں کے ایک دوسرے میں مدغم ہونے کا رجحان ہے ایسا ہی دینی تنظیموں کو بھی کرنا چاہیے۔اس بارے میں غور کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔اپنی چھوٹی چھوٹی قوتوں کو جمع کریں اور ایک بڑی قوت بنیں۔اس کے بعد آج کی ضرورت کے مطابق ذرائع ابلاغ کی مدد سے رسائی ساری دنیا تک ہوسکتی ہے۔اگر اپنا ٹی وی چینل نہیں بھی ہے تو یہ گنجائش ہے کہ ٹائم خرید لیا جائے۔ وہ وقت گزر گیا کہ ٹیلی وژن کا استعمال حرام سمجھا جاتا تھا۔ عملاً سب لوگ اسے استعمال کررہے ہیں اور اگر استعمال شروع ہو چکا ہے تو اس کا اور دیگر الیکٹرانک میڈیا کا اپنے اہداف کے حصول کے لیے استعمال ضروری ہے۔اس حوالے سے مدارس کی پالیسی واضح ہونی چاہیے۔

چند بڑے رسائل ہونے چاہییں جن میں آج کے عصری مسائل زیر بحث لائے جائیں۔ یہ کام عالمی اور قومی سطح پر ہونا چاہیے۔ البتہ اس کے لیے کسی عالمی زبان کی ضرورت ہے۔ غیر مسلموں سے ابلاغ اپنی زبان یا کسی بین الاقوامی زبان میں ہوسکتا ہے۔اس کے لیے تیاری کرنی چاہیے۔ بہت سے ادارے موجود ہیں جہاں تربیتی ورکشاپ اور ریفریشنگ کورسز ہوسکتے ہیں۔ محدود وسائل کے اندر رہتے ہوئے اپنی باتیں کس انداز سے ان کو پیش کرسکتے ہیں، اس پر غور کی ضرورت ہے۔ قومی سطح پر بھی ایک بڑی کمی محسوس ہوتی ہے اور وہ یہ کہ انگریزی کا کوئی رسالہ یا انگریزی میں مضمون لکھنا تو دُور کی بات ہے انگریزی میں کسی اخبار میں کوئی مراسلہ لکھنے کی روایات بھی نہیں ہے۔ دینی مدارس میں یہ بہت بڑی کمی ہے کہ انگریزی میں اظہار خیال نہیں کرسکتے۔ اس وقت انگریزی کی نہ صرف تعلیم وتدریس ضروری ہے بلکہ باقاعدہ کوشش کرکے ایسے لوگ تیار کرنے کی

Marfat.com

ضرورت ہے جو انگریزی میں اظہار خیال کرسکیں، اخبارات اور رسائل میں مضامین لکھ سکیں اور اس اظہار خیال کو اسی اسلوب کے اندر رکھیں جو سنت کا اسلوب ہے۔ اپنی حدود، اپنے مقاصد اور اپنے ذہن کو سامنے رکھیں دنیا کی بات سنیں اور آرام سے اس کا جواب دیں۔

دینی جرائد ورسائل کا ایک مرکزی بورڈ قائم ہو جائے تو شاید بہت ساری کوتاہیوں کا ازالہ ہو جائے اور اس کے لیے نئے وسائل تلاش نہ کرنا پڑیں۔ جس طرح ادبی رسائل کی ملک میں ایک انجمن ہے، ''انجمن ادبی رسائل پاکستان'' پہلے قدم کے طور پر ''انجمن دینی رسائل'' بھی قائم ہو جائے اور جس کے تحت کچھ اصول اور ضابطے متعین ہو جائیں۔ اسی طرح کم از کم کچھ چیزیں ضرور ایسی ہوں گی کہ ان کی مناسب حدود و قیود متعین کردی جائیں۔ دینی رسائل و جرائد کے ایڈیٹروں اور اہل قلم حضرات پر مشتمل یہ ادارہ وقت اور حالات کی نزاکت اور تقاضوں کو سمجھنے اور صرف قرآن وسنت کے مطابق راہنمائی فراہم کرنے میں بھی مدد دے۔ نیز اس کے لیے پیشہ ورانہ امور کے ساتھ ساتھ اتحاد ملت اسلامیہ پر عملاً زور دینا بھی ضروری ہے۔

آگے چل کر یہی یا اس کے زیر اہتمام کوئی ادارہ اہتمام کرے کہ ان رسائل کے معیار اور ان میں تحقیق کے معیار کو بہتر بنانے کی کوئی منصوبہ بندی کر سکے تاکہ یہ معلوم ہو کہ مختلف اداروں میں کن کن موضوعات پر تحقیق ہو رہی ہے، کن کن موضوعات پر کتابیں چھپی ہیں اور چھپ رہی ہیں اور ان میں کیا کمی بیشی ہے۔ ان میں کوآرڈی نیشن پیدا کی جائے۔ کوئی ایسا ادارہ (جس کا کسی مدرسے سے کوئی تعلق نہیں ہے جس طرح اس سیمینار کا اہتمام کیا گیا ہے)، اس کوارڈی نیشن کی کوئی صورت پیدا کرے یا ابتدائی کام کردے تو اس کے نتیجے میں خود احتسابی کی کچھ صورت بھی پیدا ہوگی اور ضابطہ اخلاق بھی بن سکے گا۔

مدارس کی اصلاح کے ساتھ ساتھ عصری اداروں کی اصلاح بھی ناگزیر ہے۔ روایتی عصری تعلیمی اداروں سے توقع تھی کہ سائنس دان، بیوروکریٹ، سیاست دان غرض ہر شعبہ زندگی کے لیے

Marfat.com

محبِّ وطن، محنتی اور ایماندار ماہرین فراہم کریں گے، یہ ادارے اس مقصد میں کس حد تک کامیاب ہیں، اس کا تجزیہ اور اس کی روشنی میں اسے بہتر بنانے کے لیے اقدامات بھی لازم ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ دینی مدارس سے وہ علماء تیار ہوں جنھیں مسلم معاشرہ اپنے لیے عزت اور شرف کا باعث قرار دے، اس سے متعلق افراد کھلے ذہن اور دل و دماغ کے حامل ہوں اور دین کی تعبیر اور تشریح پر اپنی ذاتی اجارہ داری قائم نہ کریں۔ اسلامی معاشرہ ایک کھلا معاشرہ ہوتا ہے۔ اس کے اندر ہر زمانے میں گفتگو ہوتی تھی اور سب لوگ بیٹھتے تھے اور دین کی تشریح و تعبیر کے اعتبار سے اجتہاد کے دروازے کھلتے تھے۔ ایک امت کی حیثیت سے سوچنا اور یکجہتی کا ایسا نظام اپنانا چاہیے جس سے بہترین انسان اور بہترین پیشہ ور ماہرین نکلیں جو معاشرے کے ہر ہر مقام پر اپنے وظیفے کو ادا کرسکیں۔ اس ضمن میں حکومت کے کچھ فکری مباحث، انتظامی امور، نصاب اور تعلیم و تعلم کے براہ راست لوازمات بھی توجہ طلب ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اتحاد کے لیے قیادت کے علاوہ مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک جس نظامِ تعلیم، معاشرے اور ترتیب و تربیت کی ضرورت ہے اس کا بندوبست کرنے کا اہم ترین طریقہ یہ ہے کہ اکٹھے بیٹھنے کی گنجائش، تحمل اور بردباری پیدا کی جائے۔ لوگوں کے ردعمل کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے اور اپنی غلطیوں کو اس لیے حل کرنا چاہیے کہ ہمارا مقصد اصلاح اور ترقی ہے۔

ہے زندہ فقط وحدتِ افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد

گویا اتحاد، اعتماد اور اجتہاد یہ وہ تین راستے ہیں جن کو ہر سطح پر اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

ضمیمہ جات

- مقالہ نگار اور باحثین
- دینی مدارس: پالیسی سیمینار سیریز

Marfat.com

Marfat.com

مقالہ نگار اور باحثین

- محمود شام — گروپ ایڈیٹر روزنامہ ''جنگ'' کراچی
- پروفیسر متین الرحمٰن مرتضیٰ — سابق استاد، شعبہ ابلاغیات، کراچی یونیورسٹی
- ڈاکٹر محمود احمد غازی — سابق وفاقی وزیر مذہبی امور، پروفیسر شریعہ اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد
- وکیل احمد خان — سیکریٹری وزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان - اسلام آباد
- ڈاکٹر نسیم اشرف — چیئرمین قومی کمیشن برائے ترقی انسانی وسائل - اسلام آباد

۞

- ڈاکٹر احسان الحق — سابق چیئرمین، شعبہ عربی، جامعہ کراچی
- عبداللہ — سابق چیف سیکریٹری، سابق چیئرمین پبلک سروس کمیشن، صوبہ سرحد
- ڈاکٹر رفیق احمد — سابق وائس چانسلر، جامعہ پنجاب - لاہور
- ڈاکٹر سرفراز نعیمی — مہتمم جامعہ نعیمیہ لاہور، سیکریٹری تنظیم المدارس پاکستان
- ڈاکٹر ظہور احمد اظہر — سابق صدر شعبہ عربی، اورینٹل کالج - لاہور
- اوریا مقبول جان — نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن، کوئٹہ
- پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر — ماہرِ تعلیم، سیٹلائٹ ٹاؤن - کوئٹہ

Marfat.com

- ڈاکٹر مولانا عطاء الرحمٰن — کوئٹہ-بلوچستان
- پروفیسر عبدالرزاق خان — سابق پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج، گوادر
- مولانا عزیز الرحمٰن — دارالعلوم کورنگی، کراچی
- مولانا مقصود الحسن ڈومکی — کوئٹہ-بلوچستان

۞

- حافظ حسن مدنی — مدیر ماہنامہ ''محدث'' لاہور، رکن مجلس تحقیق الاسلامی-لاہور
- ڈاکٹر قبلہ ایاز — چیئرمین اسلامک اسٹڈیز و ڈین فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز اینڈ عربیک، پشاور یونیورسٹی
- ابوعمار زاہد الراشدی — مدیر ''الشریعہ'' گوجرانوالہ
- پروفیسر عبدالجبار شاکر — ڈائریکٹر جنرل دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد
- ڈاکٹر محمد امین — استاد، دائرہ معارف الاسلامیہ جامعہ پنجاب-لاہور
- ڈاکٹر احسن اختر ناز — شعبہ ابلاغیات، پنجاب یونیورسٹی-لاہور
- مولانا عبدالرحمٰن مدنی — مدیر اعلیٰ ''محدث'' لاہور
- ڈاکٹر مغیث الدین شیخ — چیئرمین شعبہ ابلاغیات، پنجاب یونیورسٹی-لاہور
- ڈاکٹر مسکین علی حجازی — سابق چیئرمین شعبہ ابلاغیات، پنجاب یونیورسٹی-لاہور
- ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی — ماہر اقبالیات، سابق استاد پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور
- مرزا محمد الیاس — مدیر ہفت روزہ ''ایشیا''-لاہور

Marfat.com

- عاطف وحید — قرآن اکیڈمی-لاہور
- ڈاکٹر نعیم قریشی — استاد ریاضی، لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز-لاہور

۞

- مولانا عبدالرشید غازی — جامعہ العلوم الاسلامیہ الفریدیہ-اسلام آباد

۞

- نجم الثاقب — ڈائریکٹر نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن (نیپا)-کراچی
- سجاد میر — ریذیڈنٹ ایڈیٹر، روزنامہ ''نوائے وقت'' کراچی
- فہمیدہ اشرف — انسٹی ٹیوٹ آف اسٹریٹیجک اسٹڈیز-اسلام آباد
- ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی — سابق ڈین شعبہ سوشل سائنسز و علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی-اسلام آباد
- شفیق احمد — رکن صوبائی اسمبلی-بلوچستان
- مسرور عالم — کوئٹہ-بلوچستان
- ڈاکٹر اشرف شاہین قیصرانی — پروفیسر سیرت چیئر، بلوچستان یونیورسٹی
- پروفیسر شمیم اختر — سابق استاد، شعبہ بین الاقوامی تعلقات کراچی یونیورسٹی
- محفوظ علی خان — ڈائریکٹر نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن (نیپا)-کوئٹہ

۞

- مولانا ڈاکٹر عطاء الرحمٰن — دارالعلوم تفہیم القرآن-مردان
- مولانا انوار الحق — دارالعلوم حقانیہ-اکوڑہ خٹک

Marfat.com

• مولانا محمد اسماعیل	جماعت اسلامی صوبہ سرحد-پشاور
• مولانا رمضان توقیر	پشاور
• مفتی کفایت اللہ	رکن وفاق المدارس العربیہ-پاکستان
• قاری روح اللہ	سابق صوبائی وزیر، مہتمم دارالقرآن، خیبر روڈ-پشاور
• مولانا عبدالحق بلوچ	سابق امیر جماعت اسلامی-بلوچستان
• مولانا انوار الحق حقانی	خطیب مرکزی جامعہ مسجد پنجابی-کوئٹہ
• پروفیسر عبدالخالق سہریانی بلوچ	صدر، ادارہ اصلاحِ ملت-جیکب آباد
• ابوتراب علی محمد	استاد جامعہ سلفیہ-کوئٹہ
• حافظ محمد سلفی	جامعہ ستاریہ-کراچی
• مولانا وزیر القادری	کوئٹہ-بلوچستان
• مولانا فیض الرحمٰن عثمانی	ادارہ علوم اسلامی-اسلام آباد
• عبدالمجید خارانی	رکن مجلس شوریٰ، جمعیت اہلحدیث
• عبدالمتین اخوندزادہ	قیم جماعتِ اسلامی کوئٹہ-بلوچستان

Marfat.com

دینی مدارس: پالیسی سیمینار سیریز

زیرِ اہتمام انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز

موضوع دینی مدارس موجودہ صورت حال: لائحہ عمل

مقام: اسلام آباد

تاریخ: 6 مئی 2004ء

صدارت: ڈاکٹر نسیم اشرف، چیئرمین نیشنل کونسل فار ہیومن ڈویلپمنٹ

تعاون: عالمی ادارہ فکرِ اسلامی - اسلام آباد

موضوع خطہ کی صورت حال: دینی مدارس اور ان کا نصاب

مقام: پشاور

تاریخ: 5 جون 2004ء

صدارت: عبداللہ، چیئرمین پبلک سروس کمیشن، صوبہ سرحد

تعاون: شعبہ عربی، پشاور یونیورسٹی

میزبان: ڈاکٹر انوار الحق، چیئرمین شعبہ عربی، پشاور یونیورسٹی - پشاور

Marfat.com

موضوع دینی مدارس: تحقیق وصحافت

مقام: لاہور

تاریخ: 21 جولائی 2004ء

صدارت: ڈاکٹر رفیق احمد، سابق وائس چانسلر جامعہ پنجاب

تعاون: شیخ زید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب-لاہور

میزبان: ڈاکٹر جمیلہ شوکت، ڈائریکٹر شیخ زید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب-لاہور

موضوع دینی مدارس: قومی پالیسی کی تشکیل

مقام: کراچی

تاریخ: 29 جولائی 2004ء

صدارت: وکیل احمد خان، سیکریٹری وزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان

تعاون: نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن-کوئٹہ

میزبان: بدرالاسلام، ڈائریکٹر جنرل نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن (نیپا)-کراچی

موضوع قبائلی اقدار وروایات اور دینی مدارس

مقام: کوئٹہ

تاریخ: 16 ستمبر 2004ء

صدارت: خالد رحمٰن، ڈائریکٹر جنرل انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز-اسلام آباد

تعاون: نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن-کوئٹہ

میزبان: غیاث الدین احمد، ڈائریکٹر جنرل نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن (نیپا)-کوئٹہ

Marfat.com

اشاریہ

① اشخاص، اماکن، ادارے، اصطلاحات

② کتب، جرائد، دستاویزات

Marfat.com

Marfat.com

① اشخاص، اماکن، ادارے، اصطلاحات

آ

آدم: ۵۱، ۵۲، ۵۴، ۱۰۱

آڈیو: ۱۱۳، ۱۷۴

آرٹس: ۱۷، ۴۸، ۱۳۷، ۲۲۷، ۳۲۰

آسانی علم: ۵۳

آغاخانی: ۱۸۳

آکسفورڈ: ۳۹، ۳۱۹

آلیہ علوم: ۶۹

آمریت: ۲۴۱

آئن سٹائن: ۲۳۹

ا

ابتدائی تعلیم: ۲۶، ۷۳، ۱۱۷، ۱۴۲

ابلاغ عامہ: ۲۷، ۲۴۰

ابلاغیات: ۱۹، ۲۱۲، ۲۱۷، ۲۲۴، ۲۲۹، ۲۳۹، ۲۵۵، ۳۳۱

ابلیس: ۲۰۵، ۲۴۰

ابن الہیثم: ۳۰۰

ابن حجر عسقلانی: ۱۵۰، ۳۰۱

ابن حزم، امام: ۱۹۳، ۳۰۰

ابن رشد: ۳۰۱

ابوالاعلیٰ مودودی، سید: ۷۳

ابوالحسن علی ندوی، مولانا: ۱۵۵

ابوالحسنات ندوی، مولانا: ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۷۶

ابوالکلام آزاد، مولانا: ۲۷۰

ابوتراب علی محمد: ۲۶۶، ۳۰۰

ابوحمزہ المصری: ۱۹۰

ابوحنیفہ، امام: ۷۷، ۱۹۳، ۲۷۶

اثنا عشری: ۱۲۶

اجازہ: ۱۶۱

اجتماعی تحقیق: ۱۷۴

اجتماعیات: ۱۸۴، ۳۲۸

اجتہاد: ۲۴، ۶، ۷۷، ۱۶۵، ۲۰۶، ۲۵۸، ۲۶۱، ۲۷۶، ۳۱۵، ۳۳۴

اجمیر: ۱۵۵

احسان الحق، ڈاکٹر: ۵۰، ۵۱

احسن اختر ناز، ڈاکٹر: ۱۵۳، ۲۱۲

احمد ندیم قاسمی: ۵۲

اختر علی، میاں: ۱۶۵

اخلاقی تعلیمات: ۸۱

اخلاقیات: ۶۸، ۱۷۱، ۲۸۷

ادارہ اصلاحِ ملت، جیکب آباد: ۲۹۵

Marfat.com

ادارہ علوم اسلامی، اسلام آباد: ۳۰۷

ادارۃ البحوث العلمیہ، جامعہ سلفیہ فیصل آباد: ۱۸۰

ادب: ۲۰، ۶۰، ۶۳، ۸۶، ۸۸، ۱۲۲، ۱۳۱، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۶۰

اردو: ۳۳، ۸۸، ۲۰۵، ۲۱۴، ۲۳۱تا۲۳۳، ۳۱۵

اردو میڈیم: ۲۴۵

اسامہ بن لادن: ۲۹۳

استشراق: ۱۸۴، ۱۹۲، ۲۰۶، ۳۲۸، ۳۲۹

استغراب: ۱۹۲، ۳۲۹

اسٹوڈنٹس کنونشن: ۱۵

اسرائیل/اسرائیلی: ۱۴، ۱۸۹، ۲۹۳

اسلام آباد: ۷، ۸، ۱۵، ۲۸، ۴۵، ۱۷۹، ۲۰۳، ۲۲۵، ۲۴۹، ۳۰۷

اسلامک ریسرچ جرنلز: ۲۲۷، ۳۳۲

اسلامک کونسل آف ایجوکیشن، امریکہ: ۱۹۰

اسلامیات: ۲۶، ۷۶، ۸۶، ۷۷، ۸۸، ۱۱۲، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۶۰، ۱۶۴، ۱۷۶، ۱۷۹، ۱۸۶، ۳۰۵، ۳۲۱، ۳۲۷

اسلامی تاریخ: ۱۱۵، ۱۹۳، ۲۷۵، ۲۸۸، ۳۲۹

اسلامی تشخص: ۱۵، ۴۷، ۶۱، ۶۴، ۶۵، ۶۷، ۲۰۲، ۲۷۷، ۲۹۵، ۳۲۲، ۳۲۷، ۲۳۹، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۷۴

اسلامی دنیا: [دیکھیے: عالم اسلام]

اسلامی فکر کی تجدید: ۷۵

اسلامی قوتیں: ۷۵، ۱۱۶

اسلامی معاشرہ: ۳۹، ۱۳۹، ۱۴۶، ۲۵۸، ۳۳۴

اسلامی مملکت: ۳۸، ۳۹، ۸۴، ۹۶، ۹۷، ۳۱۰

اسلامی نظریات: ۷۲

اسلامی نظریاتی کونسل: ۲۹، ۱۱۶، ۱۸۴، ۳۲۸

اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد: ۲۸، ۳۸، ۱۱۳، ۲۵۱، ۳۲۱

اسوہ: [دیکھیے: سیرت]

اشبیلیہ: ۱۴۹

اشتراکیت: ۱۶۵، ۳۰۳

اشرف شاہین قیصرانی، ڈاکٹر: ۲۴۲، ۲۵۷

اشرف علی تھانوی، مولانا: ۲۷۰

اصول تفسیر: ۸۰، ۱۲۰

اصول حدیث: ۸۰، ۱۲۰

اصول فقہ: ۲۰، ۵۷، ۸۰، ۱۱۰، ۱۲۱، ۱۶۵، ۲۶۸، ۳۲۳

اضافی علوم: ۴۳، ۸۴

اعتدال پسند/اعتدال پسندی: ۱۲، ۱۶

اعلیٰ تعلیم کے مدارس: ۱۷۸

اعلیٰ تعلیمی اسناد: ۱۶۲

اعلیٰ مجلس علمی: ۱۶۰

اعلیٰ مذہبی تعلیم: ۱۷

افریقی بربر: ۶۹

افغان: ۲۴۱

افغانستان: ۱۱، ۶۴، ۸۰، ۹۵، ۱۲۴، ۱۴۰، ۲۱۵، ۲۴۷، ۲۵۳، ۲۶۷، ۲۹۳

اقبال، علامہ محمد: ۱۶، ۷۳، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۸۹، ۹۵،

Marfat.com

۱۶۵، ۱۶۸، ۲۲۲، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۵۰، ۲۵۱،
۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳

اقتصادی علوم: ۱۱۶

اقلیت: ۲۳، ۸۴

اقلیدس: ۲۰، ۱۲۱، ۱۵۶، ۱۹۲

اکبر، جلال الدین: ۱۵۵، ۲۲۲

اکتساب ہنر: ۶۸

اکوڑہ خٹک: ۱۶۵، ۱۸۰، ۲۷۱

اکیڈیمک کونسل: ۸۵

اکیڈمی آف سائنس: ۲۲۹

الحاد: ۹۳، ۱۱۰، ۲۶۱، ۳۳۴

الخطیب البغدادی: ۱۴۹

السخاوی: ۱۴۹

القاعدہ (تنظیم): ۱۸۷

الکندی، یعقوب بن الاسحاق: ۳۰۰

المرکز الاسلامی بنوں: ۱۹۷

المقاصد الاسلامیہ سکول: ۲۴۸

المورد: ۸۵، ۸۶

الہ آباد: ۱۹، ۱۵۸

الیکٹرانک میڈیا: ۱۷۴، ۲۲۱، ۲۷۳، ۲۸۳، ۳۲۵، ۳۳۲

امام مسجد: ۹۲، ۲۷۵

امپیریل ازم: ۳۰۳

امتِ مسلمہ: ۲۱، ۳۹، ۴۰، ۴۹، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹،
۹۸، ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۳۶، ۱۴۹، ۱۷۲، ۱۹۴، ۲۱۳،
۲۱۷، ۲۴۰، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۷۹، ۳۰۲، ۳۱۸،
۳۳۳، ۳۳۴

امریکہ: ۱۱، ۱۶، ۶۰، ۷۳، ۸۰، ۸۲، ۸۳، ۱۲۴، ۱۲۵،
۱۴۳، ۱۶۱، ۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۲۴۷،
۲۵۰، ۲۵۳، ۲۶۷، ۲۶۹

امریکہ اور دینی مدارس: ۱۱، ۱۲

امریکی ادارے: ۱۸۷

امریکی تھنک ٹینک: ۱۲۵

امریکی حکومت: ۲۶۲

امریکی قیادت: ۲۶۲

امریکی مسلمان: ۱۶، ۷۳

امریکی میڈیا: ۱۹۰

امریکی یونیورسٹیاں: ۱۵۸

امن: ۶۴، ۷۵، ۱۴۱، ۱۶۲، ۲۲۹، ۲۴۷

انتہاپسندی: ۲۵۵

انٹر بورڈ کمیٹی آف چیئرمین: ۳۲۶

انٹرمیڈیٹ: ۳۹، ۸۳، ۲۲۹، ۳۱۹

انجمن ادبی رسائل پاکستان: ۲۳۲

انجینئرنگ: ۱۵، ۱۷، ۴۷، ۸۱، ۱۱۵، ۱۱۸، ۲۸۲

انداز تدریس: ۷۴

اندلس: ۱۵۰، ۱۵۵

انڈونیشیا: ۲۳۴، ۲۶۰

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز: ۴، ۶، ۷، ۸، ۳۲،
۷۸، ۲۵۹، ۲۶۱، ۲۶۴، ۳۰۴

Marfat.com

انفارمیشن ٹیکنالوجی: ۲۲، ۴۹

انقلاب ایران: ۱۳۹، ۱۶۵

انگریز: ۱۶۲، ۱۶۵

انگریزی: ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۹، ۲۵، ۲۶، ۳۴، ۳۵، ۴۵، ۴۶، ۵۸، ۸۲، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۲۲، ۱۳۰، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۵۶، ۱۹۲، ۲۰۱، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۱۲، ۲۱۶، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۵۳، ۲۶۷، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۲، ۲۷۴، ۲۷۷، ۲۸۲، ۲۹۶، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۱۹، ۳۲۳، ۳۳۰، ۳۳۲

انوار الحق حقانی، مولانا: ۲۶۶، ۳۱۴

انوار الحق، مولانا: ۲۶۶، ۲۷۱، ۲۹۰، ۳۱۴

انور رومان، پروفیسر: ۹۸

اورنگزیب عالمگیر: ۹۴، ۱۵۷

اوریا مقبول جان: ۵۰، ۹۰

اورینٹل کالج لاہور: ۸۵، ۱۱۴، ۲۳۲

اوقاف: ۳۱، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۶۲، ۳۰۶

اویس غنی: ۳۷

اہل حدیث: ۹۳، ۱۲۶، ۱۳۱، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۳، ۱۹۷

اہل سنت: ۱۸۳، ۳۱۶

ایڈوانس سٹڈیز بورڈ: ۱۸۴، ۳۲۸

ایڈورڈ کالج پشاور: ۲۸۲

ایران: ۸۹، ۹۰، ۹۶، ۱۳۰، ۱۳۹، ۱۶۵، ۲۰۷، ۲۷۶

ایریل شیرون: ۱۴

ایس ایم زمان، ڈاکٹر: ۹۲

ایشیا: ۶۲، ۶۷، ۱۵۵، ۱۹۲، ۱۹۶، ۲۶۷

ایشیائی مسلمان: ۷۳

ایگزامیننگ یونیورسٹی: ۳۳

ایم فل: ۱۵۸، ۱۶۰، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۹۸

این جی اوز: ۸۳، ۱۶۳

اے ڈی میکن: ۸

اے کے بروہی: ۱۰۱

اے لیول: ۸۳

ب

بادشاہی مسجد: ۳۲

بالشویک انقلاب: ۶۹

بختیار حسین: ۱۷۶

براہوی: ۹۷، ۲۹۵

برصغیر: ۶، ۱۰، ۱۳، ۲۸، ۹۱، ۹۳، ۹۷، ۱۳۰، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۶۱، ۱۶۴، ۱۷۶، ۲۰۵، ۲۱۲، ۲۱۹، ۲۲۲، ۲۴۵، ۲۵۰، ۳۰۲

برطانیہ: ۱۴، ۱۵۶، ۱۶۱، ۱۹۰

بریلوی: ۱۲۶، ۱۴۳، ۱۷۹، ۱۸۳، ۱۹۷، ۲۷۶، ۲۹۵، ۳۲۱

بصیرپور: ۱۸۰

بغداد: ۵۶، ۶۲، ۱۵۰، ۱۵۵، ۱۶۶

Marfat.com

بکالوریا/بکالوریوس (بیچلرز):۱۶۱
بلاسود بینکاری:۵۸، ۱۶۵
بلاغت:۸۰
بلتستان:۱۸۰
بلوچ:۲۶۶، ۲۸۵، ۲۹۵
بلوچستان:۱۱، ۴۷، ۹۰، ۹۳، ۹۴، ۹۶، ۹۷، ۱۱۲، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۹، ۱۴۲، ۱۸۷، ۲۵۳، ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۶۵، ۲۸۵، ۲۹۲، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۱۰، ۳۱۲
بلوچستان کے دینی مدارس:۱۲۶
بنارس:۱۸۰
بنت محمد:۱۵۰
بنگال:۹۰، ۱۵۶
بنوامیہ کا دور:۶۲، ۹۶، ۲۹۰
بنوعباس کا دور:۹۶، ۲۹۰ [نیز دیکھیے: عباسی خلافت]
بنوں:۱۹۷
بنیاد پرستی:۶۹، ۲۵۵
بنیادی اسلامی تعلیم:۱۵
بنیادی علوم:۸۰، ۱۱۰، ۱۱۵
بنیادی معارف:۸۷
بہاول پور:۴۹
بھارت:۱۴، ۱۸، ۱۹۷
بھیرہ:۱۸۰، ۱۹۷
بی بی مریم اندلسیہ:۱۴۹
بیالوجی:۶۶
بیت المال:۱۸۴، ۳۲۸
بیگم رفعت جبیں قادری:۲۱۶
بین المسالک رواداری:۷۵
بین الوفاقی وحدت وادراک:۷۱
بینکنگ کونسل:۳۲۸

پ

پاک وہند:۴۹، ۱۵۵، ۲۱۲، ۲۲۲
پرائمری تعلیم:۶۲، ۱۲۱، ۱۲۲، ۲۲۹، ۲۸۳، ۳۰۴، ۳۲۶
پرائیویٹ دینی مدارس:۳۸
پرائیویٹ یونیورسٹی:۳۳
پروفیشنل کالجز:۱۱۲
پرویز مشرف:۴۹، ۱۶۲، ۳۱۰
پشاور:۷، ۸، ۱۸۷، ۲۷۵، ۲۸۳
پشتون/پختون:۹۰، ۹۲، ۹۳، ۹۷، ۱۳۹، ۲۸۵
پنجاب یونیورسٹی:[دیکھیے: جامعہ پنجاب]
پنجگور:۳۱۱
پی ایچ ڈی: ۷، ۱۱۷، ۱۵۱، ۱۵۸، ۱۶۰، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷۶، ۱۸۴، ۱۹۸، ۲۲۱، ۳۲۸
پیش امام:۱۷، ۹۸، ۱۲۹
پیشہ ورانہ تعلیم:۱۱۹

ت

تبشیری مشنریز:۱۸۸

Marfat.com

تجدید: ۶۳، ۶۵، ۷۴، ۱۲۹، ۱۴۳، ۳۲۲

تجوید: ۶۳، ۱۲۹، ۲۹۶

تحقیقی مقالہ: ۱۱۵، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷

تحمل ادا: ۲۲۰

تخصص: ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۹، ۳۲، ۳۹، ۵۷، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۶۵، ۱۹۱، ۱۹۸، ۲۵۱، ۲۷۵، ۳۱۸، ۳۲۵

تخلیقی علوم: ۲۰۳، ۲۰۴

تدریسی اوقات: ۱۲۸

تربیتی ورکشاپ: ۷۸، ۳۳۲

ترکی: ۶۹

تشریح افلاک: ۲۰

تصور تعلیم: ۵۰

تصوف: ۱۶۶

تعلقات عامہ: ۱۴۳، ۳۳۱

تعلیم الاسلام: ۱۲۱

تعلیم کا مقصد: ۵۵

تعلیم نسواں: ۱۵۱

تعلیمی پالیسی: ۷، ۲۹، ۱۶۲، ۲۴۴، ۳۰۳

تفسیر: ۱۰، ۶۳، ۷۷، ۸۷، ۱۰۳، ۱۱۶، ۱۲۰، ۲۱۲، ۲۲۲

تقابل ادیان: ۱۸۴، ۲۰۷، ۲۷۷، ۳۲۸

تنظیم المدارس اہل سنت: ۳۰، ۳۳، ۷۹، ۱۱۲، ۱۱۶، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۶۴، ۱۶۶، ۲۹۶، ۳۰۵

تہذیب وثقافت: ۲۰۰

تہذیبی کشمکش: ۷۱، ۷۹، ۸۲، ۱۵۱، ۲۷۸، ۳۲۷

ٹ

ٹھٹھہ: ۱۵۷

ٹی وی: ۷۶، ۱۹۴، ۲۳۰، ۳۳۲

ث

ثانوی تعلیم: ۱۱۷

ثانویہ: ۱۷۸

ثقافتی مسائل: ۷۶

ج

جاپان: ۲۴۶

جارڈن سکول (امریکہ): ۱۸۸

جامع عمرو بن العاص، قاہرہ: ۱۵۵

جامع منصور، بغداد: ۱۵۵

جامعہ ابی بکر الاسلامیہ: ۱۶۵

جامعہ ابی ہریرہ نوشہرہ: ۱۷۹، ۱۸۰

جامعہ اثریہ جہلم: ۱۷۹، ۱۸۰

جامعہ ازہر، مصر: ۸۹، ۱۶۶، ۲۴۶

جامعہ اسلامیہ عالمیہ اسلام آباد : [دیکھیے: اسلامی یونیورسٹی]

جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ: ۱۱۲، ۱۱۴

جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ: دیکھیے: مدینہ منورہ یونیورسٹی]

جامعہ اشرفیہ لاہور: ۱۶۴، ۱۷۹

جامعہ الرشید احسن آباد کراچی: ۲۵، ۳۱۹

جامعہ الکوثر اسلام آباد: ۱۷۹

جامعہ المنتظر لاہور: ۱۷۹

Marfat.com

جامعہ امام صادق کوئٹہ :۱۲۹

جامعہ اہل بیت اسلام آباد:۱۷۹

جامعہ اہل حدیث لاہور:۱۸۰،۱۷۹

جامعہ بنوریہ کراچی :۱۸۰،۱۷۹

جامعہ پنجاب لاہور : ۸، ۳۳، ۴۲، ۸۵، ۱۱۳، ۱۶۰، ۱۶۸، ۱۷۶، ۲۰۹، ۲۱۲، ۲۲۴، ۲۲۹، ۲۳۲

جامعہ تفہیم القرآن مردان:۱۷۹

جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک: [دیکھیے: دارالعلوم حقانیہ]

جامعہ خیر المدارس ملتان:۱۷۹

جامعہ ستاریہ کراچی :۳۰۳

جامعہ سلفیہ بلتستان :۱۸۰

جامعہ سلفیہ بنارس:۱۸۰

جامعہ سلفیہ فیصل آباد: ۱۶۵، ۱۷۹، ۱۸۰

جامعہ سلفیہ کوئٹہ :۱۲۹

جامعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ لاہور :۱۷۹

جامعہ عائشہ صدیقہ کوئٹہ :۱۲۹

جامعہ عباسیہ بہاول پور:۲۸

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی:۲۵، ۱۱۲، ۳۱۹

جامعہ علوم اسلامیہ فریدیہ اسلام آباد:۱۴۳

جامعہ غوثیہ بھیرہ:۱۸۰، ۱۹۷

جامعہ فاروقیہ کراچی:۱۱۲، ۱۷۹، ۱۸۰

جامعہ قرویین مراکش:۱۵۵

جامعہ کراچی:۲۵، ۵۱، ۱۱۳، ۳۱۹

جامعہ لاہور الاسلامیہ:۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۸، ۱۷۹، ۱۸۰

جامعہ محمدیہ اہل حدیث گوجرانوالہ:۱۷۹

جامعہ مدنیہ لاہور:۱۷۹

جامعہ مسجد پنجابی کوئٹہ: ۲۹۰، ۳۱۴

جامعہ منظور الاسلامیہ لاہور:۱۷۹

جامعہ نعیمیہ لاہور:۷۹، ۸۲، ۱۶۴، ۱۷۹، ۱۹۷

جاوید اقبال، ڈاکٹر:۷۷

جبرائیل:۱۰۶

جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم:۳۲ [مزید دیکھیے: دینی اور عصری علوم]

جدید علوم:۱۳، ۱۴، ۱۵، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۶، ۲۷، ۴۷، ۱۰۸، ۱۱۲، ۱۱۴، ۱۱۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۴۲، ۱۸۹، ۲۷۴، ۲۹۸، ۳۲۶

جدید مضامین کی شرکت اور شمولیت: ۴۰

جرگہ: ۹۱، ۲۸۶

جرمن:۸۹، ۲۰۶، ۲۰۷

جعفر پھلواروی، مولانا:۱۰۲

جعفری:۱۸۳

جغرافیہ: ۱۰۵، ۱۳۳

جگ جیت سنگھ، مہاراجہ:۱۰۲

جلیل الرحمٰن :۱۶۵

جماعت اسلامی:۱۳، ۱۹۷، ۲۷۳، ۲۸۵، ۳۱۲

جمعیت اہلحدیث: ۳۱۰

جمیل اعوان:۱۶۵

جمیل بھٹو:۳۷

Marfat.com

جنرل ایجوکیشن:۱۳۸
جنرل سائنس:۱۲۲،۳۴
جنرل میتھ:[دیکھیے:ریاضی]
جنوبی ایشیا:۶۲
جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دلی:۱۵۸
جہاد: ۷۰، ۸۱، ۸۲، ۹۵، ۱۴۰، ۱۶۶، ۲۱۵، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۶۴، ۳۰۹، ۳۱۴
جہادی گروپ:۱۲۵
جہلم:۱۸۰
جیل:۷۴، ۱۶۵
جیومیٹری:۱۲۲

چ

چرچ:۱۵، ۳۱۰
چیچنیا:۲۹۳
چیمبرلین (امریکی سفیر):۸۲، ۸۳

ح

حاجی کیمپ:۳۲
حافظ محمد سلفی:۲۶۶، ۳۰۲
حدیث: ۲۱، ۲۲، ۲۴، ۶۳، ۷۱، ۷۷، ۸۰، ۸۱، ۸۶، ۸۷، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۶، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۳۰، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۴۷، ۱۴۹، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۷۵، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۳، ۱۹۲، ۲۱۲، ۲۱۵، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۹۶، ۳۱۵، ۳۲۳
حساب:[دیکھیے:ریاضی]
حسن مدنی:۱۵۳، ۱۵۴
حسین احمد مدنی، مولانا:۱۰
حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ:۱۰۷
حضرت عائشہؓ:۱۴۹
حضرت عثمانؓ:۲۲۱
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ:۲۲۱
حضرت عمرؓ:۲۲۱
حضرت محمدؐ:[دیکھیے:رسول اکرمؐ، سنت، سیرت]
حفاظ:۱۲۶
حفظ القرآن:۱۱۳، ۱۳۵
حفظ وناظرہ:۱۲۶
حکومت پاکستان:۲۹، ۳۱، ۳۳، ۳۵، ۴۱، ۴۹، ۱۵۷، ۲۵۱، ۲۵۴، ۲۹۵، ۲۹۷، ۳۰۶
حکیم ترمذی:۱۴۸
حنفی:۱۵۷، ۱۸۳، ۲۶۹
حنیف جالندھری، مولانا محمد:۲۲
حیاتیات:۴۷، ۱۲۱، ۱۲۳
حیدرآباد:۹۰، ۱۵۸، ۲۰۶
حیوانیات:۵۸، ۳۲۳

خ

خاران:۳۱۱
خالد حسین انصاری:۱۶۵
خالد رحمٰن:۸
خالص یورپی علم:۱۹
خان قلات:۱۲۹

Marfat.com

خاندانی نظام کا تحفظ: ۱۹۳

خاندانی یونٹ: ۱۹۴

خراسان: ۱۵۵

خرطوم: ۸۹

خلافت راشدہ: ۳۱۴

خمینی، امام: ۱۳۹

خواجہ قطب الدین: ۱۴۷

خواجہ نصیر الدین: ۱۵۹

خواجہ نظام الملک: ۱۵۶

خوارج: ۱۱۰

خورشید احمد، پروفیسر: ۵

د

دارالاشاعت کراچی: ۱۸۱

دارالحدیث دہلی: ۳۰۲

دارالعلوم اسلامیہ لاہور: ۱۷۹

دارالعلوم امجدیہ کراچی: ۱۹۷

دارالعلوم تفہیم القرآن، مردان: ۲۶۷

دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک: ۱۶۵، ۱۷۹، ۱۸۰، ۲۷۱

دارالعلوم دیوبند: ۲۴، ۲۵، ۲۸، ۲۹۰، ۲۹۴، ۳۱۹

دارالعلوم کورنگی کراچی: ۲۵، ۱۳۳، ۱۶۵، ۱۷۹، ۱۸۰، ۳۱۹

دارالقرآن، خیبر روڈ، پشاور: ۲۸۱

داؤد غزنوی، مولانا: ۲۹۲

درس گاہ حضرت میاں صاحب: ۱۷۹

درس نظامی: ۲۶، ۴۶، ۶۳، ۹۳، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۷، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۵۶، ۱۷۶، ۱۹۸، ۲۶۸، ۲۶۹

دفاعی ٹیکنالوجی: ۱۰۹

دلی/نئی دلی/دہلی: ۲۰، ۱۲۸، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸

دمشق: ۶۲، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۵

دورہ حدیث: ۲۷۰

دہشت گردی: ۱۴، ۴۷، ۱۱۶، ۱۲۵، ۱۶۶، ۱۸۸، ۲۴۷، ۲۵۸، ۲۹۳، ۳۰۹

دین اور دنیا: ۱۲، ۸۰، ۸۲، ۱۳۶، ۲۳۴، ۲۸۲

دینیات: ۲۵، ۲۶، ۱۳۶، ۱۷۲

دینی اداروں کی رجسٹریشن: ۳۶، ۳۸، ۳۹، ۲۱۳، ۲۴۴، ۲۸۲، ۲۸۵

دینی اور دنیاوی تعلیم: ۳۹

دینی اور عصری علوم: ۲۶، ۴۵، ۳۰۸

دینی اور لادینی علوم: ۲۱

دینی تحقیق: ۲۰۵، ۲۲۲، ۲۳۷

دینی تعلیم: ۴، ۵، ۶، ۷، ۹، ۱۳، ۱۹، ۲۰، ۲۲، ۲۸، ۲۹، ۳۲، ۳۴، ۴۰، ۴۷، ۴۸، ۶۲، ۸۰، ۹۲، ۹۶، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۷، ۱۴۴، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۶، ۱۶۲، ۲۳۸، ۲۴۴، ۲۴۹، ۲۵۱، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۶۲، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۸۲، ۳۰۱، ۳۱۷، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷

دینی تعلیمی ادارے: ۴، ۴۰، ۷۴، ۷۵، ۱۱۱، ۱۲۰، ۱۳۱، ۱۵۹، ۳۲۶

دینی روح: ۸۲

دینی علوم: ۲۶، ۳۶، ۶۱، ۱۳۷، ۱۴۶، ۱۴۹، ۱۶۱،

Marfat.com

۱۷۵، ۲۳۸، ۲۶۲، ۲۸۲، ۲۹۸، ۳۰۸، ۳۲۶
دینی عوامل: ۶۱
دینی فکر: ۲۲، ۲۳، ۲۴
دینی مدارس کمیشن: ۲۹
دینی مدارس کی خودمختاری: ۳۰، ۳۷، ۴۶
دیوان عبدالحمید: ۱۰۲
دیوبند: ۲۰، ۲۵، ۲۸، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۲۷۰، ۲۷۸، ۲۹۱، ۲۹۴، ۳۱۹
دیوبندی: ۳۵، ۱۲۶، ۱۳۰، ۱۴۳، ۱۷۹، ۱۹۱، ۱۹۷، ۲۷۶، ۲۹۵، ۳۲۱
دیہی علاقوں میں تعلیم: ۴۳
ڈ
ڈراپ آوٹ: ۱۰۰
ڈگری: ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۷، ۲۱۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۳۲۲
ڈگریوں وغیرہ کا نظام: ۴، ۷۲، ۱۲۲، ۱۲۴، ۱۴۲، ۱۵۱
ڈیرہ اسماعیل خان: ۱۸۷
ڈی فل: ۱۵۸
ڈی لٹ: ۱۵۸
ذ
ذاکر حسین، ڈاکٹر: ۲۴۷
ذریعہ تعلیم: ۶۷، ۱۲۷
ذکاء اللہ: ۱۶۵
ذمی: ۱۰۹
ر
رابطۃ المدارس: ۴، ۷۲، ۱۱۲، ۱۱۶، ۱۲۵
راجستھان: ۹۰
رازی، محمد بن زکریا: ۳۰۰
رام پور: ۱۹
راولپنڈی: ۳۰۸
رسول اکرمؐ: ۲۰، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۹، ۷۹، ۸۳، ۸۸، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۴۰، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۷۰، ۱۹۵، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۳۶، ۲۴۱، ۲۵۳، ۲۶۸، ۳۰۵، ۳۱۸
رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر: ۱۵۳، ۱۶۸، ۲۰۷، ۲۳۲
رفیع الدین، ڈاکٹر: ۱۶۰، ۲۳۷
رفیق احمد، ڈاکٹر: ۵۰، ۷۲
رمضان توقیر، مولانا: ۲۶۶، ۲۷۵
رواداری: ۷۵، ۷۶، ۱۲۸، ۱۳۳، ۲۲۶، ۲۷۶
روح اللہ، قاری (پشاور): ۲۶۶، ۲۸۱
روزگار کے اعلیٰ مواقع: ۱۷
روس: ۹۵، ۱۸۹، ۲۱۵، ۲۵۳
روشن خیال/روشن خیالی: ۱۲، ۱۶، ۷۵، ۲۳۴، ۲۴۶
روم: ۲۷۰، ۲۷۹
ریاضی: ۱۰، ۱۵، ۳۴، ۴۷، ۵۶، ۶۳، ۸۷، ۱۰۸، ۱۱۵، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۷، ۱۵۵، ۱۹۲، ۲۳۹، ۲۷۷، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۲۰
ریحان احمد فاروقی، ڈاکٹر: ۲۰۹

Marfat.com

ز

زاہد الراشدی، مولانا ابوعمار: ۱۵۳، ۱۹۵

زفر، امام: ۱۹۳

زمینی علوم: ۵۸، ۳۲۳

زیدی: ۱۸۳

س

سائنس: ۱۲، ۱۸، ۴۸، ۵۷، ۵۸، ۶۶، ۸۵، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۸، ۱۴۷، ۱۵۸، ۱۶۵، ۱۶۹، ۱۸۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۹، ۲۳۹، ۲۶۷، ۲۹۰، ۲۹۱، ۳۰۱، ۳۰۹، ۳۲۰، ۳۲۴، ۳۲۹، ۳۳۴

سبق کی تکرار: ۸۱

سپین: ۶۲، ۶۹، ۱۹۳، ۲۵۰، ۳۲۹

سجاد تتر الوی، پروفیسر: ۱۶۸

سجاد میر: ۲۴۵

سرائیکی: ۱۴۷

سرٹیفیکیٹ: ۱۴۷، ۱۶۱

سرحد (صوبہ): ۱۱، ۶۰، ۱۶۳، ۱۸۷، ۲۶۷، ۲۷۳، ۲۹۶

سرد جنگ: ۶۹، ۲۷۹

سر سید احمد خان: ۲۵، ۲۶

سرفراز نعیمی، ڈاکٹر: ۵۰، ۷۹

سرکاری مدارس: ۸۸، ۸۹، ۱۲۸

سرمایہ داری: ۱۶۵

سعدی شیرازی، شیخ: ۶۲، ۶۸

سعودی عرب: ۱۲۵، ۱۶۷، ۱۷۱، ۳۰۴

سفیر اختر، ڈاکٹر: ۱۶۰

سکھ: ۸۷، ۱۰۲

سلطان محمد تغلق: ۱۵۷

سلطان محمود غزنوی: ۱۵۷

سلطان محمد غوری: ۱۵۷

سلیمان ندوی، سیّد: ۲۹۲

سمسٹر: ۱۶۷

سنت: ۳۴، ۳۸، ۴۵، ۴۶، ۵۷، ۹۳، ۱۳۵، ۱۹۶، ۲۱۷، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۷۷، ۲۹۰، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۱۴، ۳۲۳، ۳۳۳

سند: ۴، ۷۴، ۱۱۴، ۱۲۰، ۱۲۹، ۱۳۰، ۲۴۶، ۲۹۸، ۳۲۰

سندھی: ۱۰، ۴۵

سندی تحقیق: ۱۵۸، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۸، ۱۸۱، ۱۹۱، ۲۰۴

سوشل سائنسز: ۱۵۸، ۲۰۳، ۲۲۹، ۲۳۵، ۲۴۰، ۲۵۰، ۲۶۷

سوویت یونین: ۶۹، ۲۴۷، ۲۷۸، ۳۱۰

سویڈن: ۱۹۰

سیرت: ۵۵، ۵۷، ۱۲۲، ۱۴۸، ۱۶۶، ۲۵۷، ۳۲۳، ۳۲۹ [مزید دیکھیے: اسوہ، سنت، رسول اکرمؐ]

سیکنڈری ایجوکیشن: ۸۳

سیکولرازم: ۳۹، ۴۲

سیکولر تعلیم: ۲۵، ۴۲، ۸۷

سیکولر علوم: ۶۱

سینٹرل ایشیا: ۶۲

Marfat.com

سینٹ میری:۲۸۲

سیوطی، جلال الدین:۱۰۸

ش

شاہ رفیع الدین:۲۲۲

شاہ عبدالعزیز:۱۸۰

شاہ عبدالقادر:۲۲۲

شبلی نعمانی:۱۷۶

شبیر احمد عثمانی، مولانا:۱۰، ۲۷۰

شبیر منصوری:۱۹۰

شدھی:۱۸۳

شرعی نظام قضا:۲۹۵

شروط صلوٰۃ:۱۲۱

شریعت: ۷۷، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۷۵، ۱۸۲، ۱۸۵، ۲۲۱، ۲۳۸، ۲۶۸، ۳۲۹

شعبہ ابلاغیات، جامعہ پنجاب لاہور:۲۱۲، ۲۲۴، ۲۲۹

شعبہ ابلاغیات، جامعہ کراچی:۹۱

شعبہ اسلامیات، جامعہ کراچی:۱۶۰

شعبہ بین الاقوامی تعلقات، جامعہ کراچی:۲۶۲

شعبہ عربی، اورینٹل کالج -لاہور:۵۸

شعبہ عربی، جامعہ پشاور:۸

شعبہ عربی، جامعہ کراچی:۵۱، ۱۶۰

شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب لاہور:۱۶۰، ۱۶۸، ۱۷۶

شعبہ علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد:۲۵۰

شعر و ادب:۲۰، ۱۴۸

شفیق احمد، کوئٹہ:۲۴۲، ۲۵۳، ۳۱۴

شکسپیئر:۶۹

شماریات:۵۸

شمیم اختر، پروفیسر:۲۴۲، ۲۶۲

شناخت:[دیکھیے: اسلامی تشخص]

شہاب الدین مسعود، غزنوی ۱۵۷

شہادہ عالیہ:۲۵، ۳۱۹

شہادہ عامہ:۲۶

شہنشاہ جہانگیر:۱۵۶

شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی:۱۰، ۲۲۲

شیخ الحدیث:۲، ۱۷۲، ۱۷۷، ۳۰۶

شیخ زید اسلامک سنٹر لاہور:۸، ۱۷۶

شیخ عبدالعزیز بن باز:۱۷۱

شیخ علی بن مدنی:۱۷۲

شیر افسر خان:۸

شیعہ: ۳۵، ۴۷، ۷۷، ۱۲۶، ۱۳۱، ۱۴۳، ۱۷۹، ۱۸۳، ۱۹۷، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۹، ۲۹۵، ۳۲۱

ص

صادق آباد:۱۶۵

صحابہ کرام:۱۰۸، ۱۴۹، ۱۷۱، ۲۷۵، ۳۱۶

صحابیات:۱۴۹

صحافت: ۷، ۷۸، ۱۱۸، ۱۵۴، ۱۷۰، ۱۷۳، ۱۸۱، ۱۸۲، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۶، ۲۳۷، ۳۳۱

Marfat.com

صدر مدرس:۲۵، ۱۷۷
صدر مملکت:۱۵، ۳۱، ۳۷
صدیق ٹرسٹ:۱۸۱
صرف ونحو:۱۱۰، ۱۴۲، ۲۷۳، ۳۲۵
صفہ:۲۰، ۶۱، ۹۸، ۲۷۵

ض

ضرب الامثال:۶۲، ۲۰۱
ضمیر جعفری، سیّد:۱۰۱
ضیاء برنی:۱۵۶
ضیاء الحق، جنرل محمد:۱۶۳

ط

طالبان:۱۴، ۹۵، ۱۲۴، ۱۴۰، ۱۸۹، ۲۵۵، ۲۹۳
طائف:۱۰۹
طاہر احمد عباسی:۸
طاہر القادری، ڈاکٹر:۲۱۶
طب:۶۳، ۱۱۱، ۱۱۵، ۱۶۵
طبقاتی تعلیم:۸۳
طبقاتی کشمکش:۸۳
طبیعیات:۳، ۱۲۲
طفیل ہاشمی، ڈاکٹر:۲۴۲، ۲۵۰
طنطاوی، علامہ:۱۰۸

ظ

ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر:۵۰، ۸۵

ع

عاطف وحید:۱۵۳، ۲۳۷
عالم اسلام:۱۵، ۴۹، ۶۴، ۸۱، ۸۴، ۱۶۴، ۱۹۹، ۲۰۷، ۲۱۰، ۲۲۱، ۲۷۰، ۳۰۱، ۳۲۹
عالمی ادارہ فکرِ اسلامی:۸
عباسی خلافت:۱۹۳، ۲۹۰، ۳۲۹
عبدالجبار شاکر، پروفیسر:۱۵۳، ۲۰۳
عبدالحامد بدایونی، مولانا:۲۹۲
عبدالحمید کوسٹیلو:۱۹۰
عبدالحیٔ، مولانا:۱۵۵
عبدالخالق سحر یانی بلوچ، پروفیسر:۲۶۶، ۲۹۵
عبدالرحمٰن مدنی، مولانا:۱۵۳، ۱۶۵، ۲۱۹
عبدالرزاق خان، پروفیسر:۵۰، ۱۲۴
عبدالرشید غازی، مولانا:۵۰، ۱۴۳
عبدالستار خان:۱۶۱
عبدالعزیز نعمانی، مولانا:۸۵
عبدالقیوم، مفتی:۳۰
عبداللہ (پشاور):۵۰، ۱۹۱
عبداللہ خان:۸
عبداللہ سلیم:۱۶۵
عبدالمتین اخوندزادہ:۲۶۶، ۳۱۲
عبدالمجید خارانی:۲۶۶، ۳۱۰
عبدالودود، قاضی:۱۶۹
عبرانی:۱۸۹
عثمان علی عیسانی:۳۲
عجاج الخطیب، ڈاکٹر:۱۶۹

Marfat.com

عددی تحقیق: ۲۰۵

عرب ممالک: ۱۶۱، ۲۹۹

عربی ثقافت: ۹۷

عربی زبان کی تدریس/نصاب: ۸۵، ۸۷، ۸۸، ۹۷، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۲۰، ۱۴۱، ۱۶۴، ۱۷۶، ۲۰۱، ۳۰۵، ۳۱۵، ۳۲۳

عربی زبان وادب: ۱۰، ۴۶، ۶۳، ۶۷، ۸۶، ۸۷، ۸۹، ۱۲۰، ۱۶۰، ۱۶۶، ۱۷۲، ۱۸۳، ۱۹۲، ۲۰۱، ۲۰۷، ۲۲۲، ۲۶۸، ۳۰۱، ۳۲۳، ۳۳۰

عروض: ۶۳

عزیز الرحمٰن، مولانا: ۱۳۳

عسکریت: ۱۴

عصری ادارے: ۷۵، ۲۳۸، ۲۵۴، ۲۶۰، ۳۰۹، ۳۳۳

عصری مدارس: ۴۸، ۱۱۲، ۱۳۷، ۲۴۹، ۳۲۰

عصری مسائل: ۷۵، ۲۳۱، ۳۳۲

عطاء الرحمٰن، ڈاکٹر (ہائر ایجوکیشن کمیشن): ۳۸

عطاء الرحمٰن، ڈاکٹر مولانا (کوئٹہ): ۵۰، ۱۰۳، ۲۴۲، ۲۵۹

عطاء الرحمٰن، مولانا ڈاکٹر (مردان): ۲۶۶، ۲۶۷

عطاء اللہ شاہ بخاری: ۱۰

عقائد: ۱۰، ۶۷، ۱۲۲، ۱۴۱، ۱۴۷، ۱۷۲، ۱۹۶، ۲۰۲، ۲۵۶، ۳۱۴، ۳۲۴، ۳۲۷

عقل: ۵۲، ۶۵، ۷۸، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۸۳، ۲۰۱، ۲۶۴، ۲۸۷

عقیدے سے ہم آہنگ تعلیمی نظام: ۴۷

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد: ۱۶۸، ۲۵۰

علم الفرائض: ۱۰۸

علم الکلام: ۵۶

علم کی آزادی: ۶۶

علم معنی: ۸۷

علم میراث: ۸۰، ۸۷، ۱۰۸

علم وحی: ۵۱، ۵۳، ۵۴، ۵۸، ۲۰۴، ۳۲۴

علی گڑھ کالج: ۲۵

علی گڑھ یونیورسٹی: ۲۵

علی گڑھ: ۲۰، ۲۵، ۱۵۸، ۲۹۱، ۲۹۴، ۳۱۹

عمومی نظام تعلیم: ۱۷، ۲۲، ۲۷

عیسائی مذہبی ادارے: ۷۶، ۱۸۸

عیسائیت: ۱۵، ۸۰

غ

غرناطہ: ۱۵۵

غزالی، امام: ۱۰، ۶۲، ۹۳، ۱۰۱، ۱۹۲

غزنی: ۹۱، ۱۵۵

غلام نبی زاہد: ۱۶۵

ف

فارابی: ۶۲

فاشزم: ۱۱۵

فاضلین درسِ نظامی: ۱۲۶

فتاویٰ: ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۳۳، ۱۷۹

فرقہ واریت: ۳۹، ۴۰، ۸۵، ۱۳۳، ۲۱۵، ۲۷۹، ۳۲۱

Marfat.com

فرنچ:۸۹

فروغ تعلیم:۴۳، ۱۲۸

فزکس:۲۳۹

فزیالوجی:۳

فقہ:۲۰، ۲۴، ۵۷، ۶۳، ۶۸، ۷۱، ۸۷، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۶، ۱۲۰، ۱۴۲، ۱۷۲، ۱۹۳، ۱۹۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۳۲۴، ۳۳۰

فقہ اکیڈمی (دارالعلوم کراچی):۱۹۷

فقیہ:۷۷، ۲۱۶

فلپ ہٹی:۱۵۵

فلپائن:۶۱

فلسفہ:۴۵، ۵۶، ۶۳، ۸۷، ۹۳، ۱۳۱، ۱۵۵، ۱۹۲، ۲۰۲، ۲۶۸، ۲۷۰، ۲۹۸

فلکیات:۳، ۷۵، ۱۱۰، ۱۵۵

فن لینڈ:۱۹۰

فنون:۲۰، ۲۲، ۶۱، ۸۸، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۲۳، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۶، ۱۵۷، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۷۲، ۳۱۸

فنی تعلیم:۱۱۷، ۱۲۲

فوقانی:۱۷۸

فہمیدہ اشرف:۲۴۲، ۲۴۹

فیڈنگ انسٹی ٹیوشن:۲۵۱، ۳۲۱

فیصل آباد:۱۶۵، ۱۸۰

فیض الرحمٰن عثمانی، مولانا:۲۶۶، ۳۰۷

ق

قائداعظم:۱۲، ۲۴۷، ۲۹۲

قاہرہ:۱۵۵

قبائلی رسوم:۹۴، ۹۵

قبلہ ایاز، ڈاکٹر:۱۵۳، ۱۸۷

قرآن پاک کی تعلیم:۲۱

قرأت:۶۳، ۲۲۰

قرطبہ:۵۶، ۱۵۵

قلات:۹۳، ۹۸، ۱۴۰

قلقشندی:۱۵۷

قم:۲۰۷

قندھار:۹۱

قوم پرستی:۱۱۰

قومی پالیسی:۷، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۴، ۱۶، ۲۴۳، ۳۰۳، ۳۱۸

قومی تعلیمی دھارا:۱۱

قومی کمیشن برائے انسانی ترقی:۴۵، ۴۷، ۴۹

قومی نصاب تعلیم:۱۴

قومی یونیورسٹی برائے السنۃ جدید(NUML):۱۱۳

ک

کابینہ:۳۸

کتاب:۶۲

کراچی: ۷، ۱۹، ۲۵، ۲۷، ۳۱، ۱۱۲، ۱۱۴، ۱۳۴، ۱۶۰، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۹۷، ۲۱۶، ۲۴۳، ۲۶۲، ۲۷۲، ۲۷۷، ۲۸۳، ۳۰۲، ۳۱۹، ۳۲۵

کلب عابد، مولانا:۱۶۹

کلکتہ:۱۹، ۶۰، ۱۵۷، ۱۶۱

Marfat.com

کمپیوٹر: ۲۲، ۳۴، ۳۵، ۴۸، ۵۸، ۸۲، ۸۳، ۱۱۳، ۱۱۶، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۶۷، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۹۴، ۲۱۴، ۲۳۱، ۲۶۷، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۲، ۲۷۴، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۶، ۳۲۰، ۳۲۵

کوفہ: ۸۲، ۱۰۸

کونڈالیزارائس: ۱۴، ۲۴۷

کوئٹہ: ۷، ۸، ۹۰، ۹۱، ۹۶، ۹۸، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۳۰۵، ۳۱۴

کوہستان: ۱۸۷

کیبل: ۱۹۴، ۲۱۶

کیمبرج: ۳۰۲، ۳۱۹

کیمسٹری/کیمیا: ۱۸، ۴۵، ۵۶، ۷۵، ۸۵

گ

گجرات: ۱۵۷

گریجویشن: ۲۳، ۲۴، ۴۵، ۴۸، ۳۱۹، ۳۲۰

گلوبلائزیشن: ۸۲، ۲۰۲، ۳۲۷

گوجرانوالہ: ۱۱۲، ۱۸۰، ۱۹۵

گیارہ ستمبر: ۲، ۷۲، ۱۲۵، ۱۳۵، ۲۴۶، ۲۹۳

گیان سنگھ، ڈاکٹر: ۱۵۸، ۱۶۰، ۱۶۹

ل

لادینیت: ۲۶

لارڈ میکالے: ۱۱۲، ۱۳۶، ۱۵۶، ۲۸۸

لائنز کلب: ۴۴

لاہور: ۷، ۸، ۱۹، ۸۳، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۹۷، ۲۱۲، ۲۱۹، ۲۳۷، ۲۳۹

لبرل: ۷۱، ۱۸۹، ۲۸۶

لبریشن آف نالج: ۶۶

لٹریچر: ۲۰، ۲۶، ۱۱۲، ۱۱۵، ۱۵۸، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۲، ۱۸۳، ۲۱۵، ۲۲۷

لسانیات: ۱۲۲

لغت: ۲۱، ۱۲۱

لکھنؤ: ۱۵۵

لندن: ۱۰۱، ۱۹۰

لیاقت علی خان: ۲۹۲

لیسانس: ۱۶۱، ۱۶۷

م

مابعدالجامعاتی: ۱۶۱

ماحولیات: ۱۱۱

مادی علوم: ۵۳

ماڈرن ٹیکنالوجی: ۷۱

ماڈل دینی مدارس: ۳۰، ۳۱

ماڈل مدرسہ بورڈ: ۳۳

ماڈل یا معیاری نصاب: ۲۹

مائیکروبیالوجی: ۶۶

متقین الرحمٰن: ۸

متوازی نظام ہائے تعلیم: ۱۹، ۲۰ [نیز دیکھیے: یکساں نظام تعلیم]

متوسط: ۱۷۸، ۲۷۲

Marfat.com

متین الرحمٰن مرتضیٰ، پروفیسر: ۹، ۱۹
متین ہاشمی، مولانا: ۱۶۵
مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا: ۱۹۷
مجمع الفقہ: ۲۸۲، ۳۳۰
مجمع ملک فہد سعودی عرب: ۲۰۷
محدث خواتین: ۱۴۹
محدث روپڑی اکیڈمی لاہور: ۱۸۰
محسوسات و معقولات: ۱۰۵، ۱۰۶
محفوظ علی خان: ۲۶۴
محکمہ زکوٰۃ: ۱۸۴، ۳۲۸
محمد اسماعیل سلفی، مولانا: ۱۸۰
محمد اسماعیل، مولانا: ۲۶۶، ۲۷۳
محمد الیاس، مرزا: ۱۵۳، ۲۳۴
محمد امین، ڈاکٹر: ۱۵۳، ۲۰۹
محمد زیان عمر: ۱۶۹
محمد سلفی، حافظ: ۲۶۶، ۳۰۲
محمد علی جناح، قائد اعظم: ۱۲، ۲۹۲
محمدیہ سکول: ۲۴۸
محمد، امام: ۱۹۳
محمود احمد غازی، ڈاکٹر: ۹، ۸۹
محمود الحسن، مولانا: ۱۰، ۲۵، ۲۹۴، ۳۱۹
محمود شام: ۹، ۱۰
مخلوط تعلیم: ۱۰۰
مدارج تعلیم: ۱۱۷
مدارس کا کردار: ۵، ۹۰، ۱۰۳، ۱۴۳، ۳۲۱
مدرسہ بورڈ: ۲۷، ۳۱، ۳۳، ۴۲
مدرسہ خاتونیہ دمشق: ۱۴۹
مدرسہ خیر المدارس کوئٹہ: ۱۲۹
مدرسہ سسٹم: ۱۷۸
مدرسہ عالیہ رام پور: ۱۹
مدرسہ عالیہ کلکتہ: ۱۹، ۱۶۱
مدرسہ فیروز شاہی دہلی: ۱۵۶
مدرسہ کا کردار: ۵۰، ۵۷، ۱۳۹، ۳۲۳
مدرسہ نظامیہ بغدادیہ: ۱۵۵، ۱۵۶
مدینہ منورہ: ۶۱، ۶۲، ۱۶۶، ۱۶۷، ۲۲۰، ۳۰۲
مدینہ منورہ یونیورسٹی: ۱۶۶، ۱۶۷، ۳۰۲
مذہبیات: ۴۸، ۳۲۰
مراکش: ۱۹۰، ۲۶۰، ۳۳۴
مربوط نصاب: ۸۹
مردان: ۱۷۹، ۲۶۷
مرکز الامام بخاری صادق آباد: ۱۶۵
مرکز التربیہ الاسلامیہ فیصل آباد: ۱۶۵
مرکز علوم اسلامیہ منصورہ لاہور: ۱۹۷
مرکزی تعلیمی کونسل: ۱۱۷
مرکزی تعلیمی مشاورت: ۱۱۹، ۱۲۰
مرکزی کمیٹی برائے تطبیق: ۱۱۹
مرکزی کمیٹی برائے نصاب: ۱۲۰
مساجد: ۱۶، ۱۷، ۶۱، ۷۴، ۹۴، ۹۸، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۲،

Marfat.com

۱۳۳، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۷۹، ۱۹۶، ۲۷۷، ۲۷۹،
۲۸۶، ۲۹۱، ۲۹۸، ۳۰۵، ۳۰۹
مسالک: ۵، ۷، ۷۵، ۱۲۶، ۱۹۹، ۲۰۲، ۲۷۰، ۲۷۷،
۲۹۵، ۳۱۴، ۳۲۸
مستشرق: ۸۹
مستونگ: ۹۱
مسجد بحیثیت مکتب: ۶۴، ۹۱
مسجد عمر دمشق: ۱۴۸
مسجد کوفہ: ۱۵۵
مسجد کی امامت: ۹۴
مسجد نبوی: ۲۰، ۶۱، ۹۸
مسکین علی حجازی، ڈاکٹر: ۱۵۳، ۲۲۹
مسلکیت: ۴۰
مسلکی تعصب: ۱۳۳
مسلم تشخص/ دینی تشخص: [دیکھیے: اسلامی تشخص]
مشرق بعید: ۸۴
مشرق وسطیٰ: ۶۷، ۲۲۶، ۳۳۲
مشنری ادارے: ۶۰
مصر: ۱۶۶، ۲۷۶
مضمون نویسی: ۱۱۵، ۲۰۱
مطالعہ پاکستان: ۲۲، ۲۶، ۳۴، ۳۰۳، ۳۰۴
مطالعہ تاریخ: ۱۲۳
معاشیات: ۵۸، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۲۷،
۲۷۲، ۳۲۳
معتزلہ: ۱۱۰
معقولات: ۶۳، ۱۰۵، ۱۰۶، ۲۶۸
معلم: ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۱۰۴، ۱۰۸، ۱۳۲، ۱۴۶، ۱۴۸،
۱۷۰، ۳۰۲
معیشت: ۴۵، ۸۴، ۱۸۳
معین الدین عقیل، ڈاکٹر: ۱۶۸
مغربی یونیورسٹیاں: ۶۶
مغربیت: ۷۱
مغلیہ سلطنت: ۱۳۰، ۱۵۷، ۲۱۲
مغیث الدین، ڈاکٹر: ۱۵۳، ۲۲۴
مقصود الحسن ڈوگی، مولانا: ۵۰، ۱۳۸
مکتبہ دار العلوم کراچی: ۱۸۰
مکتبی تعلیم: ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱
مکران: ۹۷، ۱۳۹
مکہ: ۱۰۱، ۱۰۸، ۱۰۹، ۳۰۲
ملت: [دیکھیے: امت مسلمہ]
ملتان: ۲۰۶، ۲۷۲، ۲۹۲، ۳۰۲، ۳۰۳
مناظرہ: ۶۳، ۷۳، ۹۹، ۱۲۶، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۸۳،
۱۹۹، ۲۱۳
منصورہ اورینٹل کالج، ہالہ سندھ: ۱۱۳
منصورہ لاہور: ۱۹۷
منطق: ۶۳، ۶۷، ۸۰، ۸۷، ۸۸، ۱۱۰، ۱۲۱، ۱۴۱،
۱۵۵، ۱۹۲، ۲۷۰، ۲۷۶، ۳۰۰
منگول: ۱۹۳، ۳۲۹

Marfat.com

موسمیات: ۱۱۱
موقوف علیہ: ۱۲۶، ۲۹۶
مولوی عالم: ۱۹
مولوی فاضل: ۱۹
مولوی کا رول: ۹۳، ۹۴، ۹۵
مہارتیں: ۶۸، ۲۸۸
میڈیکل: ۶، ۴۶، ۱۳۷، ۱۴۷، ۲۸۲، ۲۹۱، ۲۳۶
میرٹھ: ۲۰

ن

نارمنز: ۱۸۸
ناظرہ: ۴۹، ۲۵۳، ۲۸۳، ۳۰۲، ۳۲۶
نجم الثاقب: ۲۴۲، ۲۴۳
نحو: ۸۷، ۸۸، ۲۷۶
ندوہ: ۲۸، ۲۰۵
نسیم اشرف، ڈاکٹر: ۹، ۴۵
نصاب اور جدید تقاضے: ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷،
۳۳، ۳۴، ۴۲، ۴۶، ۵۸، ۶۸، ۷۴، ۸۶، ۹۳،
۱۰۲، ۱۰۳، ۱۱۹، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۸۷، ۲۰۶،
۲۶۲، ۲۶۸، ۲۷۰، ۲۷۲، ۲۸۷، ۳۰۱، ۳۰۳،
۳۰۸، ۳۲۲، ۳۳۴
نصاب اور خواتین: ۱۴۸
نصاب اور قومی مفادات کی ہم آہنگی: ۱۴، ۲۱، ۲۸، ۳۰،
۴۰، ۴۶، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۷۱، ۷۶، ۸۲،
۸۳، ۸۷، ۸۸، ۱۱۲، ۱۴۰، ۱۵۶، ۱۸۹، ۱۹۰،
۱۹۱، ۲۶۰، ۲۶۷، ۳۰۲
نصاب میں تبدیلی/تجدید: ۱۱، ۱۳، ۱۴، ۱۷، ۲۱، ۲۲، ۲۴،
۲۹، ۳۰، ۳۲، ۶۲، ۶۳، ۶۵، ۷۴، ۸۵، ۸۸،
۸۹، ۹۲، ۹۳، ۹۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۶، ۱۴۰،
۱۴۱، ۱۴۲، ۱۵۵، ۱۹۱، ۱۹۳، ۱۹۴، ۲۴۴، ۲۵۷،
۲۶۹، ۲۷۱، ۲۷۴، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۸۶، ۲۹۱،
۲۹۸، ۳۰۴، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۵،
۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۶، ۳۲۸،
۳۲۹، ۳۳۴
نظام الدین سہالوی، مفتی: ۶۳، ۹۳، ۲۶۸
نظام الدین شامزئی، مفتی: ۲۷۹
نظام الدین طوسی: ۶۲
نظام امتحانات: ۱۱۸
نظام اور روایت: ۱۷
نظام تعلیم کی وحدت: [دیکھیے: یکساں نظام تعلیم]
نظریہ پاکستان: ۷۲
نظریہ ضرورت: ۷۷
نعیم قریشی، ڈاکٹر: ۱۵۳، ۲۳۹
نفسیات: ۱۸۴، ۱۹۲، ۳۲۹
نواز شریف: ۸۲، ۳۱۰
نوشہرہ: ۱۸۰
نیٹو: ۶۹
نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن (NIPA):
۷، ۸، ۴۲، ۹۰، ۲۵۹، ۲۶۴

Marfat.com

نیوکلیئر:۶۶

نیویارک:۱۶، ۱۹۰

و

واشنگٹن:۱۰۱

وانا:۲۵۳

وحی:۵۳، ۵۹، ۱۰۵، ۱۰۶، ۲۲۲، ۳۰۲، ۳۲۴

ورلڈ ٹریڈ سنٹر:۲۹۳

وزارت تعلیم:۳۵، ۴۳، ۶۴، ۱۶۲

وزارت خارجہ:۶۴

وزارت داخلہ:۳۶، ۶۴، ۱۶۲

وزارت مذہبی امور:۳۰، ۳۱، ۳۴، ۶۴

وزیر القادری، مولانا:۲۶۶، ۳۰۵

وفاق المدارس السلفیہ:۴، ۷۴، ۱۲۵، ۱۶۴، ۱۶۵

وفاق المدارس شیعہ:۷۴، ۱۲۵

وفاق المدارس عربیہ:۲۲، ۳۰، ۳۳، ۶۳، ۷۴، ۱۱۲، ۱۱۶، ۱۲۵، ۱۳۴، ۱۳۶، ۱۵۱، ۱۶۷، ۱۹۱، ۲۵۱، ۲۶۹، ۲۷۲، ۲۷۸، ۲۸۰، ۲۸۲، ۲۹۲، ۲۹۶، ۲۹۸، ۳۰۵

وفاق ہائے مدارس:۲۲، ۲۹، ۳۳، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۷۴، ۸۳، ۱۲۵، ۱۴۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۶، ۱۶۷، ۲۰۲، ۲۵۷، ۲۶۱، ۲۷۶، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۵، ۲۹۲، ۲۹۸، ۳۰۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۸، ۳۲۲، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۳۰

وفاقی شرعی عدالت:۱۸۴، ۳۲۸

وکالت:۲، ۷۲، ۱۱۸

وکیل احمد خان:۹، ۴۱

ویڈیو:۱۱۳، ۱۷۴

ہ

ہائر ایجوکیشن کمیشن:۳۲، ۳۸، ۲۷۴، ۳۲۶

ہاؤس کمیٹی آن ہوم لینڈ سیکورٹی:۱۲۴

ہائی اسکول کی تعلیم:۱۱۱، ۱۵۰، ۲۹۷

ہرات:۹۱

ہسپانیہ:۶۱، ۶۹، ۲۳۰ [مزید دیکھیے: سپین]

ہلاکو خان:۱۵۹

ہلمند:۹۱

ہملٹن:۱۲۴

ہنٹر، ڈاکٹر:۱۵۶، ۱۵۷

ہندسہ:۱۰، ۱۵۶

ہندو:۸۷

ہندوستان/ ہندوستانی:۶۰، ۸۶، ۱۳۵، ۱۵۵، ۱۵۸، ۱۹۲، ۲۳۰، ۲۴۷، ۲۸۸، ۳۲۹

ہنرمندی کی تعلیم:۴۸

ہیومینیٹیز:۱۵۸

ی

یشیوا:۱۸۹

یکساں نظام تعلیم:۱۵، ۴۴، ۳۹، ۸۳

یورپ:۶۹، ۸۰، ۸۲، ۸۳، ۱۰۱، ۱۲۵، ۱۵۱، ۱۵۲، ۲۶۰، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۳

Marfat.com

یونان:۸۷،۲۶۸،۲۶۹،۲۷۰،۳۲۳
یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن/ یو.جی سی:۳۲،۷۴،۲۸۵
یہودی/ یہودیت:۸۰،۲۳۹،۳۱۰
یڈیش(اسرائیلی زبان):۱۸۹

Marfat.com

④ کتب، جرائد، دستاویزات

ا

اتحاد بین المسلمین از غلام نبی زاہد: ۱۶۵

اجتہاد اور جدید مفکرین از جلیل الرحمٰن: ۱۶۵

احکام ومسائل از مولانا عبدالمنان نورپوری: ۱۷۹

احکام ومسائل از مولانا یوسف لدھیانوی: ۱۸۰

اسلام اور سائنس از خالد حسین انصاری: ۱۶۵

اسلام میں بٹائی اور ٹھیکہ از ذکاء اللہ: ۱۶۵

اسلام میں جیل کا نظام از میاں اختر علی: ۱۶۵

اسلامک ریسرچ جرنلز: ۲۲۷، ۳۳۲

اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار از ڈاکٹر رفیع الدین: ۱۶۰

اسلامی عہد میں تعلیم نسواں (مقالہ): ۱۴۹

اشراق، مجلہ: ۲۱۵

اصول شاشی (فقہ): ۱۲۱

افکارِ معلم، مجلہ: ۱۸۱

اقلیدس (ریاضی): ۱۲۱

الاتقان از جلال الدین سیوطی: ۱۰۷

الاعتصام، مجلہ: ۱۸۱

الامداد، ماہنامہ: ۱۷۹

البلاغ، ماہنامہ (دارالعلوم کراچی): ۱۸۰

التراث، مجلہ (جامعہ سلفیہ بلتستان): ۱۸۰

الجبر والمقابلہ (ریاضی): ۱۲۱

الحسن، ماہنامہ: ۱۷۹

الحق، ماہنامہ (جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک): ۱۸۰

الدعوۃ، مجلہ: ۱۸۱، ۲۱۶

السراج، ماہنامہ: ۱۸۰

السیرۃ العالمی، مجلہ: ۱۸۱

الشریعہ، ماہنامہ (الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ): ۱۸۰

الضوء اللامع از السخاوی: ۱۵۰

الفاروق، ماہنامہ (جامعہ فاروقیہ کراچی): ۱۸۰

الفقہ الاکبر از امام ابوحنیفہ: ۱۷۲

الفوز الکبیر از شاہ ولی اللہ: ۱۲۰

الکامل از المورد: ۸۵، ۸۶

الملل والنحل از ابن حزم: ۱۹۳

المنتظر، ماہنامہ (جامعۃ المنتظر لاہور): ۱۷۹

الہلال اور البلاغ (ابوالکلام آزاد): ۲۰۵

انجیل: ۱۸۹

انقلاب ایران - ایک جائزہ از جمیل اعوان: ۱۶۵

ایساغوجی (منطق): ۱۲۰

ایشیا، ہفت روزہ (لاہور): ۱۸۱، ۲۳۴

ب

برصغیر کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم از پروفیسر

Marfat.com

بختیار حسین صدیقی:۱۷۶

بیدار ڈائجسٹ:۱۸۱

بیداری، مجلّہ (حیدر آباد):۱۸۱، ۲۰۶

بینات، ماہنامہ (جامعہ بنوریہ کراچی):۱۸۰

پ

پاکستانی جامعات میں عربی زبان وادب اور علوم اسلامیہ میں تحقیق از ڈاکٹر سفیر اختر:۱۶۰

ت

تاریخ اعلام:۱۲۱

تاریخ بغداد از الخطیب البغدادی :۱۴۹

تاریخ فرشتہ:۱۵۷

تاریخ مدرسہ عالیہ کلکتہ از عبدالستار خان :۱۶۱

ترجمان الحدیث، ماہنامہ (جامعہ سلفیہ فیصل آباد):۱۸۰

ترجمان القرآن، ماہنامہ (لاہور):۱۸۱

ترمذی شریف:۱۴۴

تعلیم الاسلام از مفتی کفایت اللہ:۱۲۱

تعلیمی پالیسی ۱۹۷۹ء:۲۹

تعلیمی پالیسی ۱۹۹۸ء:۲۹

تعمیر افکار، مجلّہ:۱۸۱

تفسیر بیضاوی:۱۲۰

تفسیر جلالین:۱۲۰

تفہیم المسائل (جامعہ تفہیم القرآن مردان):۱۷۹

تورات:۱۸۹

توضیح المسائل (فقہ کی کتاب):۱۴۱

توضیح وتلویح (فقہ):۱۲۰

تہذیب الاخلاق، رسالہ:۲۰۵

ج

جنگ، روزنامہ:۱۰

ح

حدود آرڈی ننس کا جائزہ از عبداللہ سلیم:۱۶۵

حرمین، ماہنامہ (جامعہ اثریہ جہلم):۱۸۰

خ

خلاصۃ الحساب (ریاضی):۱۲۱

خواتین میگزین، ماہنامہ:۱۸۱

د

دارالعلوم، ماہنامہ (دیوبند):۱۸۰

دائرہ معارف الاسلامیہ:۲۰۹

دختران اسلام، مجلّہ: ۲۱۵

دیوان حماسہ (ادب):۱۲۱

ر

رپورٹ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس، حکومت پاکستان ۱۹۷۹ء:۱۵۷

رجسٹریشن آف پریس اینڈ پبلی کیشن آرڈی ننس ۱۹۸۸ء:۲۱۳

ز

زبور:۱۸۹

س

سبعہ معلقہ (ادب):۱۲۱

Marfat.com

سراجی (علم الفرائض): ۱۲۱
سلم العلوم (منطق): ۱۲۰

ش

شرح العقائد خیالی: ۱۲۱
شرح الوقایہ: ۱۲۰
شرح چغمینی (منطق): ۱۲۰، ۱۵۵
شرح مائۃ عامل (عربی گرائمر): ۱۲۰
شمس الاسلام، ماہنامہ (بھیرہ): ۱۸۰
شمس بازغہ (منطق): ۱۲۰
شمسیہ (منطق): ۱۲۰

ص

صبح الاعشیٰ: ۱۵۷
صحاح ستہ: ۱۲۱، ۲۶۹
صحیفہ اہل حدیث، پندرہ روزہ (کراچی): ۱۸۰، ۲۱۶
صرف بائی (عربی گرائمر): ۱۲۰
صرف میر (عربی گرائمر): ۱۲۰

ض

ضرب طیبہ، مجلہ: ۲۱۶
ضیاء حرم، ماہنامہ (جامعہ غوثیہ بھیرہ): ۱۸۰

ط

طیبات، مجلہ: ۲۱۶

ع

عرفات، ماہنامہ: ۱۷۹

ف

فتاویٰ اہل حدیث (جامعہ اہل حدیث لاہور): ۱۷۹
فتاویٰ ثنائیہ از مولانا ثناء اللہ امرتسری: ۱۸۰
فتاویٰ حقانیہ (دار العلوم حقانیہ): ۱۷۹
فتاویٰ سلفیہ از مولانا محمد اسماعیل سلفی: ۱۸۰
فتاویٰ عزیزی از شاہ عبد العزیز محدث دہلوی: ۱۸۰
فتاویٰ نذیریہ از میاں نذیر حسین دہلوی: ۱۷۹
فتح الباری شرح صحیح بخاری: ۱۷۱
فقہ اسلامی، مجلہ (کراچی): ۱۸۱
فکر و نظر، مجلہ: ۱۶۰

ق

قاضی (منطق): ۱۲۰
قانونِ شہادت: ۹۴
قدوری: ۱۲۰
قرآن: ۱۶، ۲۰، ۲۴، ۲۶، ۳۴، ۴۵، ۴۶، ۴۹، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۵، ۵۷، ۵۸، ۶۲، ۶۳، ۶۸، ۷۰، ۷۱، ۸۰، ۸۱، ۸۳، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۹۳، ۹۸، ۹۹، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۱، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۵، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۶۶، ۱۷۵، ۱۸۳، ۱۹۶، ۱۹۷، ۲۰۷، ۲۱۲، ۲۱۵، ۲۱۷، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۷، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۵۰، ۲۵۳، ۲۶۸، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۷، ۲۸۳، ۲۹۰، ۲۹۱، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۲۳، ۳۲۵، ۳۲۹، ۳۳۱، ۳۳۳
قطبی (منطق): ۱۲۰

Marfat.com

ک

کافیہ(عربی گرائمر):۱۲۰

کنز الدقائق:۸۸

گ

گلستان اور بوستان از شیخ سعدی:۶۸

م

محدث، ماہنامہ(بنارس):۱۸۰

محدث، ماہنامہ(لاہور):۱۵۴،۱۷۹،۲۰۶،۲۱۹

مختصر المعانی(لغت):۱۲۱

مرقات(منطق):۱۲۰

مسند احمد:۱۷۲

مشکوٰۃ المصابیح:۵۵،۱۴۸،۲۶۹

معارف(ندوہ کا مجلہ):۲۰۵

مقامات حریری(ادب):۱۲۱

مقدمہ ابن خلدون:۱۲۱

مقدمہ ابن صلاح(حدیث):۱۲۰

ملا صدرا(منطق):۱۲۰

ملا حسن(منطق):۱۲۰

منتخب اللباب از خوافی خان:۱۵۶

منتخب حسامی(فقہ):۱۲۰

منہاج القرآن، ماہنامہ:۱۷۹،۲۱۵،۲۱۶

مؤطا امام مالک:۲۲۲

میبذی(منطق):۱۲۰

میثاق، ماہنامہ:۱۸۱

میر قطبی(منطق):۱۲۰

میزان منشعب(عربی گرائمر):۱۲۰

ن

نحو میر(عربی گرائمر):۱۲۰

نخبۃ الفکر:۱۲۱

نفحۃ العرب(ادب):۱۲۱

نوائے وقت، روزنامہ:۲۴۵

نور الانوار از مولانا حافظ شیخ احمد(ملا جیون):۱۲۰

نور الایضاح(فقہ):۱۲۰

نور الحبیب، ماہنامہ:۱۸۰

و

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا مؤقف از مولانا محمد
حنیف جالندھری:۲۲

ہ

ہدایہ:۵۸،۸۸،۱۲۰،۳۲۳

ہدایۃ النحو:۱۲۰

ہمارے ہندوستانی مسلمان از ڈاکٹر ہنٹر:۱۵۶

ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں از ابوالحسنات
ندوی:۱۵۷

ہندوستان میں عہد عالمگیر از مرزا سمیع اللہ بیگ:۱۵۷

۵۲ مسلم سائنس دانوں کے حالات:۱۲۰

۷۶:The Reconstruction of Religious
Thoughts in Islam by Allam Iqbal

۱۶: What is Right with Islam by Imam
Abdur Rauf Faisal

Marfat.com

ہماری نئی کتابیں

دینی مدارس — تبدیلی کے رجحانات

پاکستان کی ۵۰ سے زائد بڑی دینی جامعات کا مطالعہ

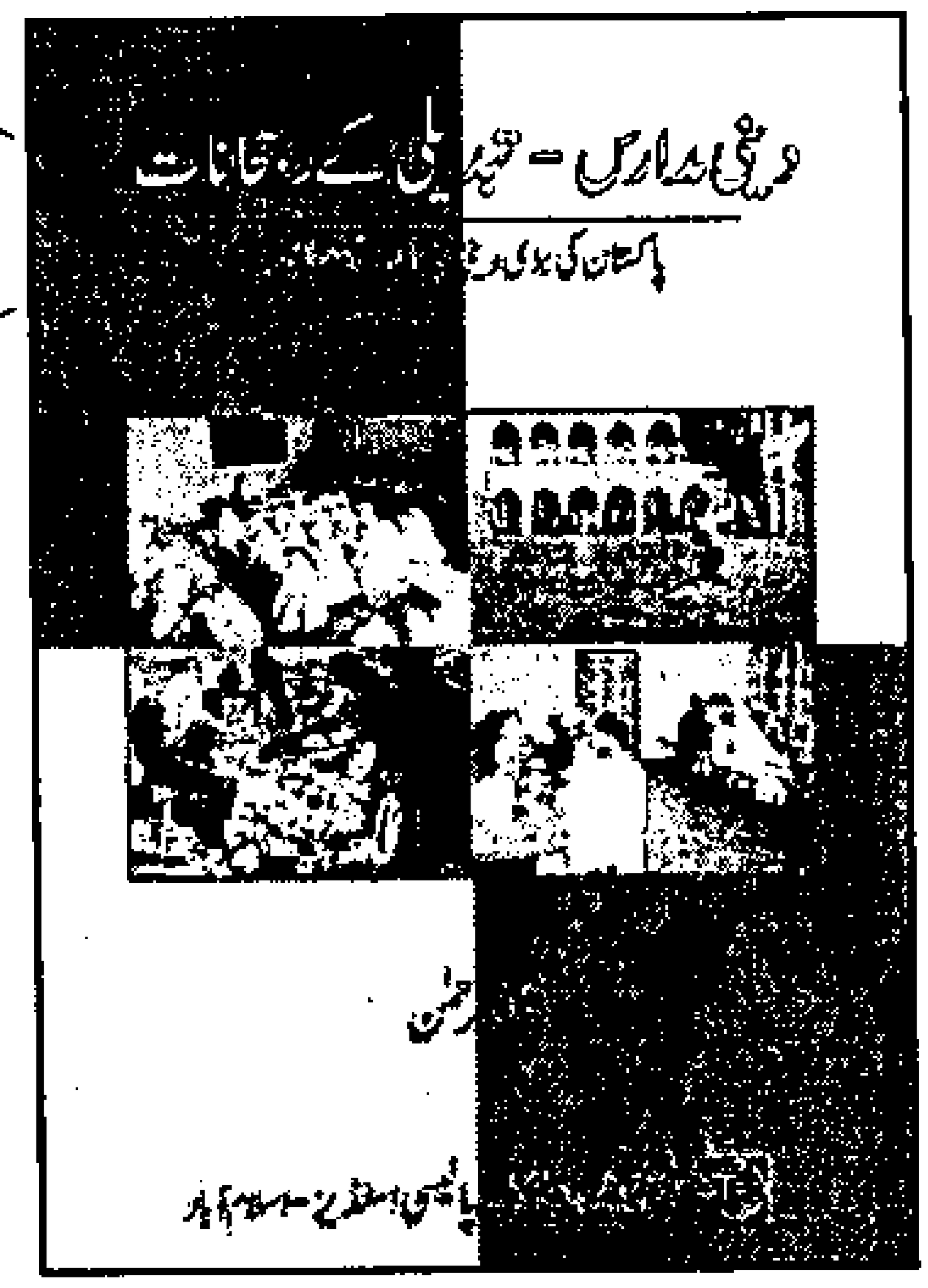

- دینی مدارس میں ماضی کے مقابلہ میں کیا کچھ بدل چکا ہے؟
- وہاں آج کیا نئے تجربات ہو رہے ہیں؟ (مشاہدہ)
- مدارس کے ذمہ داران کیا سوچتے ہیں؟ (انٹرویوز)

قیمت 375 روپے

عصر حاضر اور شریعت اسلامی

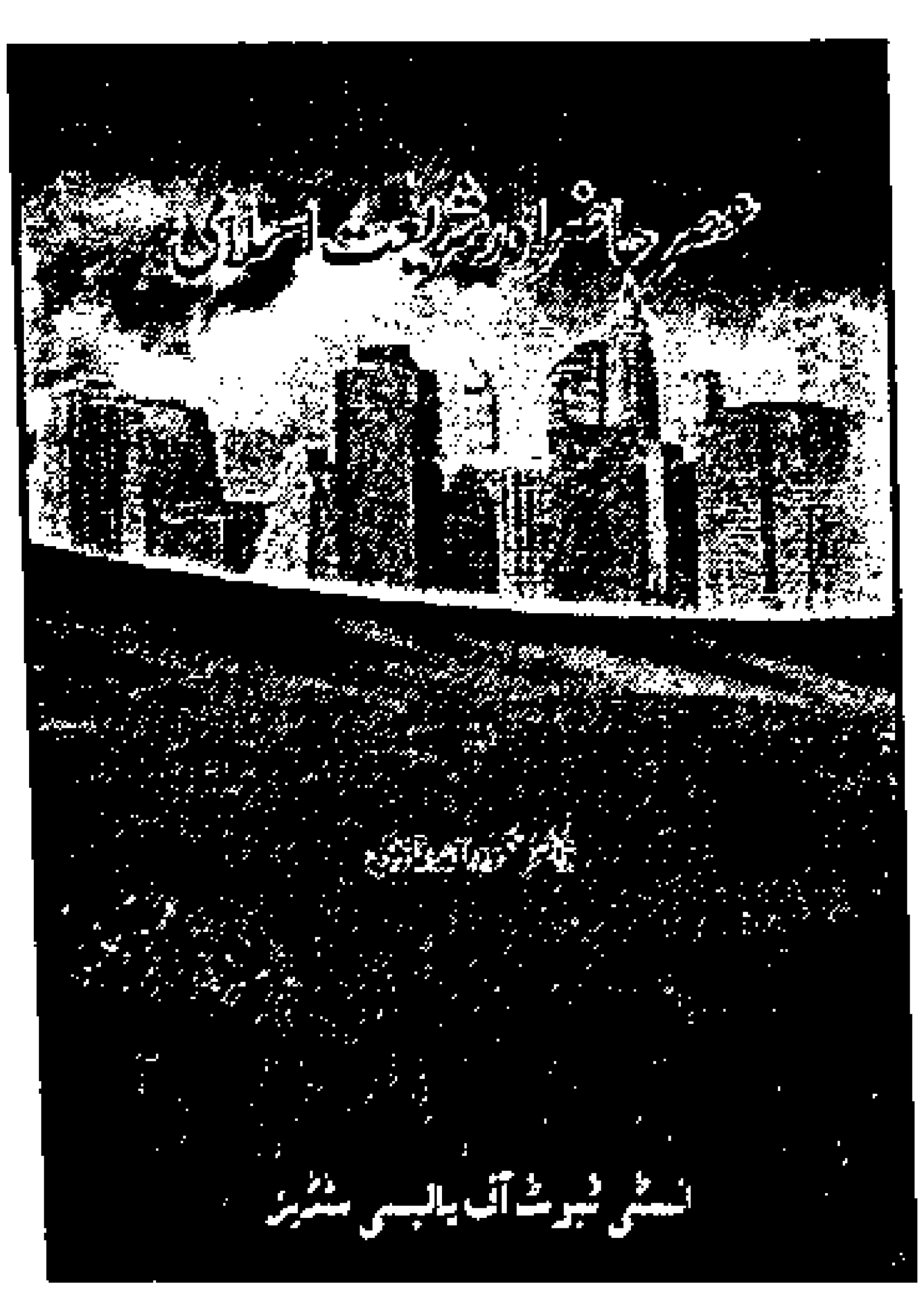

- دور جدید کے لئے اسلامی شریعت کی رہنمائی اور پیغام کیا ہے؟
- ڈاکٹر محمود احمد غازی کے آسان زبان میں آٹھ لیکچرز کا مجموعہ
- ہر پڑھے لکھے فرد کی ضرورت

قیمت: 500 روپے

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز

پلاٹ نمبر1، گلی نمبر8، F-6/3، اسلام آباد
فون: 051-2650971-3، فیکس: 051-2650704
ای میل: publications@ips.net.pk، ویب سائٹ: www.ips.org.pk

Marfat.com

پاکستان میں دینی تعلیم

منظر، پس منظر و پیش منظر

خالد رحمن

اے۔ڈی۔میکن

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز

Marfat.com